بعونہٖ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ سلسلہ فردوسیہ

محمد معین الدین دردائی ایم۔اے علیگ

ملنے کا پتہ

- محمد مظفر الدین صاحب - محلہ خانقاہ - بہار شریف (ضلع پٹنہ)
- کتاب منزل - باری روڈ - گیا
- عثمانیہ بک ڈپو - لورچیت پور روڈ، کلکتہ

قیمت ـــــ چھ روپئے

طبع اول ـــــــــــ فروری ۱۹۶۲ء

تعداد ـــــــــــ ایک ہزار

مطبوعہ تاج پریس - باری روڈ (دھامی ٹولہ) گیا

انتساب

سلسلہ فردوسیہ کے سب سے درخشندہ ستارے
حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ
کے نام

بردر او ہر کہ ارادت نمود ؎
زندہ جاوید شد ار مردہ بود

دردائیؔ

فہرست مضامین

صفحہ

صفحہ

بعونہٖ

پیش لفظ

رہا نہ حلقۂ صوفی میں سوزِ مشتاقی
فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی

جن لوگوں کو یہ توقع ہو گی کہ وہ اس کتاب میں صوفیائے کرام کی مافوق الفطرت کہانیاں پڑھیں گے اور ان کی اچنبھا کر دینے والی کرامات سے دل کو گرمائیں گے، انہیں شائد نا امیدی ہو گی کیونکہ بقول حضرت مخدوم الملکؒ "کرامت محض شعبدہ بازی ہے۔ اگر ہوا میں اڑتے ہو تو مکھی ہو اور پانی میں تیرتے ہو تو گھانس پھونس ہو" تصوف کے سلسلے میں اس طرح کی اچنبھا کر دینے والی کہانیاں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ یا جو لوگ میری اس کتاب میں ان اعتراضات کو ڈھونڈھیں گے جو نا واقف نقادوں نے صوفیائے کرام پر کشاکش حیات سے گریز، اتباع شریعت سے انحراف اور راہبانہ زندگی سے متعلق عائد کئے ہیں انہیں بھی مایوسی ہو گی کیونکہ اس میں ان معترضین کی جہالت اور ناواقفیت کا پردہ چاک کر کے حقیقت حال کو سامنے لائی

کوشش کی گئی ہے۔

"صوفیائے خام" اور "مسخ شدہ تصوف" سے صحیح اسلامی تصوف کا اندازہ لگانا اور حقیقت حال سے پوری آگاہی حاصل کئے بغیر تصوف کے سرچشموں ہی کو بدنام کر دینا بڑی ناسمجھی ہے۔ تصوف کی مستند کتابوں مثلاً قوت القلوب کشف المحجوب، رسالہ قشیریہ، عوارف المعارف، تذکرۃ الاولیاء، فوائد الفواد، خیر المجالس، راحت القلوب، مخ المعانی، مناقب الاصفیا، خوان پر نعمت کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ دراصل تصوف مذہب کی روح، اخلاق کی جان، ایمان کا کمال اور مکمل طور پر اتباع شریعت کا ہی نام ہے مثلاً اخبار الاخیار میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کا یہ فیصلہ :-

"مشرب پیر حجت نمی شود از کتاب و حدیث می باید"[1]

یا حضرت جنید بغدادیؒ کی یہ ہدایت کہ :-

"ایں راہ کسے یابد کہ کتاب بر دست راست گرفتہ باشد و سنت مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم بر دست چپ و در روشنائی ایں دو شمع می رود تا نہ در مغاک شبہت افتد نہ در ظلمت بدعت"[2]۔

یا حضرت مخدوم الملکؒ کا پابندی شریعت کے بارے میں یہ فرمان :-

"شریعت کے بغیر راہ سلوک میں قدم رکھنا جہالت اور ہلاکت ہے۔

---

[1] اخبار الاخیار، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ صفحہ ۸۱ [2] تذکرۃ الاولیار صفحہ ۸

شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک سالک کو شریعت سے واقفیت نہیں تو وہ طریقت اور حقیقت سے آگاہی نہیں حاصل کر سکتا ہے۔[1]

ہمارے دعوے کے ثبوت میں پیش کئے جا سکتے ہیں مگر اس پر بھی اس گروہ پر کتاب و سنت سے بے توجہی کا الزام لگانا حقائق سے اغماض نہیں تو اور کیا ہے

دوسرا اعتراض صوفیائے کرام پر ناواقفوں کا یہ ہے کہ وہ عالم اور فاضل نہیں ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ تصوف کو جہلا کا مسلک بھی کہنے میں ان کو جھجک نہیں۔ اور یہ غلط فہمی غالباً اس بنا پر پیدا ہوئی کہ علما اور صوفیا برابر دو علحدہ علحدہ جماعت میں منقسم رہے ہے۔ علمائے ظاہری اکثر و بیشتر معاملات میں صوفیا کے ہم خیال نہ تھے۔ یہ اختلاف اکثر عوام میں نمایاں بھی ہو جاتا تھا۔ اسی سے لوگوں نے غالباً یہ سمجھ لیا کہ صوفیا عالم دین اور فاضل نہیں ہوتے۔ حالانکہ مشائخ کے حالات زندگی اور ان کے اقوال کے سرسری مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صوفیائے کرام نہ صرف علوم اسلامی سے آراستہ ہوتے تھے بلکہ اپنے مریدوں کو بھی علم حاصل کرنے کی ہدایت فرماتے تھے۔

حضرت بابا فرید شکر گنج ؒ فرمایا کرتے تھے:-

"جاہل پر شیطان مسخر ہو جاتا ہے۔"

---

[1] معدن المعانی صفحہ ۴۷ حصہ اول

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا فوائد الفواد میں یہ قول درج ہے کہ :-

"پیر آں چناں باید کہ در احکام شریعت و طریقت و حقیقت عالم باشد[1]

و چوں ایں چنیں باشد او خود ہیچ نامشروع نہ فرماید۔"

حضرت مخدوم الملکؒ نے خوان پر نعمت میں علم کے بارے میں واضح طور پر تاکید فرمائی ہے کہ :-

"کسی سالک کو بغیر علم کے اس راہ میں قدم نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ[2]

علم کے بغیر اکثر وہ کافر یا مجنون ہو جاتا ہے۔ بعض اولیاء ناخواندہ گذرے ہیں

مگر ان کو رحمت خاص سے فیض ملا تھا جس کی مثالیں بہت کم ہیں۔"

اپنے مکتوب بست و سوم میں اس سے بھی زیادہ صاف طور پر روشنی ڈالی ہے لکھتے ہیں :-

"بداند خداوند تعالےٰ را ہیچ ولی جاہل نبودہ است و نباشد ما اتخذ

اللہ ولیا جاھلا گفتہ مشائخ است و در قرآن بدین اشارت است

ولم یکن لہ ولی من الذل۔ خداوند ہیچ جاہلے را دوست ندارد، و

دوست نہ گرفتہ است کہ جہل مر اصل ہمہ ذلتہا ست۔"

علامہ ابن جوزی جو تصوف کے حامیوں میں نہ تھے۔ ایک جگہ صوفیا کے

عالم ہونے کا اعتراف ان الفاظ میں فرماتے ہیں :-

"وما کان المتقدمون فی التصوف الا رؤساً فی القرآن والفقہ[3]

والحدیث والتفسیر۔"

---

[1] فوائد الفواد صفحہ ۱۴۷ [2] خوان پر نعمت صفحہ ۶-۷ [3] تلبیس ابلیس صفحہ ۳۴۵

(یعنی قدمائے صوفیا قرآن فقہ حدیث اور تفسیر کے امام تھے)

تیسرا اعتراض صوفیا پر نادانوں کا ان کی رہبانیت کے بارے میں ہے یہ بھی حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ مولانا رومی نے اس کو صرف ایک شعر میں واضح کر دیا ہے

چیست دنیا از خدا غافل بودن ؎

نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فوائد الفواد میں اس کو اور بہت زیادہ واضح فرمادیا ہے جس کے پڑھنے کے بعد عیاں ہو جاتا ہے کہ تصوف کا رہبانیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں فرماتے ہیں:۔

"ترک دنیا[1] آن نیست کہ کسے خود را برہنہ کند مثلاً لنگوٹہ بہ بندد و بہ نشیند ترک دنیا آن ست کہ لباس بہ پوشد و طعام بخورد و انچہ می رسد روا بدارد و بجمع او میل نہ کند و خاطر را متعلق چیزے ندارد۔"

غرضیکہ صوفیا نے دنیا کو ہمیشہ اس نظر سے دیکھا:؎

بگیر رسم تعلق دلا ز مرغابی

کہ او ز آب چو برخاست خشک پر برخاست

نہ کہ رہبانیت کو قبول کیا۔

چوتھا اعتراض مشائخ پر ملت اسلامیہ کو بے عمل بنا دینے کا ہے۔ کاش کہ

---

[1] فوائد الفواد صفحہ ۹

اس طرح کا اعتراض کرنے والے حضرات سنائیؒ کے اس شعر سے آشنا ہوتے؟

اے کہ شنیدی صفت روم و چین   خیز و بیا ملک سنائیؒ بہ بیں

غور سے دیکھا جائے تو یہ صوفیا اور مشائخ ہی تھے جو ہر بُرے موقع پر آگے بڑھے اور جنھوں نے ملت کے جسم مردہ میں اپنے اقوال اور افعال سے جان ڈالی، ان کو مایوسی سے نجات دلائی اور نکبت کے گڑھے میں گرنے سے بچایا اور جب جب ملت اسلامیہ کو زوال اور انحطاط نے اپنا بھیانک چہرہ دکھلایا ان بزرگوں نے اس کو بڑھ کر سہارا دیا اور قوت و احیا کے راستے نکالے لیکن افسوس ہے کہ ان بزرگوں کا یہی گوشہ اب تک تاریکی میں ہے۔ مورخین کو بادشاہوں کے رزم و بزم کی داستان نویسی سے فرصت ہی نہ ملی کہ اس اہم حصہ پر بھی توجہ فرماسکتے۔ مذہبی تذکرہ نگاروں نے اپنی ناسمجھی سے اس طرح انکی سوانح حیات مرتب کی کہ ان کے اصلی خط و خال ہی نمایاں نہ ہوسکے اور انکی وہ کتابیں صرف کشف و کرامات کی چند بے معنی داستانیں ہو کر رہ گئیں۔ اور اس سے بڑھ کر شرم اور دکھ اس بات کا ہے کہ جو کام ہم لوگوں کے کرنے کا تھا اس کو ہم سے پہلے یورپ کے بعض مستشرقین کر گئے۔ غیر مذہب کے ہوتے ہوئے بھی انھوں نے اسلامی تصوف کو سلیقے سے پیش کیا اور صوفیا و مشائخ کی عظمت اور خوبیوں کو انسانیت کی سطح پر اس طرح پیش کیا کہ ان کے صحیح خط و خال نمایاں ہوگئے۔

پروفیسر ہٹی (Hitti, H) نے اپنی کتاب ہسٹری آف دی عربس (History ...

(The Arabs میں ایک جگہ لکھا ہے کہ :-

" سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں مذہبی اسلام نے نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں -"[1]

ہولینڈ کے ایک عالم ووکے گارڈ Frede Lokke Gaard نے اپنی کتاب Islamic Taxation in the Classic Period میں بڑی حیرت کے ساتھ لکھا ہے کہ :-

" گو اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا -"[2]

انگلستان کے ایک فاضل مستشرق پروفیسر ایچ - اے - آر گب H. A. R. Gibbs نے ایک مرتبہ آکسفورڈ یونیورسٹی مجلس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا :-

" تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا ہے لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیا کا انداز فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اور اسکو

ا۔ History of The Arabs Page 475

ا۔ Islamic Taxasion in The Classic Period
Copenhagen 1950

اتنی قوت وتوانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔"

اب وقت کا تقاضا ہے کہ تنقیدی اصولوں سے چشم پوشی کر کے محض عقیدت پر علم کی عمارت نہ تعمیر کی جائے اور اپنے اسلاف صوفیا اور مشائخ کے حالات، بزرگی اور خوبیوں کا تذکرہ انسانیت کی سطح پر کیا جائے کہ بنی نوع انسان کے لئے مفید ہو۔ اس بات کو ہمارے اہل قلم اچھی طرح سمجھ گئے ہیں اور اس اصول کے تحت کتابیں بھی لکھی جانے لگی ہیں۔ جن میں جناب صباح الدین عبدالرحمن صاحب کی کتاب بزم صوفیا اور پروفسر خلیق احمد نظامی صاحب کی کتاب تاریخ مشائخ چشت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسلامی تصوف اور صوفیا پر ان دونوں کی کتابیں بڑی اہم ہیں اور آئندہ اس موضوع پر لکھنے والوں کیلئے "سنگ میل" کا کام دیں گی۔

بہ لحاظ بیعت فردوسیہ سلسلے کے کئی شجرے اس وقت چل رہے ہیں لیکن اس کتاب میں ہم نے صرف ان ہی مشائخ فردوس کا ذکر کیا ہے، جو علی التسلسل خانقاہ معظم میں مسندِ سجادگی پر رونق افروز ہوئے۔

دیباچہ کے علاوہ، جس میں اسلامی تصوف کے ارتقا اور تشکیل سے بحث کی گئی ہے، اس کتاب کو ہم نے اٹھائیس فصلوں میں تقسیم کیا ہے۔ ہر فصل میں سلسلہ فردوسیہ کے ایک بزرگ کے سوانح حیات، تعلیم، روش، طریقہ

Islamic Culture 1942 Page 262 ؁

رشد وہدایت اور ان کے علمی اور دینی کارناموں کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے
کشف وکرامات کے حصے کو لکھنے میں ہم نے تامل اور احتیاط سے کام لیا ہے۔
اس لئے نہیں کہ میں بزرگوں کے کشف وکرامات کا قائل نہیں یا ان لوگوں کی
ذات سے اس کے امکانات کا منکر ہوں بلکہ اس وجہ سے کہ ان کشف وکرامات سے
بڑھ کر میرے دل میں ان بزرگان دین کے علمی فضائل، اعلیٰ اخلاق، نفس کشی،
خدمت خلق اور محبت عالم کی زیادہ قدر واہمیت ہے۔

بعض بزرگوں کے حالات ہمیں انتہائی کوششوں کے باوجود بھی اس سے
زیادہ نہ مل سکے جو پیش کئے جا رہے ہیں۔ ممکن ہے کسی کے ہاتھ اس بنیاد پر
آئندہ سربفلک عمارت تعمیر ہو جائے۔

سلسلہ فردوسیہ کی تاریخ گذشتہ آٹھ سو برسوں میں اب تک ایک بھی
نہیں لکھی گئی ہے۔ سوائے اس کے کہ ان میں سے بعض مشائخ کے حالات
وقتاً فوقتاً بعض کتابوں اور رسائل میں چھپے ہیں۔ اس لئے اس کتاب کو
لکھنے کا کام شروع کرنے سے پہلے مواد کا حاصل کرنا مجھ جیسے مجبور و ناتواں
انسان کے لئے بہت دشوار معلوم ہوا لیکن ہمارے بعض احباب، بزرگوں اور
عزیزوں نے ہمت افزائی کی، معاونت کے وعدے کئے تو خدا کے بھروسے پر
میں مستعد ہو گیا اور ڈیڑھ دو برس کے عرصے میں اپنی صلاحیت کے مطابق
انتہائی کوششوں کے بعد جو کچھ ہو سکا وہ پیش کر رہا ہوں۔

اس کتاب کے مرتب کرنے میں مجھے اپنے دو بزرگوں سے بے انتہا مدد ملی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان دونوں کی ہمت افزائی اور تعاون شامل حال نہ ہوتا تو اس کتاب کا پایۂ تکمیل تک پہنچ جانا بہت دشوار تھا۔ یہ دونوں بزرگ جناب سید شاہ نجم الدین احمد نجم فردوسی مدظلہٗ اور جناب سید محمد قطب الدین صاحب ہیں ایک کا تعاون علمی تھا اور دوسرے کا عملی۔

جناب سید شاہ نجم الدین احمد نجم فردوسی مدظلہٗ جو زبان فارسی پر غیر معمولی قدرت رکھتے ہیں اور فن تصوف بالخصوص سلسلہ فردوسیہ پر بڑی اچھی بصیرت رکھتے ہیں۔ برابر اپنے گرانقدر علمی مشوروں سے میری رہبری کرتے رہے۔ جناب سید قطب الدین صاحب ریٹائرڈ انسپکٹر آف پولس جنھیں علم و ادب کا بہت ہی پاکیزہ مذاق قدرت کی طرف سے ودیعت ہوا ہے ہر اس موقع پر میری ہمت افزائی کرتے رہے جب میں اپنی کم بضاعتی اور موجودہ دور کے بعض مشائخ کرام کی بے توجہی اور بے اعتنائی سے دلگیر اور دل شکستہ ہو کر ہمت ہار بیٹھتا تھا۔ میں اپنے ان دونوں بزرگوں کا حد درجہ شکر گذار ہوں۔

جناب سید شاہ قسیم الدین صاحب فردوسی نے بھی اس سلسلے میں اپنے ذاتی کتب خانے سے بہت سے مخطوطے بہم پہنچائے جن سے مجھے بڑی مدد ملی ان کا بھی میں بہ دل سپاس گذار ہوں۔

برادر محترم جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب ام۔ اے علیگ کا بھی

منت کش ہوں کہ انہوں نے نہ صرف اپنے بعض قیمتی مشوروں سے نوازا۔ بلکہ میری درخواست پر "تعارف" لکھ کر مجھ کو ممنون کرم فرمایا۔

اپنی ہیچمدانی کے تحت میں اس کتاب کی بعض کوتاہیوں اور خامیوں سے واقف ہوں لیکن مجھے امید ہے کہ پڑھنے والوں کی وسیع القلبی ان خامیوں سے درگذر کر کے مجھے دعائے خیر سے یاد کرے گی۔

اس کتاب کی تصنیف میں جن کتابوں اور رسائل سے مدد لی گئی ہے ان کی فہرست علحدہ "ماخذ" کے عنوان سے مندرج ذیل ہے۔ رسائل اس سلسلے میں مجھے بہت دیکھنے پڑے لیکن سب کا نام دینا دشوار تھا۔ اس لئے نظر انداز کیا گیا۔

ہیچمدان

محمد معین الدین دردائی ام اے علیگ

بہا شریف
۹ر اکتوبر سنہ ۱۹۶۱ء

ماخذ

	نام کتب	نام مصنّف	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ
۱-	نفحات الانس	مولانا عبدالرحمٰن جامی رح	مطبوعہ
۲-	رسالہ تحقیقات المعانی ملفوظ مولانا امون رح	مرتبہ مولانا ازرانی رح	قلمی
۳-	دیگر بیاض وسفینہ سجادگان مخدوم الملک بسلسلہ نسب نامہ وغیرہ	سجادگان مخدوم الملک	قلمی
۴-	حیات ثبات	سید شاہ نجم الدین احمد نجم فردوسی مدظلہٗ	قلمی
۵-	راحت القلوب (ملفوظات)	مولانا زین بدر عربی	مطبوعہ
۶-	وفات نامہ حضرت مخدوم الملک	مولانا زین بدر عربی	مطبوعہ
۷-	مخ المعانی (ملفوظات)	مولانا زین بدر عربی	״
۸-	خوان پر نعمت (ملفوظات)	مولانا زین بدر عربی	״
۹-	مونس القلوب (ملفوظات)	مخدوم حضرت احمد لنگر دریا بلخی فردوسی رح	قلمی
۱۰-	مناقب الاصفیا	مخدوم شاہ شعیب فردوسی رح	قلمی و مطبوعہ
۱۱-	خزینۃ الاصفیا	غلام سرور خلف مفتی غلام محمد صاحب	مطبوعہ

نمبر	نام کتاب	مصنف	کیفیت
١٢	اسرار الواصلین	انیس احمد فاروقی نقشبندیؒ	مطبوعہ
١٣	سیر الاولیاء	سید مبارک للعلوی الکرمانی مشہور بہ امیر خوردؒ	مطبوعہ
١٤	بزم صوفیا	جناب صباح الدین عبد الرحمٰن ایم اے	مطبوعہ
١٥	تاریخ مشائخ چشت	پروفیسر خلیق احمد نظامی (مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)	مطبوعہ
١٦	وسیلۂ الشرف	جناب سید شاہ فرزند علی صوفیؒ	مطبوعہ
١٧	ذریعہ دولت	" " "	مطبوعہ
١٨	مکتوبات مولانا مظفر شمس بلخی فردوسیؒ	حضرت مخدوم مظفر بلخیؒ	قلمی و مطبوعہ
١٩	معدن المعانی ہر دو جلد (ملفوظات)	مولانا زین بدر عربیؒ	قلمی
٢٠	سیرت الشرف	جناب ضمیر الدین صاحب	مطبوعہ
٢١	ارشاد السالکین	مخدوم الملک سید شرف الدین یحییٰؒ	مطبوعہ
٢٢	مکتوبات صدی	" " "	مطبوعہ
٢٣	مکتوبات سہ صدی	" " "	مطبوعہ
٢٤	گل فردوس	حضرت سید شاہ امین احمد فردوسیؒ	مطبوعہ
٢٥	دیوان برہان	مخدوم مولانا مظفر بلخیؒ	مطبوعہ
٢٦	دیوان حضرت حسین نوشہ توحیدؒ	مخدوم حسین نوشہ توحیدؒ	مطبوعہ و قلمی
٢٧	حضرات خمس (عربی)	" "	مطبوعہ
٢٨	کاشف الاسرار (فارسی)	مخدوم حسن دائم جشنؒ	مطبوعہ

نمبر	کتاب	مصنف	کیفیت
۲۹	مکتوبات حضرت حسین نوشہ توحیدؒ	مخدوم حسین نوشہ توحیدؒ	قلمی
۳۰	دیوان مخدوم احمد لنگر دریا	مخدوم احمد لنگر دریاؒ	مطبوعہ
۳۱	گلزار سلاسل	حضرت سید شاہ محمد جعفر حسنؒ	مطبوعہ
۳۲	دیوان فارسی ظلومؔ	حضرت شاہ سیدہ امیر الدین احمدؒ ظلومؔ	قلمی
۳۳	دیوان وجدؔ	حضرت شاہ سیدہ امیر الدین احمدؒ وجدؔ	قلمی
۳۴	فوائد رکنی	مخدوم الملکؒ	مطبوعہ
۳۵	مکتوبات بست و ہشت	از مخدوم الملکؒ بنام مولانا مظفر بلخیؒ	مطبوعہ
۳۶	رسالہ اشارات	مخدوم الملکؒ	مطبوعہ
۳۷	ارشاد الطالبین	"	مطبوعہ
۳۸	اوراد شرفی	"	مطبوعہ
۳۹	اخبار الاخیار (فارسی)	شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ	۱۳۰۹ھ
۴۰	اولیاء اللہ و اولیاء الشیاطین	مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم	مطبوعہ
۴۱	الغزالی	علامہ شبلی نعمانیؒ	مطبوعہ
۴۲	المامون	"	"
۴۳	آئین اکبری	ابو الفضل مرتبہ سر سید احمد خان	مطبوعہ
۴۴	تاریخ جہان کشا (گب موویل سیریز)	عطا ملک جوینی	مطبوعہ
۴۵	تاریخ فیروز شاہی	مولانا ضیاء الدین برنی (مرتبہ سر سید احمد خاں)	مطبوعہ

۴۶ - تاریخ ہند	مولانا ذکاء اللہ دہلوی	مطبوعہ
۴۷ - تذکرہ	مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم	مطبوعہ
۴۸ - تذکرہ علماء ہند	مولوی رحمان علی صاحب	مطبوعہ
۴۹ - ترجمان القرآن	مولانا ابوالکلام آزاد صاحب	مطبوعہ
۵۰ - مولانا الیاس اور انکی دینی دعوت	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	مطبوعہ
۵۱ - حیات مالک	مولانا سید سلیمان ندوی	مطبوعہ
۵۲ - سوانح مولانا روم	امام غزالی رح	مطبوعہ
۵۳ - شعر العجم ۵ جلد	علامہ شبلی نعمانی رح	مطبوعہ
۵۴ - سیرت النبی	" " "	مطبوعہ
۵۵ - کشف المحجوب	شیخ علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش	مطبوعہ
۵۶ - وجد و سماع (اردو ترجمہ السماع والرقص ابن تیمیہ)	مترجمہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی	مطبوعہ
۵۷ - ہسٹری آف دی پرشین لٹریچر (چہار جلد)	مسٹر براؤن (انگریزی)	مطبوعہ
۵۸ - شجرات طیبات	جناب حضور سید شاہ امین احمد فردوسی رح	"
۵۹ - سلسلۃ الآلی	" " " "	"
۶۰ - محل بہشتی	" " " "	"
۶۱ - روضۃ النعیم	" " " "	"
۶۲ - عبرت افزا	" " " "	"

تعارف

ہندوستان میں صوفیائے کرام کے بہت سے سلسلے ہیں - چشتیہ، سہروردیہ، فردوسیہ، قادریہ، نقشبندیہ، مجددیہ، شطاریہ وغیرہ ۔ چشتیہ سلسلہ اپنی مختلف شاخوں کے ساتھ تمام ہندوستان میں مقبول ہوا - سہروردیہ کے فیوض سے پنجاب اور سندھ زیادہ سیراب ہوا - قادریہ سلسلہ بھی ہندوستان کے مختلف گوشوں میں پھیلا ۔ نقشبندیہ کے ساتھ مجددیہ سلسلہ نے ہندوستان میں بڑے روحانی اور سیاسی انقلابات پیدا کئے ۔ شطاریہ سلسلہ کے بزرگوں سے نہ صرف وسط ہند مستفیض ہوا بلکہ ہندوستان کے اور حصوں کے لوگ بھی اس سے متمتع ہوئے ۔

فردوسیہ سلسلہ کی برکات سے بہار کی خاک پاک ہوئی ۔ یوں حضرت مخدوم شرف الدین یحیٰی منیری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و فیوض و برکات سے ایک طرف بنگال اور دوسری طرف دہلی بلکہ سندھ تک مستفیض ہوا اور آج بھی

ان کی شریعت نوازی تمام رہروان سلوک کیلئے شمع ہدایت ہے اور ان کے سلسلہ کا سرچشمہ ابھی تک جاری ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا تھا کہ اس سلسلے کے بزرگوں کے حالات صرف بزرگوں کے سینوں یا قلمی سفینوں میں محفوظ تھے اور ارباب علم کو برابر یہ خطرہ تھا کہ آگے چل کر ان کے حالات پر کہیں ایسا پردہ نہ پڑ جائے کہ پھر تحقیق و تدقیق کی تمام کوششیں بھی بیکار ثابت ہوں۔

کچھ عرصہ ہوا جب میں نے پہلے پہل یہ خبر سنی کہ محبی معین الدین دردائی صاحب سلسلہ فردوسیہ کی تاریخ لکھ رہے ہیں اور اس سلسلہ کے تمام بزرگوں کے حالات تحقیق و تلاش کے بعد مربوط اور مبسوط طریقے پر قلمبند کر دینے کیلئے کمربستہ ہو گئے ہیں تو مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ شعر و ادب کا نقاد اور مختلف علمی اور ادبی موضوعات کا محقق یکایک تصوف کے میدان میں کس طرح اتر گیا۔ شعر و ادب کی رنگین وادی سے یکایک تصوف کے سنگلاخ اور پرخار زمین پر قدم رکھنا واقعی جسارت کا کام تھا۔ پھر یہ خبر ملی کہ شب و روز کی محنت اور اپنی غیر معمولی صلاحیت سے بالآخر وہ اپنے منزل مقصود سے قریب تر ہو گئے ہیں اور ان کی وہ اہم تصنیف قریب تکمیل ہے۔ گذشتہ گرمیوں میں بہار شریف جانے کا اتفاق ہوا تو ان کے مسودوں کو میں نے غور سے اور بالاستیعاب پڑھا اور یہ دیکھ کر میری مسرت کی انتہا نہ رہی کہ کہ آٹھ سو برسوں سے جو کام کسی سے نہ ہو سکا تھا وہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس نحیف و ناتوان انسان کے ذریعہ پورا کرا دیا۔ سچ ہے وہ جس سے

جو کام چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے لیتا ہے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

پروفیسر درد ائی بہار شریف کے محلہ خانقاہ کے رہنے والے ضرور ہیں لیکن خانقاہ کے بوریا نشین نہیں ہیں۔ وہ راہ سلوک کے رہرو بھی نہیں ہیں۔ گو سالکان طریقت کے معتقدوں میں ضرور ہیں۔ ان کا تصنیفی رجحان بھی زیادہ تر علمی، ادبی اور تحقیقی رہا ہے جیساکہ ان کی مختلف تصانیف سے ظاہر ہے۔ لیکن علام العلوم کو ان سے اس سلسلے کے بزرگوں کے حالات قلمبند کرانے کا کام لینا تھا اس لئے جب ان کا قلم چلا تو چلتا گیا اور بالآخر یہ اہم تصنیف ان سے پایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔

دردائی صاحب کی زندگی کا یہ پہلو بڑا دردناک ہے کہ ادھر کچھ عرصے سے اپنے مرض کے باعث چلنے پھرنے سے معذور ہو کر قبل از وقت انہوں نے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی ہے۔ یہ حادثہ خود ان کے لئے یا ان کے متعلقین کے لئے جتنا بھی المناک ہو لیکن علم و ادب کے لئے بڑا مبارک ثابت ہوا اس لئے کہ جس کام کو وہ پہلے چار سال میں بھی مشکل سے کر سکتے تھے اب بہ آسانی ایک سال میں کرنے پر قادر ہیں۔ پہلے وہ شوق اور کسی مقصد کے تحت لکھتے پڑھتے تھے اور اب وہ اس لئے لکھتے پڑھتے ہیں کہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ پہلے انہیں مطالعہ اور لکھنے کے لئے کوشش کر کے وقت نکالنا پڑتا تھا اور اب وہ خود علم و ادب کے دامن میں

پناہ لینے کے لئے مضطرب رہتے ہیں۔ پہلے بہت سے لوگ تھے جو ان کے اوقات کے طلب گار تھے بہت سی دلچسپیاں تھیں جو ان کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھیں لیکن اب جو کچھ ہے صرف کتاب ہے۔ کتاب ہی ان کی محبوبہ ہے اور لکھنا پڑھنا ہی ان کی واحد دلچسپی۔ وہ ہیں اور ان کا چھوٹا سا ذاتی کتب خانہ جس میں وہ صبح سے شام اور شام سے صبح کر دیتے ہیں۔ غالباً اس طرح وہ کتابوں میں گم ہو کر اپنی بے کیفیوں کو کم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

اس کتاب سے پہلے اس سلسلہ کے بعض بزرگان جیسے حضرت مخدوم الملکؒ مولانا مظفر بلخیؒ اور مخدوم حسین نوشہ توحیدؒ وغیرہ پر اکثر رسائل میں مضامین وقتاً فوقتاً شائع ہوئے ہیں۔ حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کے حالات زندگی سے متعلق سیرۃ الشرف اور وسیلۃ الشرف جیسی کئی کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں لیکن آج تک کسی نے غیر معمولی تحقیق و تلاش اور محنت و ریاضت سے کام لیکر کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی تھی جس سے اس سلسلہ پر روشنی پڑتی۔ اور اس سلسلہ کے تمام بزرگان کے حالات ایک جگہ مربوط طریقے سے مل جاتے جسے پڑھ کر ہم کہہ سکتے کہ یہ کتاب ویسی ہی ہے جیسی ہونی چاہئے۔ لیکن معین الدین دردائی صاحب نے زیر نظر کتاب کو لکھ کر اس کمی کو پوری کر دیا ہے اور بلاشبہ بہار والوں کے سر سے یہ الزام دور کر دیا ہے۔ کہ فردوسیہ سلسلہ کے شیدائیوں اور فدائیوں کی

اتنی بڑی جماعت موجود رہتے ہوئے بھی آج تک اس کی تاریخ بزرگان
سلسلہ کی تعلیمات اور حالات سے متعلق کسی نے لکھنے کی کوشش نہ کی
اور اس کے لیئے ہم سب کو پروفسر وردائی کا ممنون ہونا چاہیے کہ انہوں نے
یہ اہم کتاب لکھ کر ایک بڑا کام انجام دے دیا۔

جیسا کہ وردائی صاحب کو بھی اس کا احساس ہے۔ ممکن ہے بعض
لوگوں کے دل میں یہ گمان گذرے کہ "یہ کتاب ویسی نہیں ہے جیسی ہونی
چاہیئے" تو ان سے عرض ہے کہ نقش اول کی اہمیت کو وہ نہ بھولیں
کسی عمارت کی بنیاد رکھ دینا بڑا کام ہے پھر اس بنیاد اور نقشہ پر
آئندہ نسلیں بہت کچھ کر سکتی ہیں اور امید ہے کہ کریں گی۔ ابھی اس سلسلہ سے
متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اور لکھنے کو باقی ہے اور امید ہے کہ لکھا
جائے گا۔ جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے وہ آخری نہ ہوتے ہوئے بھی اہم ضرور ہے

یہ کتاب لکھتے وقت اس کا خیال رکھا گیا ہے کہ اس میں
تصوف کے حقائق اور دقائق کو ایسے انداز میں نہ پیش کیا جائے کہ عام
ناظرین ان کو سمجھنے کے بجائے ان میں گم ہو کر رہ جائیں۔ اس لیئے
اس کی زبان بڑی رواں، سلیس اور عام فہم رکھی گئی ہے۔ جس پر ایک
پختہ، تجربہ کار اور سلیقہ مند اہل قلم کی حیثیت سے پروفسر وردائی
ہر طرح قادر ہیں۔ جگہ جگہ ادبی چاشنی نے اس کتاب کو دلچسپ سے

دلچسپ تر بنا دیا ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اندازہ ہوگا کہ یہ بڑے حسن عقیدت سے لکھی گئی ہے اس لئے دعا ہے کہ اسے حسن قبول بھی عطا ہو۔

احقر

سید صباح الدین عبدالرحمٰن (ام۔ اے علیگ)
شریک ناظم علمی وامور انتظامی
دارالمصنفین شبلی اکیڈمی
اعظم گڑھ

۲۳ ستمبر ۱۹۶۱ء

دیباچہ

اسلامی تصوف اور اس کا ارتقا

پیغمبر اسلام دنیا کو اخوت، مساوات اور عدل کی تعلیم دینے کیلئے آئے تھے۔ آپ نے دنیا کے سامنے جو سیاسی نظام پیش کیا تھا وہ انسانیت کا ایسا مکمل قانون تھا جسے چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ نتیجے میں سارے جہان کے مظلوم، اور گرے ہوئے لوگ اسلام کے پرچم کے نیچے اس طرح جمع ہو گئے جیسے پروانے شمع کے گرد۔ حجۃ الوداع کے موقع پر سرکار دو عالم نے جو خطبہ دیا تھا اس میں اسلامی سماج اور سیاست کے سب بنیادی

اصول منضبط ہیں۔ آپ نے فرمایا :-

"لوگو توجہ سے سنو اور یاد رکھو ممکن ہے کہ آئندہ مجھے تم سے ملنے کا موقع نہ مل سکے۔ جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ جس طرح تم اس دن اس مہینے اور اس مقام کی حرمت کرتے ہو اسی طرح ایک مسلمان کا خون مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کام کا حساب لے گا۔ دیکھو میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ جس طرح تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق تمہارے اوپر ہیں، ان کے ساتھ نرمی کرنا۔ اور مہربانی سے پیش آنا اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ان کے حقوق کا لحاظ رکھنا۔ غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلانا اور جو خود پہنو وہی ان کو پہنانا، ان سے کوئی خطا ہو تو درگذر کرنا یا ان کو جدا کر دینا وہ بھی اللہ ہی کے بندے ہیں ان پر سختی روا نہ رکھنا۔

نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم خاک سے بنے تھے۔"

"تمہارے کسی بھائی کی کوئی چیز تمہارے لئے اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ رضامندی سے نہ بخش دے۔ دیکھو نا انصافی نہ کرنا۔"

"میں نے تمہارے درمیان ایک چیز چھوڑی ہے جس کو اگر تم مضبوط پکڑ و گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے یاد رکھو وہ قرآن ہے۔"

"لوگو عمل میں خلوص مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی اور جماعت میں اتحاد یہ تین باتیں ایسی ہیں جو سینہ کو پاک رکھتی ہیں۔"

"جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کر دئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے (خاندان کا خون) ربیعہ بن الحرث کے بیٹے کا باطل کئے دیتا ہوں"

"جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سود عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔"

سرکار دوعالم کے بعد خلفائے راشدین بھی اسی راستہ پر چلے اور اسی چراغ سے روشنی لی جس کو ان کے محبوب ہادی نے چلایا تھا لیکن ان کے بعد خلافت ملوکیت میں بدل گئی۔ اور بنو امیہ حکمرانوں کے زمانے میں سیاسی اور سماجی نظام میں نمایاں تبدیلی آگئی۔ بیت المال جو غریبوں کے لئے تھا، سلاطین بنوامیہ کی ذاتی ملکیت ہو گئی، اور اس کو وہ بے دریغ اپنے عیش و عشرت میں خرچ کرنے لگے۔ مسلمان عوام کے خون اور پسینے سے ان کے عالیشان محلات اور قصر تعمیر کئے جانے لگے۔ دروازوں پر سنتری کا پہرا پڑنے لگا۔ اور مظلومین کی فریاد کے درمیان حاجب حائل ہو گئے۔ اسلامی زندگی کی اجتماعیت اور سادگی قصہ ماضی بن گئی۔ اس کا ماتم شیخ علی ہجویریؒ نے اپنے مخصوص انداز میں کشف المحجوب میں بھی کیا ہے

"یکے از مدعیان علم درویشے راگفت کہ این کبود چرا پوشیدی

گفت یکے از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سہ چیز بماند یکے

فقر، دیگر علم وسہ دیگر شمشیر۔ شمشیر سلطانان یافتند

نہ در جائے آں کار فرمودند۔ وعلم علما اختیار کردند باموختن

پسند کردند۔ وفقر گروہ فقرا اختیار کردند۔ وآں را

آلت غنا ساختند۔ من بر مصیبت ایں سہ گروہ کبود اندر

پوشیدم [1]۔

ترجمہ:- (ایک علم کے مدعی نے ایک فقیر سے کہا کہ تونے

نیلگوں لباس کیوں پہنا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ پیغمبر

صلعم سے تین چیزیں باقی رہیں۔ ایک فقیری' دوسرے علم

تیسرے تلوار' تلوار بادشاہوں نے پائی مگر انہوں نے

اسکو بجا طور پر استعمال نہیں کیا۔ اور علم علما نے اختیار کیا

لیکن صرف سیکھنے ہی کی حد تک۔ اور فقیری فقیروں نے لی

مگر اس کو دولت حاصل کرنے کا آلہ بنایا، میں نے ان

تینوں گروہ کی مصیبت پر نیلگوں لباس پہنا۔)

اس تبدیلی کے نتائج بڑے افسوسناک نکلے۔ مسلمانوں کا دینی طبقہ

حکومت کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کو دینی خدمت نہ سمجھنے لگا۔ بلکہ اس سے

---

[1] کشف المحجوب صفحہ ۳۹

قطع تعلق کرنے میں ہی اپنی پاکیزگی اور بھلائی سمجھنے لگا۔ یہاں تک کہ پہلی ہی
صدی ہجری میں حکومت اسلامی مذہبی، مخلص اور عظیم المرتبت ہستیوں کی خدمات سے
محروم ہو گئی۔ ابن الوقت اور خوشامدی امیروں سے بنو امیہ کا دربار بھر گیا۔
جن کی قابل اعتراض اور جابرانہ حکومت سے مسلمانوں کے دل و دماغ کو سخت
دھکا لگا۔ جن آنکھوں نے ہادی برحق اور ان کے خلفائے راشدین کا دو خلافت
دیکھا تھا وہ اس جابرانہ اور شاہانہ انداز حکومت پر خون کے آنسو رونے لگیں۔
اور جن کانوں نے اپنے پیارے نبی (روحی فداہ) کے وہ الفاظ جو انہوں نے
معاذ بن جبل کو یمن کی گورنری پر مامور کرنے سے پہلے فرمائے تھے کہ یسّر
ولا تعسر و بشر ولا تنفر (یعنی آسانی پیدا کرنا دشواری پیدا نہ کرنا، لوگوں کو
بشارت دینا اور ان کو وحشت زدہ نہ کرنا) سنے تھے۔ اموی دور کے سفاک
گورنروں مغیرہ بن شعبہ اور حجاج کے ظلم و ستم کے واقعات سن کر سن ہو گئے
حضرت خواجہ حسن بصریؒ جیسے بزرگوں نے گیارہ سال تک اپنے کو خلوت میں
بند کر لیا۔ واقعہ کربلا، محاصرہ مکہ اور واقعہ حرہ جیسے شرمناک اور دل کو
ہلا دینے والے فتنوں نے ان کا دل دنیا ہی سے اچاٹ کر دیا۔ اور ان ہی
حالات کے پس منظر صوفیہ کا پہلا طبقہ عالم وجود میں آیا۔ جو دنیا سے منہ موڑ کر
یاد الٰہی اور خشیتہ خداوندی میں غرق ہو گیا۔

پہلے طبقہ کے ان صوفیا کا دور ۶۶۱ء سے ۸۵۰ء تک متعین کیا جا سکتا ہے

جس میں حضرت اویس قرنیؒ ، حضرت حسن بصریؒ ، حضرت مالک دینارؒ ، حضرت محمد واسعؒ ، حضرت حبیب عجمیؒ ، حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ ، حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے اسمائے گرامی بہت نمایاں ہیں ۔ ان صوفیا کا پہلا مرکز بصرہ اور کوفہ بنا جہاں کہ اموی گورنروں نے ظلم وستم ڈھائے تھے ۔ اور اپنے شرمناک رویوں سے انسانیت کو ذلیل کیا تھا ۔

اس دور کے صوفیا کی چار بڑی خصوصیات نمایاں نظر آتی ہیں جن میں سب سے اہم خشیتہ الٰہی ہے یعنی وہ ہر وقت خوف خدا سے گریاں ترساں اور لرزاں رہتے تھے ۔ یہاں تک کہ بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ خشیتہ خداوندی کا جذبہ اس دور کے صوفیا میں حبّ الٰہی سے زیادہ تھا ۔ تذکرۃ الاولیا کے حوالہ سے حضرت حسن بصری کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ ایک رات اپنے خلوت میں زار زار رو رہے تھے کسی نے ان کے اس طرح گریہ وزاری کا سبب پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ میں خوفِ خدا سے ڈرتا ہوں کہ شاید ناواقفیت میں اور بلا ارادہ کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو باری تعالیٰ کی ناخوشنودی کا سبب ہو تو پھر میرا کیا انجام ہوگا ۔

دوسری اہم خصوصیت اس دور کے صوفیا کی ان کا حکومت سے قطع تعلق اور حکمرانوں سے قطعی گریز ہے ۔ وہ حکمرانوں سے دور بھاگتے تھے یہاں تک کہ ان کی صورت تک دیکھنا پسند نہ کرتے تھے ۔ لیکن اگر اتفاقاً

آمنا سامنا ہو ہی جاتا تھا تو پھر بڑی بے باکی سے سر ہتھیلی پر رکھ کر ان کو ان کی بے راہ رویوں سے متنبہ کر دیتے تھے - اور ان کی غیر اسلامی طریقہ حکومت پر کڑی نکتہ چینی کر دیتے تھے -

خواجہ فرید الدین عطارؒ نے تذکرۃ الاولیا[1] میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بار خلیفہ ہارون الرشید اپنے وزیر فضل کے ساتھ خواجہ فضیل بن عیاضؒ سے ملنے ان کے گھر پر حاضر ہوا - دروازہ اندر سے بند تھا، وزیر نے دروازہ کھٹکھٹایا آواز آئی کون ہے اور کیا چاہتا ہے - وزیر نے جواب دیا، امیر المومنین حضرت سے ملنے آئے ہیں - خواجہ صاحبؒ نے جواب دیا امیر المومنین کو مجھ فقیر سے کیا کام اور میرا ان سے کیا واسطہ - وزیر نے کہا بادشاہ کی اطاعت واجب ہے - اندر آنے کی اجازت دیجیے ورنہ ہم حکماً اندر آجائیں گے - خواجہ صاحبؒ نے فرمایا اجازت تو نہیں دے سکتا لیکن حکماً اندر آسکتے ہو- چنانچہ وزیر اور خلیفہ ہارون الرشید اندر آگئے - حضرت خواجہ فضیلؒ نے چراغ بجھا دیا تاکہ خلیفہ کو دیکھ نہ سکیں - اس درمیان میں ہارون الرشید کا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے اندھیرے میں چھو گیا - فرمایا کیسا نرم ہاتھ ہے کاشکہ دوزخ کی آگ سے بچ جائے - خلیفہ بہت متاثر ہوا - اور کہا کچھ اور نصیحت فرمائیے فرمایا تیرا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا، تجھ کو معلوم ہوگا اس نے

---

[1] تذکرۃ الاولیا صفحہ ۸۳-۸۴

ایک مرتبہ رسول اللہ سے کسی صوبہ کی گورنری کی درخواست کی تھی تو انہوں نے فرمایا تھا یا عم بک نفسک (یعنی اے چچا جان میں نے آپ کو آپ کے نفس کا امیر کیا) ہارون الرشید نے درخواست کیا حضرت کچھ اور ہدایت فرمائیے فرمایا:-

"یہ ملک تیرا گھر ہے اور خلقت تیری اولاد۔ ماں باپ کے ساتھ نرمی، بہن بھائیوں کے ساتھ مہربانی، بچے بچیوں سے نیک سلوک کر۔ اگر کوئی مفلس بڑھیا رات کو بھوکی سو جائے گی، تو قیامت کے دن وہ بھی تیری دامن گیر ہو گی تیرے ساتھ جھگڑیگی"

اس طرح کے بہت سے واقعات ملتے ہیں، جن سے اس دور کے صوفیا کی جرأت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس دور کے صوفیا کی تیسری خصوصیت ان کا تالیف و تصنیف کی طرف بے توجہی ہے۔ وہ اپنے خیالات کو قلمبند کر دینے کی طرف زیادہ مائل نہیں تھے۔ اسلئے اس دور کی تصانیف بہت کم دستیاب ہوتی ہیں۔

چوتھی خصوصیت اس دور کے صوفیا کی انفرادی طور پر ان کا عبادت و ریاضت میں لگے رہنا ہے۔ اپنے گرد مریدوں کا حلقہ جمائے رکھنا یا انکی تعداد بڑھانا ان کو پسند نہ تھا۔ وہ لوگ اپنے طریقۂ فکر کو اجتماعیت کے رنگ میں نہیں پیش کرنا چاہتے تھے۔ دنیا سے ان کی طبیعت چھوٹ گئی تھی۔ جنیادی

عیش وعشرت اور جاہ وحشم کو ہیچ اور بے معنی سمجھتے تھے اور اس لئے گوشہ گیر ہو کر دنیا اور دنیا والوں سے الگ تھلگ رہ کر یاد الٰہی میں مصروف رہنے کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔ مختصر یہ کہ ہو تو قبل ان تموتو کی وہ پوری تفسیر تھے ـــــ

صوفیا کا دوسرا طبقہ عقلیت اور وضعیت سے بیزاری کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔ اس دور کے مشہور صوفیا میں ہم حضرت بایزید بسطامیؒ حضرت ذوالنون مصریؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ کا نام پیش کر سکتے ہیں۔

خلفائے عباسیہ اور بالخصوص مامون الرشید کے سر پر یونانی فلسفہ وحکمت کا بھوت سوار ہو گیا تھا ان لوگوں نے دنیا کے چپہ چپہ سے فلسفہ و حکمت کی اہم کتابیں جمع کیں اور ان کا باقاعدہ ترجمہ کرایا۔ ہارون الرشید کے قائم کردہ بیت الحکمت نے اس سلسلے میں بڑے کام انجام دئے۔ مامون الرشید یونانی فلسفہ وحکمت اور خاص کر ارسطو کی کتابوں کا عاشق زار تھا اور ان کو لاکھ جتن سے جمع کیا۔ اسکے دیکھا دیکھی اس کے مصاحبوں اور ندیموں نے اس سلسلے میں بڑی کاوشیں کیں اور دیکھتے دیکھتے یونانی فلسفہ و حکمت کی بیشمار کتابیں عربی زبان میں منتقل ہو گئیں جن سے عوام کو آشنا اور مستفیض ہونے کا پورا موقع ملا۔ اور اس کے نتیجہ میں عقلیت کی ایک ایسی آندھی اٹھی جس نے عوام کے عقائد کو تذبذب، ایمان کو شک وشبہ اور

ذہن کو خلش کے گرد و غبار سے بھر دیا۔ اور ایک طرح اس باد سموم نے
اسلامی اعتقاد کے سرسبز و شاداب پودے کو جھلس کر رکھدیا۔

"عقلیت" کے ساتھ ساتھ "وضعیت" کا سیلاب بھی امنڈ آیا
اور یہ ناگزیر تھا۔ جیسا کہ مولانا آزاد مرحوم نے اپنی گرانقدر تصنیف ترجمان القرآن
جلد اول میں تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی ہے:۔

"فطرت سے جب بعد ہو جاتا ہے اور وضعیت کا استغراق
طاری ہو جاتا ہے تو طبیعتیں اس پر راضی نہیں ہوتیں کہ کسی بات کو
اسکی قدرتی سادگی میں دیکھیں وسادگی کے ساتھ حسن و عظمت کا
تصور کر ہی نہیں سکتیں وہ جب کسی بات کو بلند اور عظیم دکھانا چاہتی
ہیں تو کوشش کرتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ وضعیت اور صناعیت
کے پیچ و خم پیدا کریں۔"

اس عقلیت اور وضعیت کے زہریلے اثرات نے مسلمانوں کی
مذہبی زندگی میں انتشار پیدا کر دیا۔ اور اس لامرکزیت نے مذہب کے
کسی گوشہ کو نہیں چھوڑا ذات و صفات باری، خلق قرآن، دوزخ
جنت، معجزات، معراج غرض اس طرح سینکڑوں مسئلے فلسفہ و حکمت
کی کسوٹی پر کسے جانے لگے۔ آیات قرآنی کی تاویلیں کی جانے لگیں۔
اس دور کا یہ ایسا فتنہ تھا جس سے سوائے اس دور کے صوفیائے کرام کے

شائد ہی کسی کا دامن داغدار ہونے سے بچا ہو۔

یہ صوفیا اس فتنہ کے خلاف سدِ سکندری بن کر کھڑے ہو گئے جن سے عقلیت اور وضعیت کے سیلاب ٹکراتے تھے لیکن ان کا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔ ان صوفیا نے اس عقلیت کے خلاف صرف آواز ہی نہیں اٹھائی بلکہ اس کا علاج بھی تجویز کیا اور وہ تھا "عشق"۔ ے

سپاہ تازہ برانگیزم از ولایت عشق ۔۔۔ کہ در حرم خطرے از بغاوت خرد است

غرض ان بزرگوں نے "عقلیت" کا مقابلہ "عشق" سے کیا اور خوب کیا اور آخر میں خرد کا طلسم توڑ کر ہی رہے۔ ے

عطا اسلاف کا جذب دروں کر ۔۔۔ شریک زمرۂ لایحزنوں کر

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں ۔۔۔ مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

غرض اس دور کے صوفیا کی سب سے بڑی خصوصیت "عشق الٰہی" میں سرشاری تھی۔ جہاں پہلے دور کے صوفیا نے "خشیۃ الٰہی" کو اپنایا تھا وہاں اس دوسرے دور کے صوفیا نے "عشق الٰہی" پر زور دیا، کیونکہ "عقلیت" کے سم قاتل کو سوائے اس تریاق کے اور کوئی دور نہیں کر سکتا تھا ان بزرگوں نے اس حقیقت کا اچھی طرح پتہ چلا لیا تھا کہ: ے

سفالم را مئے او جام جم کرد ۔۔۔ درون قطرہ ام پوشیدہ یم کرد

خرد اندر سرم بت خانہ ریخت ۔۔۔ خلیل عشق دیرم را حرم کرد

اس دور کی دوسری اہم خصوصیت فلسفہ و حکمت کے پیدا کردہ ذہنی انتشار اور لامرکزیت کو قلب کی طاقت سے دور کرنا تھا اس سلسلے میں حضرت معروف کرخیؒ نے "استغراق" پر زور دیا۔ حضرت سری سقطیؒ نے توحید کا نظریہ پیش کر کے اور حضرت ذوالنون مصریؒ نے اپنی تصنیف میں حال و مقام پر بحث کر کے اس فتنہ پر قابو پانے کی کوشش کی۔

صوفیا کا تیسرا طبقہ دسویں صدی عیسوی کی پیداوار ہے۔ جب کہ اسلامی فتوحات کی وسعت کے بعد اجتہاد اور استنباط کی ضرورت لاحق ہوئی اور اس کو امام ابو حنیفہؒ (۶۹۹-۷۶۶ء) امام مالکؒ (۷۹۵-۷۱۵ء) امام شافعیؒ (۸۲۰-۷۶۷ء) امام احمد بن حنبلؒ (۸۵۵-۷۸۰ء) نے اپنی پوری دینی بصیرت کے ساتھ پورا بھی کیا۔ اور مختلف فقہی مسائل کی تدوین کر کے چار مسلک کی بنیاد ڈالی۔ لیکن ان کے بعد سب سے بڑی خرابی یہ پیدا ہوئی کہ لوگوں نے فقہی مسائل میں حیلہ بازی کا دروازہ کھولدیا۔ اور شرعی احکام سے نکل بھاگنے کیلئے عوام اور امرا طرح طرح کے حیلے تراشنے لگے۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم:-

کتاب و سنت[1] کی تقدیم و حفظ کا بند تو پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا اور بنیاد فقاہت محض اٹکل اور ظن و وہم پر قرار پا چکی تھی، پھر کیا تھا ہر ذہن نے

---

[1] تذکرہ نیا ایڈیشن صفحہ ۸۹

تیزی دکھائی اور ہر قیاس نے بلند پروازی' نتیجہ یہ نکلا کہ شریعت الٰہی
جو عدل و صداقت کے قیام کے لئے آئی تھی اسی کے نام سے مکر و فریب
اور ظلم و غضب و نہب و صلب کے تمام کاروبار جاری ہوگئے۔ اور دنیا کی
تباہی کے لئے اس سے بدتر وقت اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ خدا کا پاک نام
لیکر اسکی دنیا میں برائی پھیلائی جائے۔ کتنی ہی زناکاریاں ہیں جو حیلے
نکال کر نکاح شرعی بنائی گئیں۔ کتنے ہی غصب و ظلم و اکل اموال بالباطل
کے مصائب ہیں جن کو ایک شرعی معاملہ بنا کر جائز کیا گیا۔ کتنے ہی حج ہیں
جو ساقط ہوئے۔ کتنی ہی زکاتیں ہیں جو کبھی ادا نہیں کی گئیں۔ کتنے ہی شارب الخمر
اور زانی محض ہیں جو حدود شرعیہ سے صاف بچا لئے گئے۔"

ان حیلہ بازیوں نے مذہب کی صورت ہی مسخ کر ڈالی۔ اور ایسا معلوم
ہونے لگا کہ یہ فتنہ مذہب کے تقدس اور اصلی روح ہی کو فنا کر کے دم لے گا کہ یکایک
صوفیا کا گروہ اس طوفان سے ٹکرانے کیلئے پھر آگے بڑھا اور دینی عقائد کو بچانے
کیلئے سر تن کی بازی لگا دی۔ غالباً ان ہی حقائق سے متاثر ہو کر انگلستان کے
فاضل مستشرق پروفیسر ایچ۔ اے۔ آر۔ گب H.A.R. Gibbs نے
ایک مرتبہ اکسفورڈ یونیورسٹی میں لکچر دیتے ہوئے کہا تھا:

"تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع نظر سے گذرتے ہیں جس میں[۱]

Islamic Culture 1942 Page 265 [۱]

اسلام کے کلچر کو مٹانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن وہ مغلوب نہ ہو سکا کیونکہ ٹھیک اسی دم صوفیا کا گروہ اس کی مدد کو آجاتا اور اپنے انداز فکر سے اس "تن بیمار" میں اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ ساری طاقتیں اس کے سامنے عاجز آجاتی تھیں۔"

اس تیسرے دور کے صوفیا میں شیخ ابو سعید ابن العربیؒ (المتوفی سنہ ۹۵۲ء) شیخ ابو محمد الخلدیؒ (المتوفی سنہ ۹۵۹ء) شیخ ابو نصر السراجؒ (المتوفی سنہ ۹۸۸ء) شیخ ابو طالب مکیؒ (المتوفی سنہ ۹۹۶ء) شیخ ابو بکرؒ (المتوفی سنہ ۱۰۱۰ء) اور شیخ ابو عبدالرحمٰن اسلمیؒ (المتوفی سنہ ۱۰۲۱ء) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

اس دور کے صوفیا کی خصوصیت تزکیہ قلب اور اصلاح باطنی کی طرف زور دینا اور عملی اقدام کر کے لوگوں کو صحیح راہ دکھانا تھی: ؎

در کنز و ہدایہ نہ تواں دید خدا را　　آئینہ دل بیں کہ کتابے بازیں نیست

اس سلسلے میں ان لوگوں نے صوفیائے متقدمین کی سوانح حیات اور تعلیم کو تصنیف کی شکل میں پیش کیا۔ چنانچہ شیخ ابو سعید ابن العربی نے طبقات[1] اور شیخ ابو محمد الخلدیؒ نے حکایات الاولیاء تصنیف کر کے اور ابو عبدالرحمٰن السلمیؒ نے طبقات الصوفیین[2] مرتب کر کے اِس مقصد کی تکمیل کی۔

---

[1] اسمیں متقدمین صوفیا کے حالات اور تعلیمات بہت تفصیل سے پیش کئے گئے ہیں۔ کتاب اب ناپید ہے صرف اقتباسات ملتے ہیں۔ [2] یہ تصوف کی بہت اہم کتاب ہے اور بہت سی اہم تصانیف کا ماخذ ہے۔ شیخ عبداللہ انصاری نے طبقات صوفیہ لکھے ہیں اور مولانا جامی نے نفحات الانس مرتب کرنے میں اس سے بڑی مدد لی ہے۔

اس دور کے صوفیا کا ایک بڑا کام یہ ہے کہ ان لوگوں نے شریعت اور طریقت میں پوری مطابقت ثابت کی، اور ہر طرح دکھلا دیا کہ تصوف اور شریعت میں کوئی اختلاف نہیں۔ بلکہ دونوں لازم ملزوم ہیں، شریعت کی پیروی کے بغیر تصوف کی منزل تک پہنچنا دشوار امر ہے۔ چنانچہ شیخ ابو طالب مکیؒ کی قوت القلوب اور شیخ ابو بکرؒ کی کتاب التعارف لمذہب اہل التصوف، اسی مبحث پر بڑی مدلل کتابیں ہیں۔

اس دور کی سب سے اہم باتیں دو ہیں۔ ایک تصوف کی اصطلاحات کا وضع ہونے لگنا، دوسرے صوفیا کے حلقے اور گروہ کا تصنیفی شکل میں وجود میں آجانا۔ جیسا کہ شیخ علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخشؒ نے اپنی مشہور تصنیف کشف المحجوب میں مندرجہ ذیل گروہوں کا ذکر کیا ہے:۔

(۱) **حلولی اور حلاجی** یہ دونوں گروہ اپنے برے عقائد تناسخ وغیرہ کے باعث مردود ہو گئے۔

(۲) **طیفوریہ** اسکی ابتدا حضرت بایزید طیفوریہ بسطامیؒ سے ہوئی۔ اس گروہ پر شوق و مستی کا بڑا غلبہ تھا یہ لوگ "سکر" کو "صحو" پر ترجیح دیتے تھے۔

(۳) **قصاریہ** یہ گروہ شیخ حمدون قصارؒ سے نکلا۔

(۴) **نوریہ** اسکی نسبت شیخ ابو الحسن بن نوریؒ سے کی جاتی ہے۔ یہ گروہ تصوف کو فقر سے اونچا اور صحبت کو عزلت سے بہتر سمجھتا تھا۔

(۵) محاسبیہ یہ گروہ شیخ حارث بن اسد محاسبیؒ سے منسوب ہے۔ اس گروہ کا خیال تھا کہ رضا مقام نہیں بلکہ حال ہے۔ اس نے مسئلہ متنازع فیہ کی شکل اختیار کرلی اور آج تک وہ اختلاف اہل خراسان اور اہل عراق کے درمیان باقی ہے۔

(۶) تستریہ اس کی ابتدا شیخ سہل بن عبداللہ تستریؒ سے ہوئی۔ اس گروہ نے تزکیہ نفس کے اصول مرتب کئے ہیں۔

(۷) حکمیہ یہ گروہ حضرت ابی عبداللہ بن علی الحکیم الترمذی سے منسوب ہے اس گروہ نے ولائت کا تصور سب سے پہلے پہل لایا۔

(۸) خرازیہ اس کی ابتدا شیخ ابوسعید خرازیؒ سے ہوئی اس گروہ نے فنا کا تصور پیش کیا۔

(۹) خفیفہ اس کی ابتدا شیخ ابوعبداللہ محمد بن خفیفؒ سے ہوئی۔ اس گروہ نے حضور اور غیبت کا تصور پیش کیا۔

(۱۰) سیاریہ اس کی نکالنے والے شیخ ابوالعباس سیاریؒ ہیں۔ اس گروہ نے جمع و تفریق کا نظریہ پیش کیا۔

صوفیا کے اس تیسرے دور یعنی دسویں صدی عیسوی تک تصوف نے باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کرلی تھی۔ اصطلاحات کافی وضع ہوچکے تھے اہم تصانیف بھی عالم وجود میں آچکی تھیں گروہ کی ابتدا بھی ہوگئی تھی لیکن یہ تینوں اہم چیزیں ابتدائی منزل میں تھیں اسکی تکمیل کیلئے کچھ وقت درکار تھا

جس کو آئندہ تین سو سالوں نے پورا کیا۔ خلاصہ کلام یہ کہ جو کام دسویں صدی عیسوی تک ہو چکا تھا اس کو آئندہ گیارہویں بارہویں اور تیرھویں صدی عیسوی کے مشائخ اور صوفیا نے ہر طرح مکمل کر دیا۔ یہاں تک کہ یہ مسلمانوں کی دینی زندگی کا ایک اہم جزو بن گیا۔

گیارھویں صدی عیسوی کے مشائخ میں یہ پانچ بزرگ خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کی تصانیف اور تعلیم کا مطالعہ کرنے سے اس دور کا ارتقا سامنے آجاتا ہے (۱) شیخ ابونعیم اصبہانیؒ (۲) شیخ ابوالقاسم قشیریؒ (۳) شیخ علی ہجویریؒ (۴) شیخ عبداللہ انصاریؒ (۵) شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ

شیخ ابونعیم احمد بن عبداللہ بن اسحاق اصبہانیؒ (المتوفی ۱۰۳۸ء) شافعی المذہب بزرگ تھے۔ ان کی تصنیف حلیۃ الاولیا اس حیثیت سے بہت زیادہ اہم ہے کہ اس میں انہوں نے اپنے وقت تک کے ہزاروں صوفیا کے حالات زندگی معہ تعلیم بہت خوبی سے لکھے ہیں۔۔۔۔ یہ دس جلدوں میں ہے اور امام ابن جوزیؒ نے پانچ جلدوں میں اسکا خلاصہ کیا ہے

شیخ ابوالقاسم قشیریؒ (المتوفی ۱۰۷۲ء) یوں تو بہت سی اہم کتابوں کے مصنف ہیں لیکن ان کا رسالہ قشیریہ فن تصوف پر بہت اہم رسالہ ہے اس رسالہ کے پڑھنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ گیارہویں صدی عیسوی تک تصوف کی کتنی اصطلاحیں وضع ہوئی تھیں۔ مثال کے طور پر چند تصوف کی اصطلاحیں

درج ذیل ہیں :-

وقت ، مقام ، حال ، قبض و بسط ، ہیبت ، انس ، تواجد
وجد ، وجود ، جمع و فرق ، فنا و بقا ، غیبت و حضور ، صحو و سکر ،
ذوق و شرب ، محاضرہ ، کشف و مکاشفہ ، مشاہدہ و معائنہ ، لوائح
طوالع ، لوامع ، ہجوم ، تلوین و تمکین ، قرب و بعد ، شریعت و حقیقت
طریقت ، نفس ، خواطر ، علم الیقین ، عین الیقین ، حق الیقین ، شاہد
روح وغیرہ ۔

اس رسالہ کی تصنیف سے تصوف کو بہت تقویت ملی اور روز بروز اس پر اسکی ترقی ہونے لگی ۔ شیخ ابو القاسم رح نے اس میں مدلل طور پر ثابت کر دیا ہے کہ تصوف شریعت و سنت ہی کا دوسرا نام ہے یہ دونوں علیحدہ چیزیں نہیں ہیں اس نے مخالفین کے منہ بند کر دئے اور تصوف پر جو کچھ اعتراضات تھے دور ہو گئے ۔

شیخ علی ہجویری رح کشف المحجوب کے مصنف ہیں یہ وہ کتاب ہے جو فن تصوف میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے ۔ اس میں بھی شیخ موصوف نے شریعت اور تصوف میں قربت اور یکسانیت دکھلانے کی پوری کوشش کی ہے اور اپنے بے مثل انداز بیان خیالات کی صفائی اور استدلال کی قوت سے اسمیں ہر طرح کامیاب بھی ہوئے ہیں ۔

شیخ عبداللہ انصاری ہروی رح (المتوفی ۱۰۸۸ء) بہت مشہور صوفی اور محدث تھے عقیدہ کے لحاظ سے امام حنبل رح کے پیرو تھے۔ ان کی چار بہت اہم تصانیف کا پتہ چلتا ہے جو ہند اور بیرون ہند کے صوفیا کے درمیان علم درجہ مقبول رہی ہیں۔ وہ چاروں کتابیں (۱) منازل السائرین (۲) طبقات الصوفیہ (۳) کتاب جامع الکلام (۴) مناجات ہیں۔

شیخ ابوسعید ابی الخیر رح (المتوفی ۱۰۴۹ء) گیارہویں صدی عیسوی کے بہت بڑے صوفی شاعر تھے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ کسی تحریک کی تبلیغ اور پرچار جتنا بھرپور اور وسیع پیمانہ پر نظم کے ذریعہ ہو سکتا ہے نثر کے ذریعہ نہیں ممکن ہے تو پھر یہ بھی ماننا ہی پڑیگا کہ شیخ ابوسعید ابی الخیر رح کی مناجات اور رباعیات نے تصوف کی ترویج میں بہت بڑی مدد کی۔ اور انکی رباعیوں کے بیش بہا ذخیروں نے تصوف میں عجب جان ڈال دی۔ علامہ شبلی مرحوم نے ان کے بارے میں شعر العجم جلد ۵ میں اسطرح اظہار خیال کیا ہے:۔

"سب سے پہلے صوفیانہ خیالات حضرت سلطان ابوسعید ابی الخیر رح نے ادا کئے وہ شیخ بو علی سینا کے ہم عصر تھے۔ ان سے اور شیخ سے اکثر مراسلت رہتی تھی۔"

اس دور میں تصوف کے خیالات عوام میں بڑی تیزی سے پھیلنے لگے اور اس کی مقبولیت غیر معمولی ہونے لگی۔ تقریباً ہر مسلک کے مشہور صوفیا اور

علمائے تصوف کی حمائت اور ترویج کے لئے قلم ہاتھ میں لے لیا ۔ مثلاً شیخ اصبہانیؒ شافعی تھے، شیخ علی ہجویریؒ حنفی اور شیخ عبداللہ انصاریؒ حنبلی تھے ۔ لیکن سبھوں نے بلا امتیاز تصوف کی ترویج میں سر جوڑ کر کوشش کیا

اس دور کی دوسری اہم بات تصوف اور شریعت اسلامیہ کے درمیان تطابق اور سلاسل کے منظم ہونے کا سامان بہم پہنچنا ہیں ۔

بارہویں صدی عیسوی کے ممتاز مشائخ میں حضرت امام غزالیؒ (المتوفی سنہ ۱۱۱۱ء) حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ (المتوفی سنہ ۱۱۶۶ء) شیخ نجیب الدین عبدالقادر سہروردیؒ ۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ (المتوفی سنہ ۱۲۴۰ء) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (المتوفی سنہ ۱۲۳۴ء) حضرت نجم الدین کبری فردوسیؒ (المتوفی سنہ ۶۱۸ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ ان بزرگوں نے اپنی تصانیف پند و ہدایت سے تصوف کی بڑی خدمات انجام دیں

حضرت امام غزالیؒ کی تصانیف میں احیاء العلوم الدین بہت اہم تصنیف ہے جس کے بارے میں علامہ شبلی مرحوم کی رائے ہے کہ :-

احیاء العلوم[1] میں یہ عام خصوصیت ہے کہ اس کے پڑھنے سے دل پر عجب اثر ہوتا ہے ہر فقرہ نشتر کی طرح دل میں چبھ جاتا ہے ہر بات جادو کی طرح تاثیر کرتی ہے ہر لفظ پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے اسکا بڑا سبب

۱؎ الغزالی مصنفہ علامہ شبلی صفحہ ۶۲-۶۳

یہ ہے کہ یہ کتاب جس زمانے میں لکھی گئی خود امام صاحبؒ تاثیر کے نشہ میں سرشار تھے۔ بغداد میں ان کو تحقیق حق کا شوق پیدا ہوا تمام مذاہب کو چھانا کسی سے تسلی نہیں ہوئی آخر تصوف کی طرف رخ کیا لیکن وہ قال کی چیز نہ تھی بلکہ سرتاپا حال کا کام تھا۔ آخر سب چھوڑ چھاڑ ایک کملی پہنے بغداد سے نکلے اور دشت پیمائی شروع کی۔ سخت مشاہدات اور ریاضات کے بعد "بزم راز" تک رسائی پائی۔ یہاں پہنچ کر ممکن تھا کہ اپنی حالت میں مست ہو کر تمام عالم سے بے خبر بن جاتے لیکن ع به یاد آر حریفان باده پیمارا کے مطابق افادۂ عام پر نظر پڑی۔ دیکھا تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے امیر و غریب، عام و خواص، عالم و جاہل، رند و زاہد سب کے اخلاق تباہ ہو چکے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں علما جو دلیل راہ بن سکتے تھے۔ طلب جاہ میں مصروف ہیں۔ یہ دیکھ کر ضبط نہ کر سکے اور اسی حالت میں یہ کتاب لکھی۔"

امام غزالیؒ نے تصوف کی جو بیش بہا خدمات انجام دیں انکا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

(۱) مشائخ متقدمین مثلاً شیخ قشیریؒ ابو طالب مکیؒ وغیرہم نے اسوقت تک تصوف پر جو کچھ لکھا تھا امام غزالیؒ نے ان سب کو جذب کر کے اپنی گرانقدر تصنیف احیاء العلوم الدین کو مدون کیا۔

(۲) امام صاحبؒ کی ابتدائی زندگی فلسفہ و حکمت کی شناوری میں گذری تھی

اور عرصہ تک خرد کی گتھیاں سلجھانے کے بعد یہی کہنا پڑا تھا :

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں   مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

اس لئے انہوں نے المنقذ من الضلال لکھ کر خرد پر عشق کی برتری ہی صرف نہیں ظاہر کی بلکہ فلسفہ و حکمت کی بے چارگی اور بے حاصلیت کا بھی پول کھول دیا۔

(۳) انہوں نے اخلاقی تعلیم کی بنیاد وجدان، حکمت اور نفسیات پر رکھتے ہوئے اپنی مذہبی اور اخلاقی تصانیف میں بہت اعلیٰ پیمانہ پر حکمت اور استدلال کا انداز قائم رکھا۔ جس نے بڑے سے بڑے مخالف کا سر جھکا دیا اور تھوڑی دیر کیلئے بے دینی اور فلسفہ کی بے راہروی کے سیلاب کو روک دیا۔

(۴) ان کا ایک بڑا کارنامہ اصطلاحات کا وضع کرنا بھی ہے۔ امام قشیریؒ نے جتنی اصطلاحیں گیارہویں صدی میں وضع کی تھیں اس میں معتدبہ اضافہ کر کے انہوں نے تصوف کو ایک باقاعدہ علم بنا دیا۔

بقول علامہ ابن خلدون :

امام غزالیؒ نے احیا میں دونوں طریقوں کو جمع کیا۔[1] چنانچہ ورع اور اقتدا کے احکام لکھنے کے ساتھ ارباب حال کے آداب اور طریقے بتائے اور ان کے مصطلحات کی شرح کی

---

[1] تاریخ مشائخ چشت صفحہ

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تصوف بھی ایک باقاعدہ علم بن گیا حالانکہ پہلے اس کا طریقہ صرف عبادت کرنا تھا۔"

تصوف کی اصطلاحات جو شیخ قشیریؒ کی اصطلات کے علاوہ امام غزالیؒ نے وضع کیں نمونۃً درج ذیل ہیں :۔

سفر، سالک، مکان، شطح، ذہاب، وصل، فضل، ادب، تجلی تخلی، علت انزعاج، غیرت، حریت، فتوح، وسم، رسم، زوائد، ارادہ ہمت : غربت، مکر، اصطلام، رغبت، وجد۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے پند و مواعظ سے اصلاح و تربیت کے بڑے بڑے کام انجام دئے اور بقول مولانا ضیاء الدین برنیؒ انہوں نے فن شیخی کو کمال تک پہنچا دیا۔ آپ کے وعظ بڑے پُرتاثیر ہوتے تھے اور ہر طرح کے لوگ اس دریا سے پیاس بجھانے کے لئے جمع ہوتے تھے۔ بقول شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ :۔

مجلس[۱] آنحضرت ہرگز از جماعت یہود و نصاریٰ و امثال ایشاں کہ بر دست او بیعت اسلام آوردندے و از طوائف عصاۃ از قطاع طریق و ارباب بدعت و فساد در مذہب و اعتقاد کہ تائب می شدند خالی نہ بودے۔"

---

[۱] تاریخ مشائخ چشت صف

شیخ گیلانیؒ کی دو مشہور تصانیف غنیۃ الطالبین اور الفیوضات الربانیہ کے علاوہ مواعظ حسنہ کے دو مجموعے فتوح الغیب اور فتح ربانی لکھی ہیں ان کی علمی تصانیف نے جہاں علم تصوف کو مالا مال کیا وہاں ان کے مواعظ حسنہ نے تصوف میں جان ڈال دی۔ اور اس میں ایک کشش پیدا کر دی۔

شیخ نجیب الدین عبد القادر سہروردیؒ یہ علوم ظاہری اور باطنی دونوں کے معلم تھے۔ انہوں نے ایک طرف جہاں تصفیہ قلوب و تزکیہ نفس کی طرف زور دیا وہاں علم دین کے درس و تدریس کی طرف بھی توجہ کی۔ ابن خلقان نے آپ کے اس شغف کے بارے میں لکھا ہے کہ "ظہرت برکتہ علی تلامذتہ"[1]

شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مولانا جامی نے ان کی پانچ سو تصانیف بتائی ہیں اور برکلاں نے ان کی ڈیڑھ سو تصانیف کا سراغ لگایا ہے جو دنیا میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان سب میں فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ، سب سے اہم ہیں۔ اس لئے کہ ان دونوں میں شیخ کے عقائد اور نظریات کا نچوڑ ہے۔ اپنی تصنیف فتوحات مکیہ کے بارے میں خود شیخؒ نے یوں اظہار خیال کیا ہے:۔

"کان[2] الاغلب فیما ادعت ھذہ الرسالۃ ما فتح اللہ بہ علی عند طوافی بہ بیتہ المکرم او معودی مراقبالہ بحرمہ الشریف المعظم۔"

---

[1] وفیات الابن خلقان جلد اول صفحہ ۱۲ ۔ [2] فتوحات مکیہ جلد اول صفحہ ۱۰

ترجمہ :- (یعنی جو حقائق اور معارف میں نے اس کتاب میں بطور امانت
درج کئے ہیں وہ اکثر خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے وقت' یا
حرم شریف میں بحالت مراقبہ خدائے تعالیٰ نے مجھ پر کھولے ہیں)

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی حضرت جنید بغدادیؒ کے مکتب خیال سے
متاثر تھے۔ شیخ ابن عربیؒ کے ہم عصر تھے اور دونوں دو مکتب خیال کے ہوتے
ہوئے بھی ایک دوسرے کی حد درجہ عزت کرتے تھے۔ شیخ سہرورویؒ کی سب سے
مشہور کتاب عوارف المعارف ہے۔ اس میں تصوف کے بنیادی اعتقادات
خانقاہوں کی تنظیم وغیرہ پر بہت وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔ تصوف کی
اصطلاحات کے معنی مختصر لیکن جامع طور پر اس میں بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت
نجم الدین کبریٰؒ نے اس کتاب کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ جس نے اس کتاب کو نہیں پڑھا
وہ صوفی نہیں ہو سکتا۔ مناقب الاصفیا میں لکھا ہے کہ :-

"شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی چوں عوارف را تصنیف کرد
گفت بر خواجم عرض کنید - یعنی بر خواجہ نجم الدین کبریٰ عرض کنید۔ اگر او
قبول کند بدارند و گرنہ بشوئند - خواجہ نجم الدین کبریٰ چوں عوارف را دید
گفت صوفی را ازیں چارہ نیست ہر صوفی کہ ایں کتاب مخدوم زادہ ندارند
صوفی نہ باشد۔"[1]

---

[1] مناقب الاصفیاء صفحہ ۱

تیرھویں صدی عیسوی میں جب سلاسل کی تنظیم شروع ہوئی، تو سہروردیہ سلسلہ کے علاوہ چشتیہ، قادریہ، فردوسیہ وغیرہ سلسلوں نے بھی اس کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھا۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نہ صرف اپنے اعلیٰ مریدین اور خلفا کو اس کتاب کا درس دیا کرتے تھے بلکہ اس پر ایک حاشیہ بھی لکھا تھا۔

شیخ سہروردیؒ کی تعلیم کا نچوڑ یہ تھا کہ نہ کبھی انسان کو "خودبیں" بننا چاہیئے اور نہ "بدبیں" ہونا چاہیئے۔ شیخ سعدی نے جو ان کے مخصوص مریدوں میں تھے۔ اپنے پیر کی اس تعلیم کی طرف اپنی مشہور کتاب بوستاں میں اشارہ کیا ہے

مرا پیر دانائے فرخ شہاب دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خودبیں مباش دگر آنکہ بر غیر بدبیں مباش

حضرت نجم الدین کبریؒ جنھیں ان کی بزرگی، عظمت اور کرامات کی بنا پر "ولی تراش" اور "سر تراش" بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت ضیاالدین ابو نجیب سہروردی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اور بقول مولف بزم صوفیہ آپ ہی نے خلافت دیتے وقت فرمایا تھا "شما مشائخ فردوس ہستید" یعنی تم مشائخ فردوس ہو۔ اور اسی وقت سے فردوسیہ سلسلے کی ابتدا ہوئی یعنی آپ نے جانشینوں نے اپنے لئے فردوسی کا لقب پسند کیا۔

لیکن جناب حضور حضرت شاہ امین احمد فردوسیؒ نے اپنی مشہور تصنیف گل فردوس میں فردوسی کا لقب دینا حضرت بدرالدین سمرقندیؒ کی طرف

منسوب کیا ہے۔ یعنی حضرت بدرالدین سمرقندیؒ نے سب سے پہلے اپنے مرید اور خلیفہ حضرت رکن الدین کو فردوسی کا لقب بخشا اور پھر لوگ فردوسی کہلانے لگے۔

فرماتے ہیں:۔

محرمے راکہ بسے محرمے درگاہ ست	این نشانیش بود ذالک فضل اللہ
اگر این فضل نبودے بحق رکن الدین	سہروردی ہمہ راکندہ شدے نقش ونگین
نجمی وکبروی واہل ضیا می گفتند	یاکہ شطار طریق این ہمہ را می گفتند
گشت از فضل خداوند چو او فردوسی	گشتم از یمن طفیلش من وتو فردوسی

بہر حال فردوسی سلسلے کا منبع اور مبدا تو حضرت نجم الدین کبریٰ ہی کو ماننا پڑے گا۔

مناقب الاصفیا میں حضرت شعیب فردوسیؒ نے نجم الدین کبریٰ کے علم و فضل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عربی فارسی نظم ونثر میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں تبصرہ اور رسالہ بہت زیادہ اہم ہیں:۔

محرم خاص کے ہوتے ہیں علامات یہی	اک نشانی ہے یہی ذالک فضل اللہ کی
آپ کے حق میں جو یہ فضل نہ لکھا ہوتا	سہروردی کا لقب سب ہی کو زیبا ہوتا
نجمی وکبروی اہل ضیا کہلاتے	یاکہ شطار طریق عرفا کہلاتے
کرم حق سے انہیں عزتِ فردوسی ہے	اس سے ہم لوگوں کو بھی نسبت فردوسی ہے

(مترجمہ جناب سید شاہ قسیم الدین احمد فردوسی)

"سخن در توحید و معرفت و در قواعد طریقت و حقیقت بہ بیانے بدیع گفتے تصنیفات او بہ عربی و فارسی و نظم و نثر بسیار است از جملہ تصنیفات او تبصرہ و رسالہ در بیان طریق سلوک دریں زمین ہند مشہور است۔"[1]

آخر میں ہمیں اس بارہویں صدی کے چند صوفی شعرا کا بھی ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جن کی نظموں نے تصوف کے میخانہ کو جام آتشیں سے پر کر دیا تھا اور جسے پی کر ایک عالم سرشار و مدہوش نظر آتا تھا۔ تصوف کا اصلی سرمایہ "عشق" ہے اور اس "عشق" کی سب سے بہتر طور پر ترجمانی کرنے والا شعر و شاعری ہے۔ اس لئے تصوف کی خدمت جو ان شعرا کے ذریعہ ہوئی اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

حکیم سنائی، نظامی گنجوی اور خواجہ فریدالدین عطارؒ اس دور کے تین مشہور صوفی شعرا گذرے ہیں۔ جن کا ذکر ازبس ضروری ہے۔

حکیم سنائی غزنین کے رہنے والے تھے ابتدا میں بہرام شاہ کے درباری شعرا میں منسلک تھے۔ لیکن ایک درویش کی نیم‌ہانہ طنز سے ایسے متاثر ہوئے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ شیخ ابو یوسف ہمدانیؒ سے مرید ہو کر اپنی زندگی تصوف و اخلاق کی خدمت میں گذار دی اور وہی شاعری جو کبھی بادشاہوں کے خوش کرنے کیلئے کی جاتی تھی اب مخلوق الٰہی کی اصلاح اور تعلیم و تربیت کے لئے لکھی جانے لگی۔ مولانا روم نے حکیم سنائی کی اہمیت اور عظمت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

[1] نزہۃ الاصفیا صفحہ

عطار روح بود و سنائی دو چشم او — ما از پے سنائی و عطار آمدیم

حکیم سنائی ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ ایک کلیات کے علاوہ ان کی تصانیف میں مندرجہ ذیل سات مثنویاں بھی شامل ہیں:۔

حدیقہ، سیر العباد، کارنامہ بلخ، طریق التحقیق، عشق نامہ، عقل نامہ، بہرور بہرام۔ لیکن ان میں سوائے حدیقہ کے سب ناپید ہیں۔ یہ مثنوی بہرام شاہ کے نام معنون ہے۔ حدیقہ میں گیارہ ہزار اشعار ہیں۔ اور یہ دس باب پر مشتمل ہے۔ اس میں تصوف کے اکثر مقامات صبر و رضا، توکل وغیرہ کی وضاحت کی گئی ہے۔ حکیم سنائی سے پہلے سوائے ابوسعید ابوالخیرؒ کسی شاعر نے تصوف کے اسرار و معارف کو اس طرح ادا نہیں کیا تھا۔ جیسا کہ خود ایک جگہ لکھتے ہیں:

کس نہ گفت ایں چنیں سخن بہ جہاں — ور کسے گفت گو بیار و بخواں

مولانا شبلی نعمانیؒ نے شعر العجم میں لکھا ہے کہ "اخلاقی شاعری کی بنیاد حکیم سنائی نے قائم کی اور گو آگے چل کر اس صنف کو بہت وسعت ہوئی، لیکن اصول اور آئین حکیم سنائی ہی نے قائم کر دیے تھے۔"

مثال کے طور پر ایک رباعی درج ذیل ہے:

ترا نزداں ہمی گوید کہ در دنیا مخور بادہ — ترا ترسا ہمی گوید کہ در صفرا مخور حلوا

ز بہر دیں تو نگذاری حرام از حرمت یزداں — ولیک از بہر تن مانی حلال از گفتہ ترسا

خواجہ فریدالدین عطار نے اس زمین کو اور آسمان بنا دیا۔ انہوں نے قصیدہ، رباعی، غزل، تمام اصناف شاعری کو تصوف سے مالا مال کر دیا۔ مولانا شبلی نعمانی رح نے ان کے اشعار کی تعداد لاکھ سے زیادہ بتائی ہے مولانا روم نے ان کی بڑائی، بزرگی اور عظمت کو ایک شعر میں اس طرح ظاہر کیا ہے:

ہفت شہر عشق را عطار گشت ما ہماں اندر خم یک کوچہ ایم

مسٹر براؤن نے اپنی تصنیف میں ان کی تیس ۳۰ تصانیف کا ذکر کیا ہے جن میں سے مندرجہ ذیل بہت زیادہ مشہور ہیں:۔

اسرار نامہ، الٰہی نامہ، مصیبت نامہ، وصیت نامہ، جوہر الذات، منطق الطیر، پند نامہ، بلبل نامہ، حیدر نامہ، گل و ہرمز، سیاہ نامہ، شتر نامہ مختار نامہ، تذکرۃ الاولیا۔

خواجہ صاحب شروع میں دوا کے دوکاندار تھے۔ اور نیشاپور میں ان کے مقابلہ کی کوئی دوکان دواؤں کی نہ تھی۔ لیکن بچپن ہی سے درد مند دل رکھتے تھے۔ ایک فقیر کے ایک اشارے نے ان کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹا دیا اور وہ بالکل ہی بدل گئے۔ تذکرہ نویسوں نے ان کے فقر اختیار کرنے کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک فقیر ایک بار ان کی دوکان میں آیا اور کھڑا ہو کر چیزوں کو دیکھنے لگا۔ خواجہ صاحب نے اس سے ذرا روکھے پن سے کہا

"چرا ایستادہ رُراہ خود بہ بیں" فقیر نے جواب میں یہ کہا "من رفتم خود را بہ بیں
اور وہیں دراز ہو گیا۔ اور جان جان آفریں کو سپرد کردی ۔ خواجہ صاحب پر
اس واقعہ کا ایسا اثر ہوا کہ اپنے سارے مال و متاع کو کھڑے کھڑے لٹا دیا،
اور خود فقیری لے لی ۔ اور آگے چل کر تصوف میں اپنا بلند مقام پیدا کیا۔ علامہ
شبلی نعمانی نے اس واقعہ سے اختلاف کیا ہے اور مصیبت نامہ اور الٰہی نامہ کے
حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ خواجہ صاحب تارک الدنیا نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ
آخر تک دواؤں کی بکری سے معاش حاصل کرتے تھے ۔ اور یاد الٰہی میں
مصروف رہتے تھے ۔"خواجہ صاحب نے خرقہ فقر مجد الدین بغدادی سے
حاصل کیا تھا اور مرید شیخ صنعاں سے تھے"۔[1]

تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ خواجہ صاحب نے جب مظہر العجائب لکھا
تو فقہا اور علما کی ایک جماعت ان سے برہم ہو گئی تھی جس سے کبیدہ خاطر ہو کر وہ
خانہ کعبہ میں خلوت گزیں ہو گئے تھے اور وہیں لسان الغیب منظوم کیا۔ آپ کی
پیدائش مولف خزینۃ الاصفیا[2] نے ماہ شعبان سنہ ۵۱۳ھ اور وفات سنہ ۶۲۸ھ
لکھا ہے۔ "وحدت الوجود" کے مضمون پر خواجہ صاحب نے بہت زور دیا ہے
اور بار بار جوش و سرمستی کے ساتھ اس پر اشعار لکھے ہیں مثلاً ، ؎

تاب در زلف و وسمہ بر ابرو | سرمہ در چشم و غازہ بر رخسار

---

[1] خزینۃ الاصفیا صفحہ ۲۶۳ [2] خزینۃ الاصفیا صفحہ ۲۶۳

رنگ در آب و آب در یاقوت ۔ بوے در مشک و مشک در تاتار

نظامی گنجوی نے درباری شاعر ہوتے ہوئے بھی تصوف کی بڑی خدمات انجام دی ہیں ۔ انہوں نے متعدد مثنویاں لکھی ہیں ۔ جن میں جگہ جگہ اخلاق و تصوف کے مسئلے پر روشنی ڈالی ہے لیکن مخزن الاسرار میں انہوں نے خالص اخلاقی شاعری کو پیش کیا ہے ۔

مختصر یہ کہ بارہویں صدی کے آخر تک تصوف فن کی حیثیت سے مکمل ہو چکا تھا ۔ امام غزالی، شیخ محی الدین ابن عربی، شیخ سہروردیؒ نے اس کے فلسفہ، اصطلاحات بنیادی مسائل سب کی وضاحت کر دی تھی، حکیم سنائی اور خواجہ عطار نے اپنی شاعری سے اس مے تصوف کو دو آتشہ کر دیا اور ہر دل میں عشق کی آگ بھڑکا دی ۔ تحریک بھی یہ بن ہی چکی تھی صرف عوامی تحریک بننے میں جو کسر باقی تھی اس کو سلاسل کی تنظیم نے پوری کر دی ۔ لیکن یہ تیرھویں صدی میں ہوا ۔

تیرہویں صدی عیسوی میں روحانی سلسلوں کے وجود میں آجانے کے بعد فن تصوف ہر اعتبار سے مکمل ہو گیا کیونکہ آئندہ صدیوں میں تصوف کی تحریک گرچہ عروج و ترقی کی مختلف منزلوں سے گذری لیکن بنیادی طور پر اس کے فلسفہ یا عملی پروگرام میں ذرا بھی تبدیلی نہیں ہوئی ۔ اس وقت تک امام غزالیؒ، شیخ اکبرؒ اور شیخ سہروردیؒ نے جو کچھ مرتب کر دیا تھا تصوف کی دنیا اسی محور پر

گھومتی رہی۔

فن تصوف نے جب تحریک کی شکل اختیار کرلی تھی تو پھر سلاسل کا قائم ہونا تو دیر یا سویر بہر حال ضروری تھا لیکن تیرھویں ہی صدی میں اس قدر تیزی کے ساتھ اسکا مکمل ہوجانا خاص اسباب کی بنا پر تھا، اور وہ تھا مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی زندگی کا عبرت انگیز زوال ملت اسلامیہ کو گھن لگ گیا تھا ہر جگہ اور زندگی کے ہر شعبہ میں تباہی اور بربادی نمایاں ہوگئی تھی کہ ٹھیک اسی وقت مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی زوال کے نتیجہ میں تاتاریوں کا سیلاب قہر الٰہی بن کر نازل ہوا جس سے ساری اسلامی دنیا تہہ وبالا ہوگئی اور عروس البلاد بغداد خون میں نہا گیا۔ دریائے دجلہ مسلمانوں کی لاشوں سے پٹ گیا اور دور دراز تک اس کا پانی خون ہی خون نظر آنے لگا اسی سے گھبرا کر اور بلبلا کر سعدی نے یہ پر درد مرثیہ لکھا تھا: ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں ۔۔۔ بر زوال ملک مستعصم امیر المومنیں

اے محمد گر قیامت سر برون آری زخاک ۔۔۔ سر بروں آر و قیامت درمیان خلق بیں

ظاہر ہے ان خونیں مناظر کے پیش نظر عوام کے دل خود بخود تصوف کی طرف مائل ہوگئے ہوں گے۔ انابت، خضوع، تضرع، توکل کی کیفیت خود بخود دل پر طاری ہوگئی ہوگی۔ صوفیائے کرام جو ہمیشہ سے روح انسانی کے طبیب حاذق رہے ہیں اس کے علاج کے لئے آگے بڑھے اور انھوں نے مسلمانوں کے

ذہنی اور قلبی انتشار کو دور کرنے کیلئے سلاسل کی تنظیم شروع کر دی اور بلا شبہ یہ علاج تیر بہدف ثابت ہوا۔ اس سے اسلامی سوسائٹی کی پریشانی اور مسلمانوں کا ذہنی انتشار ختم ہو گیا۔ اور جو مسلم قوم منگولوں کی سفاکیوں کے سامنے مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہی تھی تصوف کے ذریعہ پھر زندہ ہو گئی۔ صوفیا نے زندگی کی یہ نئی لہر ان تین اصولوں کے ذریعہ دوڑائی۔

۱۔ خدا پر بھروسہ

۲۔ انفرادی زندگی پر اجتماعی زندگی کو ترجیح

۳۔ اخلاقی اقدار کو زندہ کرنے کا عزم

اس تیرھویں صدی کے مشائخ میں جہاں حضرت سیف الدین باخرزیؒ حضرت بدرالدین سمرقندیؒ، شیخ رضی الدین علی لالا، بابا کمال جنید حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وہاں صوفی شعرا میں عراقی، اوحدی، شیخ سعدی اور مولانا روم ناقابل فراموش ہیں۔ حضرت سیف الدین باخرزیؒ اور شیخ بدرالدین سمرقندیؒ کی خدمات اور تنظیم سے جہاں سلسلہ فردوسیہ نے نشو و نما پایا اور دنیا کو رشد و ہدایت کا راستہ دکھایا وہاں ان صوفی شعرا نے اپنے تصوفانہ اور اخلاقی نظموں سے ساری کائنات کو متاثر کر دیا۔ فردوسیہ سلسلے کے یہ دو باعظمت اور جلیل القدر مشائخ سیف الدین باخرزیؒ اور شیخ بدرالدین سمرقندیؒ کا تفصیلی تذکرہ تو آئندہ صفحات میں آئے گا ہی

لیکن اس جگہ اس دور کے مذکورہ بالا صوفی شعرا کا ذکر اجمالاً کر دینا مناسب ہوگا

عراقی ہمدان کے رہنے والے تھے۔ بچپن ہی سے دل درد مند اور سوز و گداز سے پُر رکھتے تھے ہر چیز میں ان کو خدا کا جمال ہی نظر آتا تھا مولانا جامیؒ نے ان کو شاعر عاشق مزاج اور صوفی منش لکھا ہے اور ان کے بارے میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ جب وہ سترہ سال کے تھے قلندروں کی ایک جماعت ہمدان میں آئی ان میں ایک صاحب جمال نوجوان بھی تھا، جس کی خوبصورتی سے ایسا مسحور ہوئے کہ اس جماعت کے ساتھ لگ گئے اور ان لوگوں کے ساتھ ملتان چلے آئے وہاں شیخ ذکریا ملتانیؒ سے بیعت حاصل کر کے بحر تصوف میں غرقاب ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ شیخ عراقی برابر اپنی غزلوں کو گاتے رہتے تھے اور اسی کیفیت میں کھوئے رہتے تھے کچھ روز کے بعد جب ان کی غزلیں ملتان میں زبان زد عوام ہو گئیں تو ان کے پیر بھائیوں نے شیخ ذکریا ملتانی سے شکایت کی کہ عراقی ذکر و فکر میں وقت صرف کرنے کی بجائے ہر وقت اپنے نغموں میں مست رہتا ہے۔ اور ان کے یہ اشعار شیخ کے سامنے پڑھے:[۱]

نخستیں بادہ کاندر جام کردند ۔۔۔ ز چشم مست ساقی وام کردند
لب میگوں جاناں جام در داد ۔۔۔ شراب عاشقانش نام کردند

---

[۱] نفحات الانس صفحہ ۵۴۲

به عالم هر کجا درد و غمے بود | بہم کردند و عشقش نام کردند
چو خود کردند را از خویشتن فاش | عراقی راچرا بد نام کردند

شیخ ذکریا ملتانیؒ نے ان کے ان شعروں کو سن کر فرمایا "وہ تو منزل پر پہنچ گیا"۔ اور فوراً طلب کر کے کئی سوالات کئے اور جب پوری تشفی ہو گئی تو اپنا خرقہ ان کو پہنایا اور اپنی صاحبزادی کو ان کی زوجیت میں دے دیا۔ مشہور ہے کہ اپنی وفات کے وقت شیخ نے عراقی کو اپنا جانشین بھی نامزد کیا تھا لیکن شیخ کے دوسرے شاگردوں نے اس پر عمل نہیں ہونے دیا۔

عراقی اپنے شیخ کے وصال کے بعد سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مکہ، مدینہ ہوتے ہوئے قونیہ پہنچے اور شیخ صدرالدین کے خطبات میں پابندی سے شریک ہو کر مستفید ہوتے رہے۔ معین الدین پروانہ ان کے بڑے مداح تھے۔ انہوں ان کیلئے ایک خانقاہ بھی تعمیر کیا تھا۔ عراقی کی طبیعت وہاں نہ لگی اور وہاں سے کچھ روز کے بعد شام چلے گئے وہیں اپنے صاحبزادے کبیرالدین سے جو ان کی تلاش میں ہندوستان سے آئے تھے۔ ان کی ملاقات ہوئی لیکن چند ہی دنوں کے بعد وہاں ۱۲۸۹ء میں وفات پایا۔ اور محی الدین ابن عربیؒ کے پہلو میں صلاحیہ دمشق میں مدفون ہوئے۔ ان کی ایک رباعی جو عشق و سرمستی میں ڈوبی ہوئی ہے نمونتہً درج ہے

مرا جز عشق تو جانے نمی بینم نمی بینم | دلم را جز تو جانانے نمی بینم نمی بینم
عراقی را بدر گاہت رہے بنما کہ در عالم | چو او سرگشتہ حیرانے نمی بینم نمی بینم

شیخ عراقی نے غزلوں کے علاوہ ایک مثنوی عشاق نامہ بھی لکھی تھی جو اب نایاب ہے لیکن سب سے مشہور اور گرانقدر تصنیف ان کی لمعات ہے یہ نثر میں تصوف و اخلاق کی بے مثل کتاب سمجھی جاتی ہے۔ مولانا جامی نے اشعتہ اللمعات کے نام سے ایک کتاب لکھ کر اس پر تبصرہ بھی کیا ہے۔

لمعات اٹھائیس لمعوں پر منقسم ہے۔ مسٹر براؤن نے اپنی تصنیف ہسٹری آف پرشین لٹریچر میں اس پر طویل بحث کی ہے۔

اوحدی کی مشہور نظم جام جم ہے جس کی مقبولیت کے بارے میں دولت شاہ نے لکھا ہے کہ اس نظم کے لکھے جاتے ہی ایک مہینہ کے اندر اس کی چار سو نقلیں کی گئیں۔ اور تقریباً ہر صاحب ذوق تک پہنچ گئی۔

جام جم شیخ سنائی کے حدیقہ کے رنگ پر لکھی گئی ہے، اور بقول مولف مجمع الفصحا سات ہزار اشعار پر مشتمل ایک دیوان بھی ان کا موجود تھا جو اب کمیاب ہے۔ شعر العجم کے حوالہ سے ان کے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

اے رنج ناکشندہ کہ میراث میخوری ۔۔۔ بنگر کہ کیستی تو و مال کہ می بری

ایں شست شوے جبہ و دستار تابہ کے ۔۔۔ دست از جہاں بہ شوے کہ این ست گازری

ہرگز نہ باشدت بہ بدیگراں نظر ۔۔۔ در فعل خویشتن تو اگر نیک بنگری

گفتار اوحدی نہ بود بے حقیقتے ۔۔۔ قولش قبول کن کہ بہ اقبال رہ بری

خاکساراں جہان را بہ حقارت منگر ۔۔۔ تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

شیخ سعدی بھی شاعر عاشق مزاج اور صوفی منش تھے ۔ مشہور مستشرق ڈاکٹر اسمتھ نے ان کی زندگی کو تین حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ پہلا حصہ تعلیم میں دوسرا سیر و سیاحت میں اور تیسرا عبادت و ریاضت میں ۔

علوم ظاہری کی تکمیل شیخ سعدی نے ابوالفرح ابن جوزی سے کی اور علوم باطنی کیلئے شیخ شہاب الدین سہروردی کا دامن تھاما ۔ اپنی نظموں میں کئی جگہ اپنے شیخ پر فخر بھی کیا ہے

سعدی کی تصانیف بہت زیادہ ہیں انھوں نے ہر صنف شاعری پر طبع آزمائی کی ہے اور ہر شعر ان کا عشق میں ڈوبا ہوا ہے ۔ علامہ شبلی نعمانی مرحوم کا خیال ہے کہ اخلاقی شاعری میں شیخ سعدی کا کوئی مدمقابل نہ تھا ۔ نمونتہً چند اشعار درج ذیل ہیں :-

عشق بازی نہ من آخر بہ جہان آوردم — یا گنا ہے ست کہ اول من مسکیں کردم

دوستاں منع کنندم کہ چرا دل بہ تو دادم — باید اول بہ تو گفتن کہ چنیں خوب چرائی

ہر کس از دست غیر نالہ کند — سعدی از دست خویشتن فریاد

مولانا روم ابتدا میں علوم ظاہری کے بڑے جید عالم تھے ۔ لیکن شمس تبریزی کی ایک ہلکی سی تنبیہہ سے بالکل بدل گئے ۔ اور صرف خدا کے ہو رہے اپنے وقت کے مشاہیر صوفیا جیسے محی الدین ابن عربیؒ، مولانا صدر الدین قونویؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے مستفیض ہوئے اور پھر اپنے کسب و ریاضت سے

صوفیا میں بہت بلند مقام حاصل کیا آپ کی تصانیف میں مثنوی بہت اہمیت رکھتی ہے ۔ اس کی عظمت اور مقبولیت کا اعتراف لوگوں نے ع

ہست قرآں در زبان پہلوی

کہہ کر کیا ہے ۔

سوانح مولانا روم میں علامہ شبلی نے مولانا روم کی اس غیر فانی مثنوی پر اس طرح اظہار خیال کیا ہے :۔

"فارسی زبان میں جس قدر کتابیں نظم و نثر میں لکھی گئی ہیں کسی میں ایسے دقیق ، نازک اور عظیم الشان مسائل اور اسرار نہیں مل سکتے جو مثنوی میں کثرت سے پائے جاتے ہیں ۔ فارسی پر موقوف نہیں اس قسم کے نکات اور دقائق کا عربی تصنیفات میں مشکل سے پتہ چلتا ہے ۔"

علامہ اقبال جن کے دل میں عشق الٰہی کی آگ ان ہی مولانا روم کے کلام نے لگائی تھی ایک جگہ اپنی عقیدت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں : ؎

سفالم را مئے او جام جم کرد	درون قطرہ ام پوشیدہ یم کرد
خرد اندر سرم بت خانہ ریخت	خلیل عشق دیرم را حرم کرد

غرض تیرھویں صدی عیسوی میں جہاں منگولوں کی سفاکی اور بربریت سے تمام عالم اسلامی لرزہ بر اندام ہو رہا تھا وہاں یہ صوفی شعرا اور اکابر مشائخ مسلمانوں کی ذہنی اور قلبی انتشار کا مداوا ڈھونڈ رہے تھے اور ان لوگوں نے

اپنے دلگداز اشعار اور روحانی سلاسل کی ترتیب اور تنظیم سے اس کا مداوا ڈھونڈھ بھی لیا۔ اور چپہ چپہ پر اپنا روحانی نظام قائم کر کے منگولوں کی پیدا کی ہوئی ذہنی ابتری کو مسلمانوں سے یک لخت دور کر دیا۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں ہندوستان کے اندر چودہ سلاسل کا ذکر کیا ہے[۱]:-

(۱) جیبیان	(۲) طیفوریان	(۳) کرخیان
(۴) سقطیان	(۵) جنیدیان	(۶) کارزونیان
(۷) طوسیان	(۸) فردوسیان	(۹) سہروردیان
(۱۰) زیدیان	(۱۱) عیاضیان	(۱۲) ادھمیان
(۱۳) ہبریان	(۱۴) چشتیان	

یہ چودہ خانوادے حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے دو خلفا خواجہ عبدالواحد بن زید قدس اللہ سرہ اور خواجہ جیبب عجمی قدس اللہ سرہ سے اسطرح نکلے کہ خواجہ عبدالواحد سے پانچ سلسلے جو چلے وہ (۱) زیدیہ (۲) عیاضیہ (۳) ادھمیہ (۴) ہبریہ اور چشتیہ کہلائے۔

اور خواجہ جیبب عجمی سے نو خانوادے نکلے جو (۱) جیبیہ (۲) طیفوریہ (۳) کرخیہ (۴) سقطیہ (۵) جنیدیہ (۶) کارزونیہ (۷) طوسیہ (۸) فردوسیہ اور سہروردیہ کہلائے۔

[۱] آئین اکبری مرتبہ سر سید احمد خاں حصہ دوم صفحہ ۲۰۳

لیکن بقول پروفسر خلیق احمد صاحب نظامی حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں صرف مندرجہ ذیل چھ ہی سلاسل نے کام انجام دیئے۔ اور وہ ہیں چشتیہ (۲) سہروردیہ (۳) قادریہ (۴) شطاریہ (۵) نقشبندیہ اور (۶) فردوسیہ۔

اور میری اس تصنیف کا موضوع سخن یہی سلسلہ فردوسیہ ہے

(۱) چشتیہ۔ ہندوستان میں سب سے پہلے اسی سلسلے نے کام شروع کیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ پرتھوی راج کے زمانے میں سب سے پہلے پہل ہندوستان میں تشریف لائے اور اجمیر میں مقیم ہو کر سلسلہ کا کام شروع کیا۔ اور اس کی خانقاہیں پاک پٹن سے لکھنوتی اور دہلی سے دیوگیر تک قائم ہوئیں۔

(۲) سہروردیہ:۔ یہ سلسلہ چشتیہ کے بعد ہندوستان میں پہنچا۔ حضرت شیخ بہاءالدین ذکریا ملتانیؒ بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے خلافت حاصل کرکے ہندوستان آئے اور اپنے سلسلہ کے کام کے لئے ملتان کو پسند کرکے وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ اور اس سلسلہ کی خانقاہیں ملتان اور سندھ تک محدود رہیں۔

(۳) قادریہ۔ یہ سلسلہ پندرھویں صدی کے وسط میں قائم ہوا اسکو شاہ نعمت اللہ قادریؒ نے ہندوستان میں قائم کیا اور پھر سیّد محمد

غوث گیلانی رح، مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی رح، سید موسیٰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے اس سلسلہ کو عہد مغلیہ میں فروغ دیا۔

(۴) شطاریہ :- یہ سلسلہ شاہ عبداللہ شطاری رح (المتوفی ۱۴۵۸ء) نے قائم کیا تھا۔ سید محمد غوث گوالیاری رح اور شیخ وجیہہ الدین علوی گجراتی نے اس کو ہندوستان میں ترقی دیا لیکن جہانگیر کے بعد ہی سے اس سلسلہ کا کام کم ہونے لگا۔

(۵) نقشبندیہ :- یہ سلسلہ وجود میں تو سب سے پہلے آیا لیکن ہندوستان میں خواجہ باقی باللہ رح نے شہنشاہ اکبر کے زمانے میں اس کو قائم کیا اس کے بعد ان کے خلیفہ شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی رح نے اس سلسلے کی بڑی خدمت کی اور اس کو مقبول عام بنایا۔ بعد کو یہی سلسلہ مجددیہ نقشبندیہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

(۶) فردوسیہ :- اس سلسلے کو ہندوستان میں حضرت سیف الدین باخرزی رح کے خلیفہ حضرت بدرالدین سمرقندی لائے اور پھر اسکو معراج کمال تک حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رح فردوسی نے پہنچایا۔ ان کے

لہ مولف تاریخ مشائخ چشت نے ایک جگہ لکھا ہے کہ سلسلہ فردوسیہ کو ہندوستان میں حضرت سیف الدین باخرزی رح لائے لیکن کسی کتاب میں بھی شیخ سیف الدین باخرزی رح کی ہندوستان آنے کا پتہ نہیں ملتا۔

جانشینوں میں بھی حضرت مولانا مظفر بلخی فردوسیؒ، حضرت حسین نوشہ توحید فردوسیؒ، حضرت حسن دائم جشن فردوسیؒ۔ اور حضرت احمد لنگر دریا فردوسیؒ وغیرہ جیسی برگزیدہ ہستیاں گذریں جن سے اس کو بڑی تقویت پہنچی۔

بہت سے دوسرے روحانی سلسلوں کی طرح فردوسیہ سلسلہ کی ابتدا بھی سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوئی ہے۔ مثلاً:-

۱۔ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ
۲۔ سیدنا امام حسین علیہ السلام
۳۔ سیدنا امام زین العابدین "
۴۔ سیدنا امام محمد باقر
۵۔ سیدنا امام جعفر صادق
۶۔ سیدنا امام موسیٰ کاظم
۷۔ سیدنا امام علی رضا
۸۔ خواجہ معروف کرخیؒ
۹۔ خواجہ سری سقطیؒ
۱۰۔ حضرت جنید بغدادیؒ
۱۱۔ خواجہ ابوالقاسمؒ
۱۲۔ خواجہ ممشاد علی دینوری
۱۳۔ خواجہ احمد سیاہ دینوری
۱۴۔ خواجہ محمد بن عبداللہ المعروف بہ عمویہ
۱۵۔ خواجہ وجیہہ الدین ابو حفص
۱۶۔ خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب
۱۷۔ خواجہ نجم الدین کبریٰ فردوسی
۱۸۔ خواجہ سیف الدین باخرزی فردوسی
۱۹۔ خواجہ بدرالدین سمرقندی فردوسی
۲۰۔ خواجہ رکن الدین فردوسی
۲۱۔ خواجہ نجیب الدین فردوسی
۲۲۔ حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری فردوسیؒ

۲۳ - حضرت مخدوم مولانا مظفر بلخی فردوسیؒ
۲۴ - حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی فردوسیؒ
۲۵ - حضرت مخدوم حسن دائم جشن بلخی فردوسیؒ
۲۶ - حضرت مخدوم احمد لنگر دریا بلخی فردوسیؒ
۲۷ - حضرت مخدوم ابراہیم سلطان بلخی فردوسیؒ
۲۸ - حضرت مخدوم شیخ درویش بلخی فردوسیؒ
۲۹ - حضرت مخدوم شاہ محمد بھیکھ فردوسیؒ
۳۰ - حضرت مخدوم شاہ جلال فردوسیؒ
۳۱ - حضرت مخدوم شاہ اخوند فردوسیؒ
۳۲ - حضرت مخدوم شاہ محمد فردوسیؒ
۳۳ - حضرت مخدوم شاہ احمد فردوسیؒ
۳۴ - حضرت مخدوم دیوان شاہ علی فردوسیؒ
۳۵ - حضرت مخدوم شاہ عبدالسلام فردوسیؒ
۳۶ - حضرت مخدوم شاہ ذکی الدین فردوسیؒ
۳۷ - حضرت مخدوم شاہ وجیہ الدین فردوسیؒ
۳۸ - حضرت مخدوم شاہ بدیع الدین فردوسیؒ
۳۹ - حضرت مخدوم شاہ علیم الدین درویش فردوسیؒ

۴۰ - حضرت مخدوم شاہ ولی اللہ فردوسیؒ

۴۱ - حضرت مخدوم شاہ امیرالدین فردوسیؒ

۴۲ - حضرت مخدوم شاہ امین احمد فردوسیؒ

۴۳ حضرت شاہ محمد حیات فردوسیؒ

۴۴ حضرت سید شاہ محمد سجاد صاحب فردوسی مدظلہ'

فصل اوّل

حضرت نجم الدین کبریٰ قدس اللہ سرہٗ

ابو الجناب کنیت، کبریٰ لقب، احمد بن عمر الصوفی نام، المخاطب بہ خواجہ نجم الدین کبریٰ رح۔ اپنے عصر کے مشائخ عظام وصوفیائے کبار میں سے تھے۔ اس دور کے مشہور صوفی شاعر شیخ اوحدی رح نے آپ کی شان میں جو منقبت لکھی ہے اس سے نہ صرف ان کی بزرگی کشف وکرامات کا ہی پتہ چلتا ہے بلکہ ان کے تبحر علمی اور مختلف مبحث پر ان کی تصانیف کا بھی سراغ ملتا ہے: ؎

یارب[1] بہ دلی تراشش مطلق	آں نجم و نجوم ملت و حق
یارب بہ مقام آں مقدم	پیر کبریٰ، کبیر عالم

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۹۵

یارب بہ کمال پیر خوار زم | آں وارث ہمہٗ اولوالعزم
یارب بہ کمال بخشش بے رنج | واصل کن مجددین بہ شطرنج
یارب بہ وفورنکتہ دانیش | از تبصرہ منکشف معانیش
یارب بہ بیان بے مقالات | بے نطق جواب محو واثبات
یارب بہ سکون رہ نمونی | بادعویٔ صاحب سلونی
یارب بہ دلی تراشی او | خاصیت فیض پاشیٔ او
یارب بہ صباح فیض پاشی | از سگ بہ نظر ولی تراشی
یارب بہ نگاہ او کاثر یافت | ہر کس کہ زکلب او نظر یافت

مولف خزینۃ الاصفیا نے شیخ نجم الدین کے ساتھ کبریٰ کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ حضرت نجم الدین کبریٰ اپنے طالب علمی کے دوران میں بحث اور مناظرہ بہت کیا کرتے تھے اور اپنی ذہانت اور تبحر علمی کے باعث برابر اپنے مدمقابل کو شکست دیدیتے تھے اس لئے لوگوں نے ان کو طامۃ الکبریٰ کا خطاب دیا۔ بمرور کثرت استعمال سے طامۃ محذوف ہوگیا اور کبریٰ رہ گیا۔

مناقب الاصفیا[۱] میں بحوالہ گنج لایخفی (ملفوظ شیخ الاسلام شیخ حسین توشہ توحید) مرقوم ہے کہ ایک مجلس میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور شیخ نجم الدین کبریٰ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے ان دونوں کے درمیان امام

---

[۱] مناقب الاصفیا صفحہ ۹۷

فخر الدین رازیؒ آکر بیٹھ گئے اور شیخ الشیوخ سے پوچھا کہ تمہارے بغل میں یہ کون شخص بیٹھا ہے؟ شیخ الشیوخ شہاب الدینؒ نے فرمایا کہ یہ خواجہ ضیاء الدینؒ ابو النجیب سہروردیؒ کے خلیفہ ہیں اس کے بعد امام فخر الدین رازیؒ شیخ نجم الدین کبریٰ کی طرف مخاطب ہو کر بولے "لم عرفت اللہ" شیخ نجم الدین کبریٰ نے جواب دیا "بالواردات الالٰهیة الغیبة التی لا تحملها الا فهام الفعیفة" اتنا فرمانا تھا کہ امام فخر الدین رازیؒ نے محسوس کیا کہ ان کا تمام علم سلب ہو گیا ہے وہ گھبرا گئے اور بعد میں شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلوت میں اپنی گستاخی کی معافی چاہی اور سخت پشیمانی اور ندامت کا اظہار کیا بعد میں عرض کیا کہ مجھ کو کتنے دنوں میں آپ خدا رسیدہ بنا سکتے ہیں۔ شیخ نجم الدین کبریٰؒ نے فرمایا پچاس سال میں۔ مولانا نے پھر پوچھا، اس سے کم روز میں بھی ممکن ہے؟ فرمایا دس سال میں۔ مولانا نے عرض کیا، اس سے بھی کم میں ممکن ہے؟ فرمایا ایک سال میں۔ مولانا نے پھر پوچھا اس سے کم میں بھی ممکن ہے؟ فرمایا، ہاں پہلے تم ایک گھڑا لیکر مے فروش کے گھر جاؤ اور وہاں سے اس میں پانی بھر کر اپنے سر پر لے آؤ۔ مولانا نے جواب دیا۔ حضرت یہ تو مشکل ہے۔ شیخ نے فرمایا، میں نہ کہتا تھا کہ تمہارے جیسے لوگوں کو خدا رسیدہ ہونے میں پچاس سال لگیں گے۔

آپ کے مریدین اور خلفا تو بیشمار تھے اور بڑے بڑے مدارج طے کئے ہوئے تھے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ شیخ سیف الدین باخرزیؒ آپ کے

بہت ہی برگزیدہ خلیفہ تھے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ سے شیخ سیف الدین باخرزیؒ کے
مرید ہونے کا واقعہ مناقب الاصفیا میں بحوالہ فوائد الفواد اس طرح درج ہے
کہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ ابتدا میں صوفیوں کے سخت مخالف تھے اور اکثر
اپنے وعظ اور تقریر میں اس جماعت پر کڑی نکتہ چینی فرمایا کرتے تھے کبھی کبھی
ہجو و استہزا پر بھی اتر آتے تھے اس کی خبر شیخ نجم الدین کبریٰ کو بھی ہوئی انہوں نے
شیخ سیف الدین باخرزی کی مجلس وعظ میں شریک ہونے کی خواہش ظاہر کی
حلقہ بگوشوں نے روکا کہ اس طرح کے منہ پھٹ آدمی کے مجلس وعظ میں شرکت
کرنے سے خادموں کو خدشہ ہے مبادا کوئی خلاف تہذیب بات زبان سے ان کے
نکل آئے لیکن شیخ ولی تراش نہ مانے اور بہ نفس نفیس شیخ سیف الدین باخرزیؒ
کی مجلس وعظ میں شریک ہوئے۔ شیخ سیف الدین حضرت نجم الدین کو دیکھ کر صوفیا پر
اور کھل کر نکتہ چینی فرمانے لگے اور ہجو و استہزا کرنے لگے۔ حضرت نجم الدین کبریٰ
غور سے ان کی تقریر کو سنتے رہے اور ان کی ہر ناسزا اور فضول نکتہ چینی پر سر کو
ہلا ہلا کر شیخ سیف الدین کی تعریف کرتے رہے کہ سبحان اللہ کیا خوب کہتے ہو۔ تقریر
ختم ہوئی تو حضرت نجم الدین کبریٰ واپس روانہ ہوئے ایک مسجد کے پاس پہنچے تو
مڑ کر فرمایا وہ صوفی ابھی تک نہیں آیا۔ ٹھیک اسی وقت مجمع میں سے شیخ
سیف الدین نعرہ زن نکلے اور جامہ چاک کرتے ہوئے شیخ ولی تراش کے قدموں
پر گر پڑے شیخ شہاب الدین کو زیشتی بھی اس مجمع میں حاضر تھے وہ بھی قدموں پر

گوہڑے اس کے بعد حضرت نجم الدین کبریٰ کے ساتھ دائیں سیف الدین باخرزیؒ اور بائیں شہاب الدین گوزپشتی حضرت کے گھر تک آئے اور دونوں حلقہ بیعت میں داخل ہوئے اس کے بعد شیخ نجم الدین کبریٰ نے سیف الدین باخرزیؒ اور شہاب الدین گوزپشتی دونوں کو دعائیں دیں کہ دنیا اور دین دونوں میں بھلا ہوگا لیکن خصوصیت کے ساتھ سیف الدین باخرزیؒ کو دنیا میں بہت زیادہ سرفرازی ہوگی ۔ اس کے بعد سیف الدین باخرزیؒ کو خلافت و اجازت دیکر بخارا میں متعین کیا کہ وہیں جاکر وہ خدمت خلق کریں۔ شیخ سیف الدین باخرزیؒ نے ادب سے عرض کیا وہاں علماء متعصبین کا غلبہ ہے میرا کیا حشر ہوگا ؟ حضرت نجم الدین کبریٰ نے فرمایا "مجھ کو معلوم ہے تم بے خوف جاؤ"۔

مناقب الاصفیا میں لکھا ہے کہ خواجہ فرید الدین عطار کو حضرت نجم الدین کبریٰؒ سے غائت درجہ عقیدت تھی۔

مناقب الاصفیا میں حضرت مخدوم شعیب فردوسیؒ نے حضرت نجم الدین کبریٰؒ کے علم و فضل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عربی فارسی اور نظم و نثر میں ان کی بہت سی تصانیف ہیں[۱]۔

سخن در توحید و معرفت و در قواعد طریقت و حقیقت بہ بیانے
بدیع گفتے تصنیفات او بہ عربی و فارسی و نظم و نثر بسیار است از جملہ

---

[۱] مناقب الاصفیا صفحہ ۹۵

تصنیفات او تبصرہ و رسالہ در بیان طریق سلوک درین زمین ہند مشہور است۔"

شیخ کی نظم میں تصوف کے اکثر مسئلوں کی توضیح و تفصیل ملتی ہے مثلاً :ـــ

در محیطے فگندہ ام زورق — کہ دو عالم از وست مستغرق

نتواں زورق از محیط شناخت — بہ وجود محیط از زورق

آب شد زورق وز شیر آمود — این ست معنی مشکل و مغلق

بہ حقیقت یہ بیں کہ اہل وجود — نہ شود مختلف ز ہیچ نسق

کفر و ایمان و سنت و بدعت — اصطلاحیست و رمیان فرق

حق پرستی و ما و من گفتن — راہ گم کردۂ نے ہے احمق

ما و حق لفظ احمق ست بہم

چو زما بگذری بہ ماند حق

آپ کی غزل میں تصوف کی بعض گتھیوں کی عقدہ کشائی کے ساتھ ساتھ عشق و سرشاری کا عجب عالم نظر آتا ہے۔ سوز و گداز کی یہ کیفیت ہے کہ سننے والے کے دل میں آگ لگ جاتی ہے۔ سعدی اور جامی نے جیسے اس مئے خانہ عشق سے پینا سیکھا ہو۔ نمونتہً دو غزل درج ذیل ہیں :ـــ

گم شدم در خود ندانم یا کیم یا چیستم — قائیم عقلم حیاتم جان گویا چیستم

آدمی نامم ولیکن آدمی در اصل چیست — معنیم یا صورتم اسم مسمی چیستم
در چنیں حیرت کہ من دارم چہ گویم وصف خویش — آتشم خاکم نسیمم آب دریا چیستم
عاقلم دیوانہ ام اندر فراقم یا وصال — نیستم ہستم نہ برجائم نہ بیجا چیستم
گاہ رندو گاہ زاہد گاہ مست و گہ خموش — ساقیم یا بادہ ام یا جام صہبا چیستم
قطرہ در دریا و دریا گشتہ در قطرہ نہاں — آفتابم سایہ ام پنہاں و پیدا چیستم
در یکے شبنم ہزاراں کوہ و صحرا ایں عجب — شبنمم یا ساحلم یا کوہ و دریا چیستم
عاشقم معشوق عشقم سالکم پیر و مرید — راہبم یا رصلیبم یا مسیحا چیستم
مردہ دل زندہ ام یا زندہ بی جسم و جاں — نور ظلمت زہر نوش و زشت و زیبا چیستم
بے نشانی شد نشاں و بے زبانی شد زباں — بے نشان و بے زباں گویا و بینا چیستم
دوستانم نجم خوارزمی ہمی خوانند من — والہ و مدہوش و حیراں تا چیم یا چیستم

دیگر

نہ عشق اندر گرفتارم نہ ہشیارم نہ دیوانہ — نہ دلدارم نہ دل دارم نہ جاں دارم نہ جانانہ
نہ نے ادیم نہ خاموشم نہ می گویم نہ می یابم — نہ می یابم نہ می جویم نہ در کویم نہ در خانہ
نہ از علوی خبر دارم نہ از سفلی اثر دارم — وطن جائے گر دارم کہ اینجا نیست و آنجا نہ
نہ در کنج مناجاتم نہ در کوے خراباتم — خلاف عقل طاماتم کشیدہ رطل مستانہ
بیار آں جام جان افزا بہ بر از خاطرم سودا — بروں شو از من و از ما در آ کے یار مردانہ
الا اے نجم اگر خواہی مسلم ماہ تا ماہی — بسوئے حضرت شاہی قدم بردار مردانہ

مناقب[1] الاصفیا میں لکھا ہے کہ شیخ نجم الدین کبریٰ کے معاصرین کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نجم الدینؒ کو اسمٰعیل قصریؒ، شیخ عمار بن یاسرؒ اور شیخ ابو النجیب سہروردیؒ تینوں مشائخ سے بیعت اور ارادت حاصل تھی اور اسی لئے شیخ نجم الدین کبریٰؒ "سہ سر تراش" (یعنی تین مرتبہ سر مونڈانے والے) کے نام سے بھی مشہور ہیں آپکے خرقہ مشائخ کے بارے میں لکھا ہے کہ جو خرقہ شیخ اسمٰعیل قصریؒ نے حضرت نجم الدین کبریٰ کو عنایت فرمایا تھا وہ ان کو محمد بن مالکیلؒ سے ملا تھا اور ان کو داؤد بن محمدؒ سے اور ان کو ابی العباس بن ادریسؒ سے اور ان کو ابی القاسم بن رمضانؒ اور ان کو یعقوب طبریؒ اور ان کو عبداللہ بن عثمان سے اور ان کو یعقوب النہر جوزیؒ سے اور ان کو یعقوب السوسیؒ سے اور ان کو عبدالواحد بن زیدؒ سے اور ان کو کمیل بن زیاد سے اور ان کو سیدنا علی ابن طالبؓ سے اور ان کو حضرت رسول خدا سے

حضرت نجم الدین کبریٰؒ کے فضائل بے حساب ہیں تقریباً سب ہی سلسلے اور خصوصیت کے ساتھ مشائخ چشت ان کی عظمت کے بہت زیادہ معترف تھے۔ مولف مناقب الاصفیا نے بہت ہی خوب لکھا ہے کہ حضرت نجم الدین کبریٰؒ کو جہاد اکبر اور جہاد اصغر دونوں ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حصہ ملا تھا۔ مناقب الاصفیا کے الفاظ ہیں:۔

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۱۲

"خواجہ نجم الدین درجہاد اکبر از اذواق طور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
بالکس وجہ بہرہ مند بود و درجہاد اصغر نیز از درجہاد وصلم او را
نصیبے حاصل شد اثر زہر یہودیہ خیبر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم در مدت
باقی عمر داشتند تا اخر وفات ہم بداں اثر آں زہر شد۔ و خواجہ
نجم الدین کبریٰ را نیز متابعہ بنہیہ در حادثہ چنگیز خان شہید گردانید"
مناقب الاصفیا[1] میں لکھا ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردی نے جب
اپنی معرکتہ الآرا کتاب عوارف لکھی تو اسے خواجہ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں بھیجا
اور کہلا بھیجا کہ "اگر میری یہ تصنیف میرے خواجہ کو پسند آئے تو اسے قبول فرمائیں
ورنہ اسے تلف کر دیں۔" خواجہ نجم الدین کبریٰ عوارف کو پڑھ کر بے انتہا
محظوظ ہوئے۔ انہوں نے فرمایا جب تک میرے مخدوم زادہ کی اس کتاب کو
کوئی نہ پڑھے گا صوفی ہی کہلانے کا مستحق نہیں ہوگا" اور واقعتہً ایسا ہی
ہوا۔ عوارف کی مقبولیت دنیائے تصوف میں ایسی ہوئی کہ کسی کتاب کو بھی
حاصل نہیں ہوئی۔ اور اب تک جتنے سلسلے ہیں سبھوں نے اس کتاب کو
اپنا مشعل راہ بنائے رکھا ہے۔

برہان الاتقیا کے حوالہ سے مصنف مناقب الاصفیا[3] نے لکھا ہے کہ
ایک مرتبہ شیخ نجم الدین کبریٰ تہجد کی نماز کے وقت اپنے حرم میں تشریف لے گئے

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۱۲-۱۱۳ [2] " صفحہ ۱۰۰ [3] " صفحہ ۱۰۲

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اُن سے پوچھا کہ تہجد کے وقت حرم میں جانے کا
کون سا وقت تھا شیخ نجم الدین کبریٰ نے جواب دیا کہ وہ بھی ایک عبادت تھی
کیونکہ اس مشغولی کے نتیجہ میں جو اولاد ہوگی وہ بہت سے سالکوں کیلئے رہبر ہوگی۔

نفحات الانس[1] میں لکھا ہے کہ شیخ نجم الدین کبریٰؒ کی شادی شیخ
روزبہانؒ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی اور ان کے بطن سے دو صاحبزادے
ہوئے تھے۔

شیخ روزبہانؒ کی خدمت میں پہنچنے کا واقعہ مولانا جامیؒ نفحات[2]
الانس میں اس طرح لکھا ہے کہ شیخ نجم الدین کبریٰ جب عرصہ تک شیخ اسمٰعیل
قصریؒ کی خدمت میں رہکر علوم باطنی سے بہرہ مند ہو چکے تو ایک بار ان کے
دل میں یہ وسوسہ گذرا کہ علوم باطنی میں تو شیخ سے سب تعلیم حاصل کر ہی چکا
اور علوم ظاہری میں میں شیخ سے زیادہ ہوں۔ صبح کے وقت شیخ اسمٰعیل
قصریؒ نے ان کو طلب کیا اور کہا کہ جاؤ کچھ دن تک شیخ عمار یاسرؒ سے
تعلیم حاصل کرو۔ ان کے حسب ہدایت حضرت نجم الدین کبریٰ شیخ عمار یاسرؒ
کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ دنوں تک وہاں بھی علوم باطنی کی
تکمیل کرتے رہے۔ ایک مرتبہ وہاں بھی ان کے دل میں وہی وسوسہ
برتری کا گذرا۔ صبح کے وقت شیخ عمار یاسرؒ نے ان کو بلا کر کہا کہ تم شیخ

---

[1] نفحات الانس صفحہ ۳۷۴
[2] " " صفحہ ۳۷۸

روزبہانؒ کی خدمت میں مصر جاؤ۔ تمہارے وسوسے کا علاج صرف ان ہی کے طمانچہ سے ممکن ہے۔ ان کے کہنے کے مطابق حضرت نجم الدین کبریؒ مصر روانہ ہوئے اور شیخ روزبہانؒ کی خانقاہ میں پہنچے اس وقت شیخ روزبہانؒ وہاں پر موجود نہ تھے اور ان کے تمام مریدان مراقبہ میں مشغول تھے ایک دوسرے شخص سے حضرت نجم الدین کبریؒ نے شیخ روزبہانؒ کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ شیخ باہر میں وضو کر رہے ہیں۔ حضرت نجم الدین کبریؒ وہاں پر پہنچے تو دیکھا کہ کئی چلو پانی سے شیخ بیٹھے وضو کر رہے ہیں۔ حضرت نجم الدین کبریؒ کے دل میں خیال گذرا کہ کیا شیخ مسئلہ فقہی سے ناواقف ہیں، جو اتنا قلیل پانی سے وضو کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ شیخ وضو سے فارغ ہوئے۔ اور اپنے ہاتھ کا پانی ان کے منہ پر چھڑکا۔ ان چند قطروں کے چہرے پر پڑتے ہی حضرت نجم الدین کبریؒ پر عجب بیخودی طاری ہوگئی۔ شیخ خانقاہ میں آکر نماز نفل میں مشغول ہو گئے اور حضرت نجم الدین کبریؒ وہیں پر ان کے انتظار میں کھڑے رہے کہ یکایک ان پر عجب کیفیت طاری ہوگئی اور وہ خود میں گم ہو گئے اسی حالت میں دیکھا کہ قیامت آگئی ہے اور دوزخ کی آگ لہک رہی ہے اور دوزخ کے فرشتے ایک ایک کو اٹھاتے ہیں اور جہنم میں پھینکتے جاتے ہیں جہنم کے رہگذر پر ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور جو آدمی کہ جہنم میں ڈالے جانے سے پہلے کہہ دیتا ہے کہ اس کا تعلق اس مرد بزرگ سے ہے اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور بقیہ کو جہنم میں جھونک دیا جاتا ہے کہ یکایک دوزخ کے فرشتوں نے

حضرت نجم الدین کبریؒ کو بھی پکڑا اور کشاں کشاں جہنم کو لے چلے انہوں نے بھی اضطراب میں اس مرد بزرگ کی طرف اشارہ کر کے کہدیا کہ ان کا تعلق بھی اس مرد بزرگ سے ہے یہ کہنے کے بعد ان کو فرشتوں نے چھوڑ دیا اور وہ اس مرد بزرگ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ تو شیخ روزبہانؒ تھے ۔ فوراً قدموں پر گر پڑے انہوں نے ایک چپت گدی پر رسید کیا اور کہا آئندہ سے اللہ والوں کے ساتھ گستاخی نہ کرنا چپت کھاتے ہی وہ آپے میں آ گئے ۔ دیکھا کہ شیخ نماز سے فارغ ہو چکے تھے فوراً ان کے قدموں پر گر پڑے ۔ شیخ نے عالم ہوش میں اسی طرح ایک چپت مارا اور وہی لفظ کہا جو عالم غائب میں کہا تھا ۔ اس کے بعد سے حضرت نجم الدین کبریؒ فرماتے ہیں کہ میرے دل کی بیماری مطلقاً چلی گئی اور پھر کبھی خیالات فاسدہ دماغ میں نہیں آئے ۔"

نفحات الانس[1] میں ایک واقعہ لکھا ہے جس سے "سماع" کے بارے میں روشنی پڑتی ہے ۔ لکھا ہے کہ حضرت نجم الدین کبریؒ سفر کرتے ہوئے خورستان میں پہنچے وہاں بیمار ہو گئے ۔ بیماری کے باعث وہاں کوئی ان کو اپنے یہاں ٹھہرانے کا روادار نہیں ہوا تو وہ بہت پریشان ہوئے ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو ایک بیمار کو ٹھہرنے دے ۔ اس شخص نے کہا کہ یہاں ایک شخص کی خانقاہ ہے وہاں تم کو پناہ ملے گی ۔ حضرت نجم الدین کبریؒ نے

---

[1] نفحات الانس صفحہ ۳۷۷

شیخ کا نام پوچھا تو اس شخص نے بتایا کہ ان کا نام شیخ اسمٰعیل قصری ہے حضرت نجم الدین کبریٰ اس خانقاہ میں گئے۔ شیخ نے بڑی شفقت سے ان کو اپنے یہاں ٹھہرایا۔ وہاں حضرت نجم الدین کبریٰ کی بیماری طویل ہوئی۔ حضرت نجم الدین کبریٰ کو اپنی بیماری سے اتنی تکلیف نہیں پہنچ رہی تھی۔ جتنی وہاں مشائخ کے مجلس سماع سے کیونکہ اس وقت تک حضرت نجم الدین کبریٰ کو "سماع" سے سخت نفرت تھی۔ ایک روز مشائخ کی مجلس سماع جمی ہوئی تھی۔ اسی وقت شیخ اسمٰعیل قصریؒ حضرت نجم الدین کبریٰ کے سرہانے پہنچے اور فرمایا اٹھنا چاہتے ہو۔ انہوں نے کہا "ہاں" فوراً انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا لیا اور معانقہ فرمایا اور پھر مجلس سماع میں ان کو ساتھ لیکر چلے گئے اور پوری توجہ دینے کے بعد تھوڑی دیر دیوار کے سہارے کھڑا کر دیا ان پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب آپے میں آئے تو دل کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔ صبح کے وقت شیخ اسمٰعیل قصریؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور ان سے علوم باطنی کی تحصیل و تکمیل کرنے لگے۔

نفحات الانس کے اس واقعہ سے حضرت اسمٰعیل قصریؒ سے ملاقات کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نجم الدین کبریٰ حضرت اسمٰعیل قصریؒ سے ارادت حاصل کرنے کے بعد سماع کے قائل ہو گئے تھے۔ اور فردوسیوں کے یہاں "سماع" حضرت نجم الدین کبریٰؒ ہی سے شروع ہوا۔ مولف بزم صوفیا جناب صباح الدین عبدالرحمن صاحب نے حضرت مخدوم الملک کے

یشیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کی سوانح حیات کے سلسلے میں ایک جگہ
لکھا ہے کہ جب مخدوم الملک حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے ملنے کے بعد
واپس ہونے لگے اور انہوں نے حسرت کے ساتھ یہ کہہ کر " بسیار غنیمت
ولیکن نصیب ما نیست " رخصت کیا تو پان بڑھاتے ہوئے فرمایا تھا فقیر ولے کے
یہاں سے خالی نہ جاؤ سماع لیتے جاؤ ۔ " اس ٹکڑے سے غلط فہمی پیدا
ہوتی ہے جیسے فردوسیہ سلسلے نے " سماع " چشتیوں سے لیا ہو ۔ حالانکہ تاریخ
کی روشنی میں ایسا نہیں ہے ۔ بعض لوگ اس جملے کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ
فردوسیوں کے یہاں سماع ہوتے ہوئے بھی حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے
اپنے سلسلے کا سب سے محبوب تحفہ رخصت کرنے کے وقت مخدوم الملک کو دیا ہو
ایسا ممکن ہے ۔

حضرت نجم الدین کبریٰؒ کو " ولی تراش " اس لئے کہتے ہیں کہ کثرت
عبادت و ریاضت سے آپ کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ جس پر نظر ڈالتے تھے
وہی ولی ہو جاتا تھا ۔ چنانچہ خزینۃ الاصفیا میں اس طرح کے کئی واقعات
مذکور ہیں ۔ ایک مرتبہ ایک سوداگر آپ کی خانقاہ میں آیا اس وقت آپ
ایک خاص عالم میں تھے ۔ جیسے ہی نظر اس سوداگر پر پڑی وہ ولی کامل ہو گیا
اور اپنا سارا مال و متاع خیرات کر کے فقر کی دنیا میں شامل ہو گیا ۔ حضرت
نجم الدین کبریٰ نے پوچھا کس ملک سے آرہے ہو؟ اس نے اپنے شہر کا نام بتایا ۔

آپ نے اس کو بیعت کے بعد خلافت اور اجازت دیکر اسی شہر کو روانہ کردیا
کہ وہاں جا کر خدمت خلق کرے۔ ایک اور واقعہ اسی طرح کا تقریبًا تمام
تذکروں نے لکھا ہے کہ ایک[1] مرتبہ آپ اپنے مخصوص حال میں تھے کہ اسوقت
ایک کتا سامنے سے گزرا آپ کی نظر اس پر پڑی اور اس کی کیفیت ہی بدل گئی
اور اس میں تمام شان بزرگی اور برتری کی پیدا ہوگئی۔ مولانا رومؒ نے اپنی مثنوی
میں بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے؛ ؎

یک نظر فرما کہ مستغنی شوم ز ابنائے جنس

سگ چو شد منظور نجم الدین سگاں را سرور است

خزینۃ[2] الاصفیا میں حضرت نجم الدین کبریٰ کے پہلے پہل دنیائے فقر و
تصوف میں آنے کا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ ایک روز شیخ محی السنۃ کے
حلقہ تلامذہ میں بیٹھے حضرت نجم الدین کبریٰ شرح السنۃ کا درس لے رہے تھے
کہ یکایک ایک فقیر وہاں پر پہنچے ان کو دیکھتے ہی حضرت نجم الدین کبریٰ کی عجب
حالت ہوگئی۔ جب وہ گئے تو انھوں نے پوچھا کہ وہ کون تھے؟ لوگوں نے
بتایا کہ وہ بابا فرج تبریزی تھے۔ رات تو جوں توں کٹی، صبح سویرے حضرت
نجم الدین کبریٰ بابا فرج کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت بابا فرج کے اوپر
خاص کیفیت ظاہر ہوئی اور جو کپڑا کہ وہ پہنے ہوئے تھے خود بخود پھٹ گیا۔

---

[1] خزینۃ الاصفیا صفحہ ۲۵۹ [2] ، صفحہ ۲۶۰

تھوڑی دیر کے بعد جب وہ اپنی اصلی حالت میں آئے تو انہوں نے اپنا لباس
اتار کر حضرت نجم الدین کبریٰ کو پہنا دیا اور فرمایا کہ "حالا ترا وقت دفتر خواندن
نہ ماندہ بلکہ وقت آن است کہ سر دفتر تمام عالم شوی۔" اس لباس کو پہنتے
ہی حضرت نجم الدین کبریٰ اپنے استاد سے پڑھنے کیلئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے
پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ بابا فرح پھر وہاں پہنچے اور فرمایا کل تم مراتب
علم الیقین سے آگے گذر چکے اور آج پھر علوم ظاہری ہی کے حصول میں
مشغول ہو۔" ان کی ہدایت کے مطابق حضرت نجم الدین کبریٰ نے پڑھنا
چھوڑ دیا لیکن ایک دوسری کتاب جس کو وہ لکھ رہے تھے اس کو لکھنا
نہ چھوڑا۔ ایک مرتبہ لکھ رہے تھے کہ پھر بابا فرح پہنچے اور فرمایا "شیطان نے
تمہارا پیچھا نہیں چھوڑا ہے تم اب ان ظاہری علوم کا لکھنا پڑھنا چھوڑ کر
یکسر علوم باطنی میں غرق ہو جاؤ۔ تم اسی کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔" اس کے بعد
حضرت نجم الدین کبریٰ کی دنیا ہی بدل گئی اور دوات قلم کو پھینک کر مرشد کامل
کی تلاش میں نکل پڑے۔

آپ کی شہادت چنگیز خان کے ہاتھ سے ساٹھ سال سے زیادہ کی
عمر میں ۱۰ جمادی الاول سنہ ۶۱۸ھ کو واقع ہوئی۔

شہادت کا واقعہ تقریباً سب ہی تذکروں نے تفصیل سے لکھا ہے۔
خزینۃ الاصفیا میں لکھا ہے کہ جب چنگیز خان کا لشکر خوارزم میں داخل ہو گیا

تو آپ نے اپنے تمام احباب اور مریدان کو بلا کر فرمایا کہ تم لوگ اپنے اپنے شہر کو جاؤ کیونکہ مشرق سے ایک ایسی آگ اٹھی ہے جو مغرب تک ساری کائنات کو خاکستر کر دے گی۔ حلقہ بگوشوں نے عرض کیا تو پھر حضرت بھی ساتھ چلیں آپ نے فرمایا میری شہادت اس ہنگامہ میں مقدر ہو چکی ہے۔ اور اس کے بعد جو لوگ رہ گئے تھے ان کو جہاد کیلئے تیار ہونے کا حکم دیا اور خود ایک نیزہ لے کر اور کچھ سنگریزے جھولے میں بھر کر کفار سے مقابلے کے لئے سامنے آ گئے اور لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ لڑائی کے دوران میں بقول مولف خزینۃ الاصفیا دشمن کا کاکل ہاتھ میں آگیا تو پھر وہ کسی طرح نہ چھوٹا۔ یہاں تک کہ اس کو تراشا گیا۔ مناقب الاصفیا نے کاکل کی بجائے دشمن کا پرچم لکھا ہے حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ نے ایک رباعی میں اس واقعہ کو یوں منظوم کیا ہے :؎

ما ازاں محتشانیم کہ ساغر گیرند ۔۔۔ نہ ازاں مفلسگان کان بزلاغر گیرند

بہ یکے دست مئے خالص ایمان نوشند ۔۔۔ بہ یکے دست دگر پرچم کافر گیرند

آپ کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان میں شیخ مجد الدین بغدادیؒ، شیخ سعد الدین حمویؒ، بابا کمال جنیدیؒ، شیخ رضی الدین علی لالاؒ، شیخ سیف الدین باخرزیؒ، شیخ نجم الدین رازیؒ،

ملہ خزینۃ الاصفیا صفحہ ۲۶

شیخ جمال الدین کیلیؒ اور مولانا بہاءالدینؒ آپ کے جید خلفا اور گرامی مریدوں میں گزرے ہیں۔

تبصرہ اور رسالہ آپ کی دو مشہور تصانیف ہیں۔جن میں شریعت اور معرفت کے بڑے بڑے اسرار سربستہ اور نکتہائے دقیق پیش کر کے قلب کو سکون بخشا ہے۔ سلوک طریق پر بحث فرماتے ہوئے آپ نے اپنی مشہور تصنیف رسالہ میں لکھا ہے کہ :۔

طریق الی اللہ کی تعداد بیشمار ہیں لیکن ان کو تین قسم میں محصور کیا جا سکتا ہے۔ پہلا طریق ارباب معاملات کا ہے یعنی جو لوگ کہ بکثرت روزہ نماز اور حج و تلاوت قرآن اور جہاد وغیرہ اعمال ظاہری بجالاتے ہیں۔ یہ راستہ اخیار کا ہے اور اس راستہ سے تھوڑے لوگ بہت مدت میں پہنچتے ہیں۔ دوسرا راستہ اہل مجاہدہ اور ریاضت کا ہے جو درستی اخلاق تزکیہ نفس تصفیہ قلب اور روح کے روشن کرنے اور باطن کے تیار کرنے میں مشغول ہوتے ہیں۔ یہ راستہ ابرار کا ہے اور بہ نسبت پہلے گروہ کے اس راستہ سے زیادہ لوگ پہنچتے ہیں مگر یہ لوگ نادر ہیں۔ جیسے کہ ابن منصور نے ابراہیم خواص سے دریافت کیا کہ تم کس مقام کی سیر کر رہے ہو انہوں نے کہا کہ میں تیس برس سے مقام توکل کی ہوا کھا رہا ہوں ابن منصور نے کہا افسوس تم نے اپنی عمر تعمیر باطن ہی میں برباد کر دی

پھر فنا فی اللہ کب حاصل کروگے ۔ تیسرا طریقہ خدا کی طرف جانے والوں اور خدا کے ساتھ پاک ہونے والوں کا ہے ۔ یہ ان لوگوں سے زیادہ ہیں جو انتہا میں واصل ہوتے ہیں یہ پسندیدہ راستہ موت ارادی پر مبنی ہے حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اپنے مرنے سے پہلے مرجاؤ" ۔ یہ طریقہ دس اصول پر موقوف ہے۔

(۱) پہلا توبہ ہے یعنی بالارادہ خدا کی طرف رجوع ہونا جیسے کہ موت رجوع بغیر ارادہ ہے ۔ خداوند تعالیٰ ارواح سے خطاب فرماتا ہے یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃً مرضیۃ (یعنی اے روح اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرجا) توبہ سے یہ مطلب ہے کہ گناہوں یعنی دنیا و آخرت کے مراتب سے جو حجاب ہیں باہر آجائے ۔ (۲) دوسرا زہد ہے یعنی دنیا وی اسباب مال وجاہ اور تمام خواہشات تھوڑی ہوں یا بہت باز آجانا جیسے موت کے وقت انسان ان سب سے جدا ہوجاتا ہے ۔ اور زہد کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں کو ترک کردے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اہل آخرت پر دنیا اور اہل دنیا پر آخرت حرام ہے (۳) تیسرا توکل ہے یعنی خدا پر بھروسہ کرنا اور تمام اسباب و کسب کو خدا کے اعتماد پر چھوڑ دینا جیسے کہ موت کے ساتھ تمام باتیں چھوٹ جاتی ہیں

اور جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے خدا اس کو کافی ہوتا ہے ۔

(۴) چوتھا قناعت ہے یعنی تمام شہوات نفسانیہ اور لذات حیوانیہ سے اس طرح جدا ہو جانا چاہئے جیسے موت کے ساتھ جدا ہوتے ہیں۔ ضروریات انسانی پر اکتفا کر کے کھانے اور کپڑے وغیرہ کی فضول خرچی کو چھوڑ دینا ۔

(۵) پانچواں عزلت ہے یعنی لوگوں سے باختیار خود بغیر کسی قسم کی مجبوری کے علحدہ ہو جانا اس طرح کہ گویا مر کر جدا ہو گیا ہے اور مرشد جو اسکو تربیت کرنے اور خدا سے ملانے والا ہے اسی کے آگے اس طرح بے اختیار ہو جانا جس طرح میت نہلانے والے کے اختیار میں ہوتا ہے نہلانے والا جس طرح چاہے اس کو الٹ پلٹ کرے اسی طرح مرشد بھی مرید کو ولائت کے پانی سے نہلا کر خدا سے بیگانگی کی ناپاکی اور حدوث کے میل کچیل سے پاک کر دیتا ہے ۔ عزلت کا اصل اصول یہ ہے کہ خلوت میں بیٹھ کر اپنے حواس دنیاوی باتوں سے بند کر لے کیونکہ روح کو تمام آفت حواس خمسہ ہی کے ذریعہ سے پہنچتی ہے اور نفس قوی ہو کر روح کو اسفل السافلین میں ڈھکیل دیتا ہے اور اس پر غالب ہو جاتا ہے جب حواس کو بند کیا گیا تو گویا نفس محاصرہ میں آگیا ۔

(۶) چھٹا ذکر کی پابندی ہے یعنی خدا کو یاد رکھنا اور باقی سب کو بھول جانا - خدا فرماتا ہے ، ﴿ واذکر ربک اذا نسیت ﴾ (یعنی خدا کو یاد کر جب اس کے سوا سب کو بھول جائے) جیسے کہ موت کے ساتھ اور یہ ارشاد فاذکرونی اذکرکم کے مطابق ذاکر مذکور سے بدل جاتا ہے - ذاکر ذکر میں فنا ہو کر مذکور باقی رہتا ہے اور ذاکر کا خلیفہ ہوتا ہے - جب تم ذاکر کو طلب کرو تو مذکور کو پاؤ گے - اور جب تم مذکور کو طلب کرو تو ذاکر کو پاؤ گے - جب تم نے اس کو دیکھا تو گویا مجھ کو دیکھا اور جب مجھ کو دیکھا تو گویا اس کو دیکھا -

(۷) ساتواں طریقہ یہ ہے کہ ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہو جائے اور غیر خدا کی طرف مشغول کرنے والی ہر اک بات سے علحدگی اختیار کرے جیسا کہ موت کے ساتھ ہوتا ہے یہاں تک کہ بجز خدا کے اس کا نہ کوئی مقصد ہو نہ طلب ہو نہ مطلوب نہ محبوب - اگر تمام موجودات اور انبیاء مرسلین کے مقامات اس کے سامنے پیش کئے جائیں تو یہ ان کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھے - اور خدا سے ایک لحظہ غافل نہ رہے - حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اگر خدا کا دوست ہزار سال یاد خدا میں رہے پھر ایک لحظہ غافل ہو جائے تو ہزار سال کے فائدے سے ایک لحظہ نقصان زیادہ ہے -

(۸) آٹھواں طریقہ صبر ہے یعنی ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ نفسانی لذتوں کو چھوڑنا جیسے کہ موت سے چھوٹ جاتی ہیں۔ اور تمام خواہشوں کو سر کر کے اس پر ثابت قدم رہنا تاکہ قلب میں صفائی اور روح میں روشنی پیدا ہو۔ خداوند تعالےٰ ایسے ہی لوگوں کی شان میں فرماتا ہے:۔ جعلنا هم ائمة یهدون بامرنا

(۹) نواں طریقہ مراقبہ ہے یعنی اپنی قوت و طاقت کے دائرہ سے نکل کر خداوند تعالیٰ کی بخشش و عنایت کا منتظر ہو جانا اور اپنے تمام اوصاف و احوال سے بیزار ہو کر اسی کی ملاقات کا مشتاق اور اسی کے خیال میں مستغرق رہنا۔ جان و دل اسی کی طرف بیقرار رہے ہے اس سے مدد مانگے اور اسی سے فریاد کرے یہاں تک کہ خدا اس پر اپنی رحمت کا دروازہ کشادہ فرمائے جس کو کوئی بند نہیں کر سکتا۔ اور عذاب کا دروازہ بند کر دے جس کا کوئی کھولنے والا نہیں ہے۔ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کی نیکی اور زیادہ ہے۔ یہ زیادتی ہی خدا کی مہربانی ہے۔ اور یہی اس کا فضل ہے جس کو وہ چاہتا ہے دیتا ہے۔

(۱۰) دسواں طریقہ رضا ہے یعنی اپنے نفس کی رضامندی و خوشنودی کو جدا ہو کر خدا کی رضامندی اور خوشنودی میں داخل ہونا اور ازلی تقدیر پر راضی ہو جانا اور کچھ چون و چرا نہ کرنا جیسے کہ مرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔

قول ہے کہ میں نے اپنے کام اپنے محبوب کو سونپ دیئے ہیں چاہے وہ مجھے زندہ رکھے اور چاہے مار دے جو شخص اپنے اوصاف ظلماتی سے موت ارادی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی عنایت کے نور سے زندہ کرتا ہے۔ چنانچہ اس کا فرمان ہے کہ جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اسکو روشنی عنایت کی جس کے ساتھ وہ لوگوں میں راستہ چلنے لگا۔

رسالہ معارف بابت مئی ۱۹۵۱ء میں آپ کی دو رباعیاں بھی ایک مضمون کے سلسلے میں منقول ہیں۔ وہ اس جگہ درج ذیل کی جاتی ہیں۔ ؎

قلاش و سیہ گلیم و عاشق بودن
مے خوار و بت پرست و فاسق بودن
در کنج خرابات موافق بودن
بہ زانکہ بخرقہ در منافق بودن

دنیا طلبند ز حرص مستند ہمہ
موسیٰ کش و گوسالہ پرستند ہمہ
ہر عہد کہ با خدائے بستند ہمہ
از بہر درست ار شکستند ہمہ

فصل دوم

"حضرت سیف الدین باخرزیؒ"

شیخ سیف الدین باخرزیؒ حضرت نجم الدین کبریؒ کے مخصوص اور محبوب مریدوں میں تھے۔ مشہور ہے کہ جب آپ حضرت نجم الدین کبریؒ کے حلقہ بیعت میں شامل ہوئے تو حضرت نے آپ کو اربعین میں بٹھلا دیا لیکن دوسرے اربعین میں خود ہی ضبط کا یارا نہ رہا اور بے تابانہ اپنے محبوب مرید کے درِ خلوت پر پہنچ کر آواز دیا کہ اے سیف الدین : ؎

منم عاشق مرا غم ساز وار است　　　تو معشوقے ترا با غم چہ کار است

اور پھر ہاتھ پکڑ کر باہر نکالا اور کچھ روز کے بعد بخارا میں عوام کی خدمت کیلئے متعین کیا۔

شیخ سیف الدین باخرزیؒ امام روزگار اور شیخ نامدار میں سے تھے

سلسلہ چشتیہ اور سہروردیہ کے مشائخ ان کی عظمت اور تقدس کے بہت زیادہ معترف تھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیشتر حالات آپ کے حضرت نظام الدین اولیاء، بابا قطب الدین بختیار کاکی، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی، جیسے مشائخ کے توسط سے معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کی عظمت کی سب سے بڑی یادگار چنگیز کی اولاد بادشاہ خدابندہ کا آپ کے دست مبارک پر اسلام لانا ہے ع

"پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے"

اور اس پر سلسلہ فردوسیہ جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ راحت القلوب ملفوظ شیخ نصیر الدین محمودؒ کے حوالہ سے یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ ایک رات مغل بادشاہ خدابندہ نے شیخ سیف الدین باخرزیؒ کو سبز جبہ اور مصری دستار میں ملبوس خواب میں دیکھا کہ وہ اسے اسلام کی تلقین کر رہے ہیں اور ان کے کہنے پر وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ پھر اس واقعہ کو اس نے اپنی ملکہ سے کہا وہ بھی مسلمان ہو گئی۔ پھر اس نے اپنے ارکان دولت، عمائدین سلطنت اور لشکر سے ذکر کیا اور اللہ کے حکم سے سب ہی ایمان لے آئے۔ اس کے بعد اس نے شیخ سیف الدین باخرزیؒ کی خدمت میں اپنا خاص سفیر بھیجا اور اپنے خواب کے واقعات کو بیان کرتے ہوئے آستانہ پر حاضری کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت دیدی اور وہ بخارا کے لئے روانہ ہوا۔ جب بخارا کے قریب پہنچا تو

یشخ کو خبر کرائی۔ شیخ نے اس سے کہلا بھیجا کہ اپنے لشکر و حشم کو چھوڑ کر چند نفر
سواروں کے ساتھ پہلے وہ خود آئے پھر بعد میں اس کا لشکر بخارا میں داخل ہو
اس نے ویسا ہی کیا۔ جب خانقاہ کے دروازہ پر پہنچا تو اس نے پھر باریابی کی اجازت
طلب کی۔ آپ نے اپنے ایک مرید کو حکم دیا کہ فلاں سبز جبہ اور دستار مصری اٹھا کر
لاؤ کہ کپڑا تبدیل کر لیا جائے۔ مرید نے تعجب سے عرض کیا "حضرت ایک
مغل بادشاہ خدابندہ کے لئے آپ اس قدر اہتمام فرما رہے ہیں"۔ حضرت
سیف الدین باخرزی نے جواب دیا کہ "یہ صرف اس لئے کر رہا ہوں کہ اس نے
مجھے خواب میں اسی لباس میں دیکھا تھا۔ میرے اس تبدیل لباس سے اسکے
ایمان میں پختگی آجائے گی۔" چنانچہ بادشاہ خدابندہ حاضر ہو کر قدمبوس ہوا
آپ نے اس کو ایمان افروز ہدایات اور نصائح سے نوازا۔ تین روز خدمت
اقدس میں رہکر وہ واپس ہوا اور پھر لشکریوں کا تانتا بندھ گیا۔ گروہ در گروہ
مغل لشکری آتے اور مشرف باسلام ہو کر جاتے۔

حضرت سیف الدین باخرزی کے مرید ہونے کا واقعہ مناقب الاصفیا
اور دوسرے تذکروں نے بھی لکھا ہے کہ وہ ابتدا میں صوفیا کے بڑے سخت
مخالف تھے۔ اور چونکہ وہ جادو بیان واعظ اور علوم ظاہری میں بہت ممتاز
اور مشہور تھے۔ آپ کے مجلس وعظ میں عوام کا بہت بڑا مجمع ہوتا تھا۔ اور اس
مجلس میں وہ صوفیا کو برا بھلا کہتے تھے۔ حضرت نجم الدین کبریٰ کو اس کی خبر ہوئی

تو ایک مرتبہ خود شیخ سیف الدین باخرزیؒ کے مجلس وعظ میں شریک ہوئے۔ شیخ سیف الدین باخرزیؒ مجمع حاضرین میں حضرت نجم الدین کبریٰؒ کو دیکھ کر اور بھی برا بھلا کہنے لگے۔ حضرت نجم الدین کبریٰؒ سنتے رہے اور موقع موقع سے ان کو آفرین اور احسنت کہتے رہے۔ مجلس وعظ ختم ہوا ادھر جیسے ہی حضرت نجم الدین کبریٰؒ مجلس سے باہر نکلے اور اُدھر شیخ سیف الدین باخرزیؒ کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔ حضرت "ولی نزاش" کی ایک ہی نظر کیمیا اثر نے مولانا اور واعظ سیف الدین باخرزیؒ کو صوفی باخرزیؒ بنا دیا تھا۔ دوڑ کر حضرت نجم الدین کبریٰؒ کے قدموں سے جا لپٹے۔

مولف مناقب الاصفیا نے دلیل العارفین ملفوظ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ اپنے پیر خواجہ معین الدین چشتیؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ سمیار کا روز تھا یکایک وہاں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، خواجہ اجل سروریؒ اور شیخ سیف الدین باخرزیؒ تینوں مشائخ ملاقات کی غرض سے تشریف لائے۔ گفتگو محبت کی صداقت پر چھڑ گئی۔ یعنی محبت میں صادق کس کو کہنا چاہئیے

[۱] خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا کہ محبت میں صادق وہ ہے کہ جب اس پر مصیبت اور تکلیف محبوب کی طرف سے آئے تو اس کو خوشی اور رضا و رغبت سے قبول کرے

---

[۱] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۱۵

پھر شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا کہ محبت میں صادق وہ ہے کہ عالم شوق اور اشتیاق میں اگر اس کے سر پر آرہ بھی چل جائے تو اس کو خبر نہ ہو۔ اور وہ نہ کہہ سکے کہ یہ کدھر سے ہے۔ پھر خواجہ اجل سنجریؒ نے فرمایا کہ محبت میں صادق وہ کہے جانے کا مستحق ہے کہ اگر اس کو اذیت دیکر مارا جائے بلکہ جلا کر خاکستر کر دیا جائے تب بھی وہ اُف نہ کرے۔ اور خاموش رہے۔ آخر میں شیخ سیف الدین، باخرزیؒ نے فرمایا کہ محبت میں صادق اس کو کہنا چاہیئے کہ اگر اس پر رنج و مصیبت آئے تو وہ مشاہدہ دوست میں اس تکلیف کو بھول جائے۔ اور کچھ بھی متاثر نہو۔ یہ سن کر خواجہ معین الدین چشتیؒ نے فرمایا کہ "سیف الدین باخرزیؒ نے سچ کہا کیونکہ اثارالاولیا میں میری نظر سے گذرا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رابعہ بصریؒ خواجہ حسن بصریؒ، مالک دینارؒ اور خواجہ شفیق بلخیؒ بیٹھے صدق اور محبت مولیٰ پر گفتگو کر رہے تھے تو حضرت رابعہ بصری رضی اللہ عنہا نے یہی فرمایا تھا کہ محبت میں صادق وہ ہے کہ جب اس پر مصیبت آئے تو مشاہدہ دوست میں اسکو بھول جائے۔ اس لئے شیخ سیف الدین کے قول پر میرا بھی اتفاق ہے۔"

خیر المجالس کے حوالہ سے مناقب الاصفیا[1] میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ اپنے مریدوں کے حلقے میں وعظ کہہ رہے تھے کہ ناگاہ ممبر کے اوپر چھت کے قریب ایک سانپ برآمد ہوا اور پھن چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۱۶

حاضرین میں سانپ کو دیکھ کر کھلبلی پیدا ہو گئی ۔ شیخ سیف الدین باخرزیؒ نے کھلبلی کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا سانپ نکلا ہے ۔ آپ نے نہایت طمانیت کیساتھ فرمایا اس کو نہ چھیڑو وہ بھی وعظ اور خدا کا کلام سننے کیلئے آیا ہے ۔ چنانچہ یہی ہوا جب تک وعظ ہوتا رہا سانپ وہیں پر سر اٹھائے بیٹھا رہا وعظ ختم ہوتے ہی سوراخ کے اندر چلا گیا ۔

برہان الاتقیا کے حوالہ سے مناقب الاصفیا[1] میں مذکور ہے کہ ایک شخص حضرت سیف الدین باخرزیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تین سو دینار کا سوال کیا آپ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ تین روٹی اس کے ہاتھ میں دیدو ۔ سائل وہ تین روٹی لیکر واپس ہوا تو راستہ میں ایک شخص نے اس سے پوچھا کہ تم کو شیخ سیف الدین باخرزیؒ سے کیا ملا ۔ اس نے دلگیری کے ساتھ جواب دیا کہ "میں نے تین سو دینار مانگا تھا اور حضرت نے تین روٹی دی ۔" اس آدمی نے کہا تین سو دینار میں دیتا ہوں اس کے عوض میں مجھ کو وہ تین روٹیاں دیدو ۔ اس سائل نے روٹی دے دی اور دینار لے لیا ۔ بدل لینے کے بعد اس آدمی نے کہا "میاں تم نے سستا ہی سودا کیا اور خسارہ میں رہے تم اور زیادہ مانگتے تو میں دیتا ۔"

مناقب الاصفیا[2] میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص شیخ سیف الدین باخرزیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا "حضرت میں مالدار تھا لیکن ان دنوں

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۱۷ و مونس القلوب قلمی صفحہ ۳۶۲ [2] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۱۷

مجھے خسارہ پر خسارہ ہو رہا ہے۔ آپ نے فرمایا جب کسی مسلمان کے مال میں خسارہ ہوتا ہو یا اس کے جسم میں بیماری پیدا ہو تو اسے اس کے ایمان کی درستگی اور مضبوطی پر محمول کرنا چاہیئے۔

مونس القلوب[۱] میں مذکور ہے کہ ایک بار حضرت نظام الدین اولیاؒ کے حضور میں گفتگو اس پر شروع ہوئی کہ درویشوں کا اخلاق کیسا ہونا چاہیئے اور ان کو دشمنوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیئے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ تارانی نام کا ایک بادشاہ تھا جس کو اس کی رعایا نے بغاوت کر کے قتل کر دیا، اور اسکی جگہ پر دوسرے کو بادشاہ بنایا۔ وہ تارانی نامی مقتول بادشاہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ سے حد درجہ عقیدت رکھتا تھا۔ اس نئے بادشاہ کے درباریوں میں ایک ساعی تھا جو شیخ سیف الدین باخرزیؒ سے بلا وجہ دشمنی رکھتا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ بادشاہ کو ورغلایا کہ اگر جہاں پناہ اپنی سلطنت کی بقا چاہتے ہیں تو سیف الدین باخرزیؒ کا کانٹا اپنے راستہ سے دور کیجیئے۔ بادشاہ یہ سن کر متردد ہوا اور اس نے اس ساعی کو متعین کیا کہ حضرت سیف الدین باخرزیؒ کو بلا کر لائے۔ ساعی روانہ ہوا اور شیخ سیف الدینؒ کو بہت ذلت آمیز طور پر گردن میں پگڑی باندھ کر لایا۔ شیخ سیف الدین باخرزیؒ جیسے دربار میں حاضر ہوئے اور بادشاہ کی نظر ان پر پڑی وہ مضطرب ہو کر فوراً تخت سے نیچے اتر آیا

---

[۱] مونس القلوب قلمی صفحہ ۳۶۸

اور ان کو بہت عزت و احترام کے ساتھ اپنے بغل میں لاکر بٹھلایا اور بہت معذرت کی کہ میں نے یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ آپ کو اس طرح لایا جائے اور اسکے بعد ادب کے ساتھ واپس بھیجا۔ دوسرے روز بادشاہ نے اس ساعی کو ہاتھ پیر باندھ کر شیخ سیف الدین باخرزیؒ کی خدمت میں بھیجا کہ اسکی گستاخی کی سزا میں نے موت تجویز کی ہے۔ اب آپ کی خدمت بھیج رہا ہوں کہ اس کو آپ جسطرح چاہیں قتل کریں۔ شیخ سیف الدین باخرزیؒ نے اس ساعی کو دیکھتے ہی سب سے پہلے اس کا ہاتھ پیر کھول کر آزاد کیا اور بڑے شفقت سے اپنا لباس اسکو پہنایا اور اپنے ساتھ مجلس وعظ میں لے گئے۔ اور اس کے ساتھ مہربانی فرماتے رہے ؎

گر دست دہد بجز نکوئی نکنم   آنہا کہ بجائے من بدیہا کردند

راحت القلوب کے حوالہ سے مناقب الاصفیا[1] میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بابا فرید شکر گنجؒ بخارا گئے تو وہاں شیخ سیف الدین باخرزیؒ سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔ ان کی خانقاہ میں پہنچے تو ایک صاحب جلال وجمال بزرگ کو سامنے بیٹھا پایا۔ زمین خدمت کی چومی اور ادب سے بیٹھ گئے شیخ سیف الدین باخرزیؒ بار بار ان کی طرف دیکھتے تھے اور فرماتے تھے "یہ بچہ مشائخ روزگار میں ہوگا اور ایک زمانہ اس کا مرید ہوگا"۔ اور پھر اپنا کالا کمبل جو خود اوڑھے ہوئے تھے ان کو اوڑھا دیا۔ حضرت بابا فرید

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۱۸

شکر گنجؒ فرماتے ہیں کہ میں کئی روز تک ان کی خدمت میں حاضر رہا اور روزانہ ان کی جماعت خانہ میں تقریباً ایک ہزار آدمی کو کھانا کھاتے دیکھا۔ کبھی کبھی اگر اس سے بھی زیادہ آدمی ہو جاتے اور کھانا ختم ہو گیا ہوتا تو حضرت سیف الدین باخرزیؒ اپنے خادم کو ہدایت کرتے کہ لوگوں کو کچھ نہ کچھ دیکر رخصت کرو۔

حضرت نظام الدین اولیاؒ کے حوالہ سے مناقب الاصفیا[1] میں مذکور ہے کہ بخارا میں ایک لڑکا تھا جو آسیبی شکایت میں مبتلا تھا اس کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ ٹھیک شام کی نماز کے وقت اس کو اجنہ اس کے مکان سے لے بھاگتے تھے۔ اور وہیں پر ایک درخت تھا اس پر لٹکا دیتے تھے۔ لڑکے کے والدین نے کوئی دقیقہ اس کی حفاظت کا اٹھا نہ رکھا لیکن سب بے سود آخر بہت پریشان اور عاجز ہو کر وہ لوگ شیخ سیف الدین باخرزیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام ماجرا کہہ سنایا۔ شیخ نے فرمایا کہ اس لڑکے کا سر مونڈ کر یہ کلاہ اس کو پہنا دیا جائے اور اسے ہدایت کر دی جائے کہ اگر پھر آسیب اس پر آئے تو وہ ان لوگوں سے کہدے کہ "میں شیخ سیف الدین باخرزیؒ کا حلقہ بگوش ہو گیا ہوں اور یہ ٹوپی بھی ان ہی سے ملی ہے۔" جب وہ لڑکا گھر واپس آیا تو حسب سابق خراب روحیں پھر اس کے پاس آئیں۔ اس لڑکے نے کلاہ دکھلا کر شیخ کی ہدایت کی مطابق ان سے کہدیا کہ وہ شیخ کے حلقہ بگوشوں میں

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۱۹

داخل ہوگیا ہے۔ یہ سن کر وہ خبیث روحیں بھنّاتی ہوئی بھاگیں کہ کس کمبخت نے میرے شکار کو شیخ تک پہنچا دیا۔

مولانا جامی نے نفحات الانس[۱] میں لکھا ہے کہ کسی مرید نے حضرت نجم الدین کبریٰؒ کی خدمت میں ملک خطا کی ایک جاریہ (کنیز) پیش کی۔ شیخ نے اس کو قبول کر لیا۔ ایک شب کو اپنے حلقہ مریدوں سے حضرت نجم الدین کبریٰؒ نے فرمایا کہ آج کی رات میں لذت مشروعہ میں مشغول رہنا چاہتا ہوں اس لئے معمولات تعلیم و ہدایت میں فرق ہوگا۔ بہتر ہے کہ تم لوگ بھی آج یوم الراحت مناؤ۔ یہ کہہ کر وہ خلوت میں چلے گئے۔ اور مریدان بھی آرام کرنے لگے۔ لیکن حضرت سیف الدین باخرزیؒ بجائے آرام کرنے کے ایک گھڑا پانی بھرا ہوا سر پر لیکر دروازے کے باہر کھڑے ہو گئے اور ویسے ہی گھنٹوں کھڑے رہے پچھلی شب کو جب حضرت نجم الدین کبریٰؒ خلوت سے باہر نکلے تو حضرت سیف الدین باخرزیؒ کو اس حال میں دیکھ کر متعجب ہوئے اور فرمایا تم لوگوں کو آرام کے لئے میں نے اجازت دے دی تھی، یہاں کیا کر رہے ہو حضرت سیف الدین باخرزیؒ نے جواب دیا کہ گھڑا میں پانی بھر کر تیار رکھے ہوئے ہوں کہ شاید آپ کو اس کی ضرورت ہو اور مجھ کو جو آرام اور لذت آپ کے کام میں مشغول رہنے میں نصیب ہوتی ہے وہ کسی فعل میں نہیں

---

[۱] نفحات الانس صفحہ ۳۸۶

حضرت نجم الدین کبریٰؒ نے خوش ہو کر دعا دی اور فرمایا کہ بادشاہان تمہارے گھوڑے کے رکاب کے ساتھ دوڑیں گے - بہت زمانہ گذر گیا ایک مرتبہ حضرت سیف الدین باخرزیؒ کی زیارت کو ایک بادشاہ ان کی خانقاہ میں آیا اور تھوڑی دیر تک پند و نصیحت سننے کے بعد جب وہ جانے لگا تو اس نے ایک گھوڑا شیخ کی خدمت میں نذر کیا اور تمنا ظاہر کی کہ حضور میرے سامنے اس پر سوار ہوں۔ حضرت سیف الدین باخرزیؒ نے اس کی درخواست کو قبول کیا، اور گھوڑے پر سوار ہونے کے لئے تیار ہو گئے لیکن گھوڑے کی شوخی دیکھکر ہچکچائے تو بادشاہ نے خود آگے بڑھ کر رکاب تھام لی اور سوار کرایا اور گھوڑے کو سنبھالنے کے لئے تھوڑی دور تک رکاب تھامے چلتا رہا۔ حضرت سیف الدین باخرزیؒ نے گھوڑے سے اتر کر فرمایا مرشد کی پیشین گوئی پوری ہوئی - اور گھوڑے کی یہ سرکشی اور شوخی محض حضرت کے ارشاد کی تکمیل کیلئے تھی - اور یہ رباعی پڑھی [۵]

ہر شب بہ مثال پاسبان کوئے	می گردم گرد آستان کوئے
باشد کہ برآمدے صنم روز حساب	نامم زجریدۂ سگان کوئے

نفحات الانس [۱] میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیف الدین باخرزیؒ کسی درویش کے جنازے میں شریک تھے۔ حاضرین نے درخواست کی کہ حضرت کچھ تلقین فرمائیں۔ آپ نے میت کے سامنے کھڑے ہو کر یہ رباعی پڑھی:[۵]

---

[۱] نفحات الانس صفحہ ۳۸۶

گر من گنہ جملہ جہاں کردستم   لطف تو امید ست کہ گیرد دستم
گفتی کہ بوقت عجز دستت گیرم   عاجز تر ازیں مخواہ کا کنوں ہستم

مولف مناقب الاصفیا[1] نے فوائد الفواد اور راحت القلوب دونوں ملفوظات کے حوالہ سے آپ کی وفات کا واقعہ اس طرح لکھا ہے،

کہ ایک شب حضرت سیف الدین باخرزیؒ نے اپنے پیر حضرت نجم الدین کبریٰؒ کو خواب میں دیکھا کہ وہ ان کو بلا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اے سیف الدین تمہارا اشتیاق اب بہت زیادہ بڑھ رہا ہے۔ جلد آؤ۔ صبح کو شیخ سیف الدین باخرزیؒ نے اپنے احباب اور حلقہ بگوشوں کو بلا کر فرمایا کہ میرے پیر نے مجھے بلایا ہے میں اب تم لوگوں سے رخصت ہو رہا ہوں: ؎

رختم اے یاران بہ سامان خیر باد   نیست آسان کردن از جان خیر باد

اس کے ایک ہی دو روز بعد شب کو مشعل جل رہی تھی، حلقہ بگوشوں کا اجتماع تھا اور آپ تلاوت کلام پاک میں مشغول تھے۔ تہائی رات گذری ہوگی کہ آپ نے ختم قرآن فرمایا۔ اور پھر قرآن شریف کی تلاوت شروع کرنے والے تھے کہ ایک بزرگ صورت پشمینہ میں ملبوس ایک سیب ہاتھ میں لئے وہاں تشریف لائے اور ادب و تعظیم کے ساتھ وہ سیب شیخ سیف الدین باخرزیؒ کے دست مبارک میں دے دیا۔ شیخ نے اس سیب کو ہاتھ میں لے کر پہلے

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۲۰

اپنے احباب اور دوستوں کو جو وہاں پر حاضر تھے الوداع کہا اور پھر وہ سیب سونگھا اور لیٹ گئے۔ پاک روح اپنے خالق سے جا ملی۔ قطرہ دریا میں ضم ہو گیا: ؎

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

حضرت سیف الدین باخرزیؒ کا وصال تہتر ۷۳ سال کی عمر میں ۶۵۸ھ میں ہوا۔ اس لحاظ سے آپ کا سنہ پیدائش ۵۸۵ھ ہوا۔ آپ کا مقبرہ بخارا میں مرجع خاص و عام ہے۔ مولف خزینۃ الاصفیا نے آپ کی تاریخ رحلت مندرجہ ذیل لکھا ہے: ؎

قاتل کفر شیخ سیف الدین	یافت چوں از جہان جنت بار
کشف انوار شمس انوار ست	سال تاریخ آں شہ ابرار
بار سر دو بگو بہ رحلت او	سیف سیاف ہالک کفار

۶۵۸ھ

حضرت سیف الدین باخرزیؒ باکمال شاعر بھی تھے۔ اور تقریباً اکثر تذکرہ نویسوں نے آپ کا ذکر صوفی اور شاعر دونوں حیثیت سے کیا ہے۔ آپکا کوئی دیوان اس وقت تک میری نظر سے نہیں گذرا حالانکہ اس سلسلے میں حتی الامکان میں نے کوشش بھی کی۔ البتہ رباعیات کا ایک مجموعہ پٹنہ خدا بخش خاں لائبریری میں محفوظ ہے جسے پڑھ کر ان کی شاعرانہ عظمت کا بھی یقین ہو جاتا ہے ـــــ

ان رباعیات میں تصوف کے اکثر دقیق اور اہم مسئلوں کو بہت خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔

مئی ۱۹۵۱ء کے معارف میں جناب بشیر الحق صاحب بسمل دیسنوی نے حضرت سیف الدین باخرزیؒ کی رباعیات پر ایک محققانہ مضمون لکھا ہے جو اس وقت میرے پیش نظر ہے۔

حضرت سیف الدین باخرزیؒ کی بہت رباعیاں عمر خیام کی رباعیات میں مرتبین کی غلطی سے گڈمڈ ہو گئی ہیں۔ بشیر صاحب نے ان کی چھان بین بھی اپنے مضمون میں کی ہے۔ اور نتیجہ میں حضرت سیف الدین باخرزیؒ کی ساٹھ رباعیاں علیحدہ کر کے اپنے مضمون میں درج کی ہیں۔

آپ کی رباعیات میں عشق الٰہی کی بڑی گرمی ہے۔ تاریخ گزیدہ نے ان کی تعریف "سخنان شور انگیز دارد" جیسے جملوں سے کی ہے۔ لیکن اس شورانگیزی کے باوجود سرمستی اور بیخودی کہیں بھی اس حد تک نہیں پائی جاتی جو شریعت کے رو سے قابل گرفت ہو۔ چند رباعیاں بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

ایک جگہ رحمت الٰہی کے بارے میں اپنا عقیدہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ہر ایک شے کیلئے کھلا ہوا ہے۔ اس کے در سے کوئی محروم واپس نہیں جاتا مثلاً :-

ای سرّ تو در سینۂ ہر صاحب راز | پیوستہ در رحمت تو بر ہمہ باز
ہر کس کہ بدرگاہ تو آید بہ نیاز | محروم ز درگاہ تو کے گردد باز

رحمت الٰہی کی طلب کا ایک عجیب و دلکش انداز ملاحظہ ہو :ے

ہستم بحضرت تو مشتے درویش ‏ ‏ غرق گنہ و امید رحمت در پیش
با ما سخنے گوئے کہ چوں گفتہ شود ‏ ‏ آنرا سازی بہانہ رحمت خویش

"عشق الٰہی" اور "قناعت" کا کیسا دل پر نقش ہو جانیوالا سبق اسی رباعی میں دیتے ہیں۔ صبح کو شام کی فکر کرنے والے غلطی پر ہیں اس لئے کہ عشق الٰہی اپنی جگہ پر خود ہر چیز کا ضامن ہے :ے

یک جو از ایام نداریم خوشیم ‏ ‏ گر چاشت بود شام نداریم خوشیم
چوں پختہ بہ ما می رسد از مطبخ خویش ‏ ‏ از کس طمع خام نداریم خوشیم

"عشق الٰہی" میں ایک ایسا مقام بھی آتا ہے جہاں دردِ عشق، ندیم "نالہ عشق، مطرب، غم عشق گزک، خون جگر شراب بن جاتا ہے، اور آنکھوں کی پتلی سے ساقی کا کام لینے لگتے ہیں۔ انداز بیان کی ندرت ملاحظہ ہو

با عشق تو عہد جان با مستا قیست ‏ ‏ مائیم و غم عشق تو با جان باقیست
غم نقل و ندیم درد و مطرب نالہ ‏ ‏ مے خون جگر چشم ساقی ست

عشق" کے غم جانگداز سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس میں لطف ولذت محسوس کرنا اور پھر اس کے متمنی رہنا یہ صرف اللہ والوں ہی کے شایان شان ہے :ے

سبحان اللہ شگرف کارے غم تو ‏ ‏ بر خستہ دلم عظیم بارے غم تو

گفتی کہ غم منت چنیں مجنوں کرد ۔۔۔ آرے غم تو، غم تو آرے غم تو

نہ صرف یہ کہ غم عشق کے غم میں دیدۂ خونبار کے قائل ہیں بلکہ اس کو تنہا اُٹھانے کا شوق بھی رکھتے ہیں۔ اس بار غم میں کسی دوسرے کو شریک کرنا بھی پسند نہیں کرتے :-

از دیدہ سنگ خوں چکاند غم تو ۔۔۔ بیگانہ و آشنا چہ داند غم تو
دم در کشم و ہمہ غمت نوش کنم ۔۔۔ تا از پس من بکس نہ ماند غم تو

عشق الٰہی کا جوش تو دیکھ چکے اب ذرا "خشیت الٰہی" کی شدت بھی ملاحظہ ہو :-

ے دل چہ بود کہ ترک بیداد کنی ۔۔۔ از منزل آخرت یکے یاد کنی
گر نامۂ اعمال ترا بنمائند ۔۔۔ بینی و ہزار آہ و فریاد کنی

اے دل تو دمے مطیع سبحاں نہ شدی ۔۔۔ از خوئے بدت ہیچ پشیماں نہ شدی
درویش شدی و زاہد و دانشمند ۔۔۔ ایں جملہ شدی ولے مسلماں نہ شدی

فسق است و فساد در و ہر روزۂ ما ۔۔۔ پر شد ز حرام کاسۂ و کوزۂ ما
می خندد روزگار می گرید عمر ۔۔۔ بر طاعت و بر نماز و بر روزۂ ما

عمر بسر آمد و گنہ می بینم | سرتا سر نامہ راسیہ می بینم
در مزرعۂ خود نکشتہ ام تخم نکو | کشتم بدر و رسید و کہ می بینم

دل آزاری کو دنیا کا سب سے بڑا گناہ سمجھتے ہیں؛ ے

بے علم و عمل بہشت یزداں مطلب | بے خاتم دین ملک سلیماں مطلب
چوں عاقبت کار فنا خواہد بود | آزار دل ہیچ مسلماں مطلب

منافقت کو کفر سے بھی بدتر قرار دیتے ہیں؛ ے

اے دل اگر بعلی موافق باشی | اندر رہ دین مومن صادق باشی
یا مومن پاک باش یا کافر صدق | کافر باشی بہ کہ منافق باشی

دنیا کو فانی سمجھنے کی تلقین کس کس انداز سے کرتے ہیں۔ انداز بیان میں ایسا زور، ندرت اور خلوص ہے کہ فنائیت کا یقین پورے طور پر ہو جاتا ہے؛ ے

یا قوت پیل مور می باید بود | یا ملک دو کون عور می باید بود
گیرم کہ تو سر فراز عالم شدہ | آخر نہ بزیر گور می باید بود

دنیا گذرانست بہر بیش و کمی | خواہش بہ شادی گذراں خواہ غمی
زیں منزلت البتہ می باید رفت | خواہی بہ ہزار سال و خواہی بہ دمی

افسوس کہ مرغ عشق را دانہ نماند　　امید بہ ہیچ خویش و بیگانہ نماند
دردا و دریغا کہ دریں مدت عمر　　از ہر چہ بہ گفتیم خبر افسانہ نماند

خیام اور حضرت سیف الدین باخرزیؒ کی رباعیات کی طرز ادا میں اتنی ہم رنگی اور تشابہ ہے کہ ان کی اکثر رباعیاں خیام کی رباعیات سے منسوب ہو گئی ہیں ۔ جیسا کہ اس پر تفصیلی بحث جناب بشیر الحق صاحب بیدل نے کی ہے لیکن پھر بھی کمال یہ ہے کہ حضرت سیف الدین باخرزیؒ کی رباعیات میں انکی انفرادیت اور عارفانہ انداز بہت نمایاں ہے ۔ عمر خیام کی ایک رباعی ہے ؎

گویند بہشت و حور عین خواہد بود　　آنجا مے ناب و انگبیں خواہد بود
ما با مے و معشوق ازانیم مقیم　　چوں عاقبت کار ہمیں خواہد بود

خیام کی اس بہ ظاہر رندانہ رباعی کے مقابلہ میں حضرت سیف الدین باخرزیؒ کی عارفانہ رباعی ملاحظہ ہو ؛ ؎

گرچہ زگناہ جست و جو خواہد بود　　آں یار عزیز تند خو خواہد بود
از غیر محض جز نکوئی ناید　　خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود
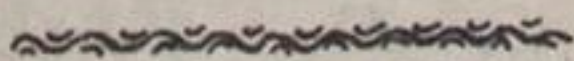
فصل سوم

"حضرت خواجہ بدرالدین سمرقندی فردوسیؒ"

مناقب الاصفیا نے آپ کا تعارف "بدرسماء طریقت، شمس آسمان حقیقت اور مرشد راہ استقامت" جیسے باعظمت جملوں سے کرایا ہے۔ آپ حضرت سیف الدین باخرزیؒ کے خلیفہ اور تربیت یافتہ تھے۔ فردوسیہ سلسلے میں آپ ہی سب سے پہلے وہ بزرگ ہیں جو ہندوستان تشریف لائے۔ اور دہلی میں قیام فرما کر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا۔ آپ تمام علوم ظاہری و باطنی میں کامل تھے۔ آپ جہاں مشائخ عصر میں بہت بلند مقام رکھتے تھے وہاں عالم دین کی حیثیت سے بھی ممتاز تھے۔ آپ کشف و کرامت کے اظہار کے بہت خلاف تھے۔ آپ کا مقولہ تھا "الاستقامۃ کل الکرامۃ" یعنی عبادت و ریاضت میں استقامت ہی سب سے بڑی کرامت اور بزرگی ہے۔

آپ اپنے مریدوں کو ہمیشہ علوم دینی کے تحصیل کی ترغیب اور تاکید فرمایا کرتے تھے آپ کا قول تھا کہ علم کے ساتھ عمل ضروری ہے اور عمل خالصۃً للہ ہونا چاہئیے کیونکہ جس طرح علم بے عمل بیکار ہے اسی طرح عمل بے اخلاص ناقص ہے۔

حضرت بدرالدین سمرقندی فردوسیؒ کے معاصرین میں بڑے بڑے محققان اہل طریقت جیسے شیخ بہاءالدین ذکریا ملتانیؒ، شیخ نجم الدین صغریؒ خواجہ معین الدین چشتیؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ تھے۔ لیکن خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی طرف جو مرجوعہ اور کشش خاص وعام لوگوں کو تھی وہ کسی کو حاصل نہ تھی۔ اس کی وجہ ان کی طرف سے غیر معمولی خوارق عادات کرامات کا ظاہر ہونا تھا۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ اپنے محبوب مرید خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی اس بات سے خوش نہیں تھے۔ اور اس بارے میں ایک دو مرتبہ متنبہ بھی کیا تھا اس دور میں اظہار کشف وکرامت کی عادت عام تھی۔ ہندوستان میں عوام اس درجہ اس کے عادی ہو گئے تھے کہ جب تک کسی شیخ سے اظہار کرامت نہ دیکھتے اسکی بزرگی پر یقین نہیں کرتے گویا کشف وکرامت ہی کو شیخی سمجھتے تھے۔ حضرت بدرالدین سمرقندی فردوسیؒ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے خاص عام لوگوں کے اس ذہنیت کے خلاف آواز بلند کی اور فرمایا کہ دین میں استقامت اور کشف یقین کے ساتھ کرامت ظاہر نہ ہونے دینا ہی حقیقی شیخی ہے آپ کا قول تھا:۔

اگر خدائے تعالیٰ کرامت روزی کردہ باشد واگر کرامت روزی نہ کردہ باشد

وکشف یقین شدہ باشد او بے نیاز است از کرامت ۔ شیخی را کرامت امرے لازم نیست ۔ اگر کرامت باشد باکشف ویقین نیکوست واگر کشف ایقین شدہ باشد وکرامت نہ باشد نیکوتر ۔"

حضرت بدرالدین سمرقندی فردوسیؒ اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہوئے ۔ یعنی آپ نے اس دور کی طلب کرامت ذہینت کے خلاف عوام کا دل استقامت دینی کی طرف مائل کردیا ۔ اور جن لوگوں کو آپ کی صحبت اور خدمت کی سعادت کچھ روز کے لئے بھی حاصل ہوجاتی ان کا دل طلب کرامت سے بالکل خالی ہوجاتا ۔ اور وہ حقیقی کرامت کو سمجھ جاتے ۔

صوفیا اور مشائخ کے یہاں سماع کی بڑی اہمیت ہے مگر سماع کیلئے جو شرائط اور پابندیاں زمان ومکان اور اخوان کی ان مشائخ نے لگادی ہیں وہ ہمیشہ ذہن نشین رکھنے کے لائق ہیں ۔ سماع عشق الٰہی اور معرفت کی ایک کڑی ہے مگر اس کے آداب کی بجاآوری بہت ضروری ہے ۔ برہان الاتقیا کے حوالہ سے حضرت نجم الدین کبریٰؒ کا قول مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا :۔

"صوفی را می شاید کہ در سماع حاضر آید کہ مشائخ سلف جملہ سماع شنیدہ اند ...... ودر سماع سہ چیز نگاہدارد مکان وزمان واخوان مکان باید کہ فراخ باشد ۔ زمان باید کہ در وقت فراغ باشد ۔ واخوان آن کہ ہمہ یکجنس باشند ۔ وصحبت ناجنسان در اے ہمہ عذابہاست ۔"

سماع کے بعد جو حالات دل پر گزرتے ہیں اس کے بارے میں مصنف سیرالاولیاء نے سلطان المشائخ کا قول نقل کیا ہے اور اس کو مصنف احقاق السماع نے بھی پیش کیا ہے کہ:۔

"احوالیکہ در سماع پیدا می شود بر سہ قسم است ۔ انوار و احوال و آثار۔ و آں از سہ عالم نازل می شود۔ و آں سہ عالم ملک و ملکوت و ما بینہما جبروت است۔"

یعنی حالت سماع میں ارواح پر عالم ملکوت سے انوار نازل ہوتے ہیں اس کے بعد جب وہی انوار دل پر بٹنے لگتے ہیں تو اس کو احوال کہتے ہیں جس کا منبع عالم جبروت ہے اس کے بعد برکات ظاہر ہونے لگتے ہیں کہ اس کو آثار کہتے ہیں اور یہ عالم ملک سے ظاہر ہوتا ہے لیکن یہ سب ظرف والوں کیلئے ہے ورنہ مرید ہندی (علامہ اقبال) کے اس استفسار پر :ے

اے امام عاشقان دردمند — یاد ہے مجھ کو ترا حرف بلند
خشک مغز و خشک تار و خشک پوست — از کجا می آید ایں آواز دوست
دور حاضر مست چنگ و بے سرود — بے ثبات و بے یقین و بے حضور
کیا خبر اس کو کہ ہے یہ راز کیا — دوست کیا ہے دوست کی آواز کیا

پیر رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جواب ہے :ے

۱؎ احقاق السماع صہ ۲۳

برسماع راست ہر کس چیز نیست　　طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست

مبنی بر حقیقت ہے۔

حضرت بدرالدین سمرقندی فردوسیؒ بھی سماع کے بہت دلدادہ تھے ایک مرتبہ وہ چنگ کے ساتھ مجلس سماع میں شریک تھے کہ ایک بزرگ جوان سے ملنے آئے تھے چنگ کی آواز سن کر ان کی مجلس سے منغض اٹھ کر دور جا بیٹھے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت بدرالدین سمرقندیؒ کی توجہ اور کیفیت سے وہ بزرگ ایسا متاثر ہوئے کہ بے خودی اور سرشاری کے عالم میں اُٹھے اور نہ صرف شیخ کی مجلس سماع میں شریک ہوئے بلکہ اپنی دستار کو عالم کیف میں چنگ کے اوپر رکھدیا۔ غرض یہ کہ سماع ایسا ہونا چاہئیے کہ اس کے ذوق کی برکت سے دوسرے کو ذوق حاصل ہو۔

خواجہ بدرالدین سمرقندی فردوسیؒ اپنی روش کے لحاظ سے مشائخ ہند میں ممتاز تھے کیونکہ ان کے ہم عصر مشائخ کچھ ارباب معاملہ تھے اور کچھ اصحاب ریاضت و مجاہدات تھے لیکن حضرت بدرالدین سمرقندیؒ شطار محبان حق کے طریقہ پر گام زن تھے اور "موتوا قبل ان تموتوا" پر عمل پیرا تھے۔ اور بقول مصنف مناقب الاصفیا اس پر گام زن ہونا بڑی شیر مردی کا کام ہے کیوں کہ طالبان مراد درجات و کرامات کے برخلاف طالبان کریم و اہل برخاست اور نامرادیں شامل ہو جانا آسان کام نہیں ہے: ؎

کفر کافر را و دین دیندار را ذرۂ دردے دل عطار را

آپ نے بہت طویل عمر پائی۔ آپ کا وصال سات سو سولہ ہجری ۷۱۶ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار اقدس موضع سنگولہ میں ہے۔ مولف خزینۃ الاصفیا نے آپ کا تاریخ وفات مندرجہ ذیل لکھا ہے:

شیخ بدرالدین سمرقندی ولی شد چو روشن از جہان اندر جہان
وصلش عالی قدر بدرالدین بگو ہم ولی بدر سمرقندی بخوان

۷۱۶
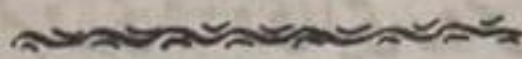
فصل چہارم

"حضرت خواجہ رکن الدین فردوسیؒ"

صاحب مناقب الاصفیا نے آپ کو " مجذوب سالک راہ مکمل مجذوبان سائر طریق شطار از مجبان، رکن طریقت و شریعت اور صاحب فیض چوں فیض روشنی " جیسے شاندار جملوں سے یاد فرمایا ہے۔ آپ کے والد ماجد شیخ عماد الدینؒ فردوسیؒ بھی اپنے وقت کے ممتاز مشائخ میں تھے۔ سید امیر خورد آپ کے علاقی نانا تھے۔

حضرت خواجہ رکن الدین فردوسیؒ حضرت بدر الدین سمرقندیؒ کے بہت چہیتے شاگرد، مرید اور خلیفہ تھے۔ صغر سنی ہی سے آپ نے اپنے پیر کے آغوش عاطفت میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اس کے بارے میں ایک واقعہ مشہور ہے کہ خواجہ بدر الدین فردوسیؒ نے سید السادات سید امیر خورد ساکن نوہنشہ کو ایک رات

خواب میں دیکھا کہ وہ ایک لڑکے کو آپ کی گود میں دے رہے ہیں۔ سید امیر خورد اپنے وقت کے بڑے جلیل القدر مشائخ میں تھے۔ خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ نے صبح کو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس خواب کا ذکر کیا۔ سید صاحب نے فرمایا "کچھ دنوں کے بعد اس کی تعبیر تمہارے سامنے ہی آجائے گی"۔ کچھ ہی روز کے بعد سید امیر خورد کی خانقاہ میں شیخ عمادالدین فردوسیؒ اپنے دو لڑکوں شیخ نظام الدین اور شیخ رکن الدین کے ساتھ پہنچے۔ سید صاحب نے بڑی عزت و اکرام کے ساتھ ان لوگوں کی پذیرائی کی اور اپنی برادری میں خبر کیا کہ اپنی لڑکی کی کتخدائی کے لئے ہمیں جس کا انتظار تھا وہ آپہنچا۔ اور سب لوگوں کی موجودگی میں اپنی لڑکی شیخ عمادالدین کے قبالہ مناکحت میں دے دی۔ عقد کے بعد شیخ عمادالدین کے بڑے صاحبزادے شیخ نظام الدین جو جوان تھے باپ کی اجازت سے عازم سفر ہوئے چھوٹے صاحبزادے شیخ رکن الدین جو بہت صغیر سن تھے باپ کے ساتھ رہے۔ ایک روز شیخ عمادالدین اپنے لڑکے کو دیکھ کر آب دیدہ ہوئے تو سید امیر خورد نے رونے کا سبب پوچھا۔ شیخ عمادالدین نے فرمایا مجھے اس خیال پر رقت ہوئی کہ جوان ہو کر یہ لڑکا بھی اپنے بھائی کی طرح مجھ سے دور ہو جائے گا۔ اور اسکی ماں نے مرنے کے وقت وصیت کیا تھا کہ اسکو اپنی نظر سے جدا نہ کرنا۔ سید امیر خورد نے تشفی دیتے ہوئے کہا کہ خاطر جمع رہو یہ تم سے دور نہیں ہوگا۔ اور اسکی تعلیم و تربیت ایک ایسے شخص کے ذریعہ مقدر ہے جو تم سے بہتر ہے،

اس کے بعد سید امیر خوردنے خواجہ بدرالدین سمرقندی کو بلا کر فرمایا کہ جس لڑکے کو
تم نے خواب میں دیکھا تھا وہ موجود ہے اور میں اُسے تمہارے آغوش عاطفت
میں تعلیم و تربیت کے لئے دینا چاہتا ہوں۔ خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ اس خبر سے
بہت خوش ہوئے اور بڑی خوشی کے ساتھ شیخ رکن الدین کو اپنے ساتھ اپنے گھر
پسر معنوی بنانے کے لئے لے گئے اور بڑے اہتمام سے ان کو تعلیم و تربیت دی
پہلے علوم دینی اور شرعی میں کامل بنایا۔ پھر علوم باطنی میں حد کمال تک پہنچا کر
خلیفہ اور مجاز بنایا۔ شیخ رکن الدین نے بھی اپنے کو درجہ کمال مشائخیت پر
پہنچانے میں بڑی ریاضت اور مجاہدہ کیا۔ اور اپنے پیر کی روش طریق شطار
محبان خدائے کو اختیار کر کے مرجوعہ عام و خاص ہوئے۔

حضرت رکن الدین فردوسیؒ سے کئی مرتبہ سلطان المشائخؒ سے دینی مناظرے
بھی ہوئے ہیں۔ جس کو ان کے مریدوں نے بر بنائے عداوت سمجھا لیکن حقیقت
یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ اس سے بہت اونچے اور بلند تھے۔ صاحب مناقب
الاصفیا کی تحریر سے ایسا گمان ہوتا ہے کہ حضرت رکن الدین فردوسیؒ کے
علم و فضل اور ریاضت و مجاہدہ کو دیکھ کر سلطان المشائخؒ کے مریدان اور
کچھ معاصرین بھی خار کھاتے تھے اور اکثر ان پر منہ آتے تھے۔ کبھی کبھی اگر کوئی حادثہ
شیخ رکن الدین فردوسیؒ کو مشیت ایزدی سے پیش آجاتا تو جذبہ غبطہ سے مغلوب ہو کر
ان حادثات کو سلطان المشائخؒ کی کبیدگی کا سبب کہتے۔ لیکن حقیقت

حقیقت ہوتی ہے۔ بقول صاحب مناقب الاصفیا[1] :-

"عاقبت محمود محمود باشد بآنکہ خواجہ رکن الدین در ہند چنان برآمد

کہ بہ عرب و عجم رسیدہ شجرۂ معظمہ پیران راسکہ بنام آوردند۔ پیران فردوس

گفتند و پوشتگان این شجرہ را در ہند بنام او می خوانند فردوسی می گویند۔"

بایں ہمہ علم و فضل خواجہ رکن الدین فردوسیؒ کے تصانیف کا پتہ نہیں

چلتا کم از کم میری نظر سے کوئی تصنیف ان کی نہیں گزری۔ لیکن ان کا ایک

مکتوب جو توحید کے مبحث پر ہے، بہت مشہور ہے اور صاحب مناقب الاصفیا نے

اس کا کچھ اقتباس نقل کیا ہے مثلاً :-

اے عزیز[2]! مشغولی آنست
کہ دائم در یاد او باشی و یاد او نہ
آن ست کہ یاد حروف و اصوات
کنی کہ آں غیر اوست و در ذکر فراموشی
غیر او باید۔ چنانکہ فرمود واذکر ربک
اذا نسیت بلکہ یاد او آں بود کہ
ذاکر باشی ذات بے کیف او را با صفات
بے چوں او را۔

اے عزیز! ہمیشہ اس کے یاد میں رہنا
ہی مشغولی ہے اور حروف و آواز میں یاد
کرنا دراصل یاد کرنا نہیں ہے بلکہ یہ تو
اس سے مغائرت ہے۔ اسکی یاد میں
اسکے سوا سب کو بھول جانا چاہئیے۔ جیسا کہ
آیا ہے کہ اپنے پروردگار کو یاد کر اسکے
ماسوا سب کو دل سے مٹا کر۔ اسکی یاد
یہ ہے کہ اسکی ذات اسکی صفات بے ہمتا کے ساتھ یاد کر

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۲۵ ۔ [2] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۲۵

اے عزیز! چوں چیزے ندیدہ باشی یاد او چگونہ کنی و او بہ چہ وجہ در خاطر تو بگذرد اکنوں بدانکہ نظم

چوں آدم را فرستادیم بیروں
جمال خویش در صحرا نہادیم

اے عزیز! جب تم کسی چیز کو نہیں دیکھتے ہو تو پھر اسکی یاد کس طرح کرتے ہو اور اسکی یاد تمہارے دل میں کس وجہ سے آئی ہے تو سنو (اسی کا قول ہے) کہ جب ہم نے آدم کو دنیا میں بھیجا تو پہلے اپنے جمال کو صحرا میں رکھ دیا (تاکہ دیکھنے والی آنکھیں دیکھیں)

اس مکتوب کے بارے میں بعض تذکرہ نویسوں نے شبہ ظاہر کیا ہے کہ یہ خط رکن الدین ابوالفتح کا ہے لیکن شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ اور حضرت ولی تراش نجم الدین کبریٰ کے اسلوب اور روش میں جو بین فرق ہے اس کے پیش نظر اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ خط سہروردیہ روش سے خلاف خاص فردوسیہ روش کا حامل ہے اور حضرت رکن الدین فردوسیؒ ہی کا ہے۔ پھر مولانا شیخ مظفر شمس بلخی فردوسیؒ نے جس طرح اس سے اکثر وبیشتر استفادہ کیا ہے اس کے پیش نظر اور بھی متیقن ہو جاتا ہے کہ یہ شیخ رکن الدین فردوسیؒ کا ہی مکتوب ہے ورنہ مولانا مظفر بلخی فردوسی اس سے استفادے میں اس قدر غلو نہ کرتے۔ یہ مکتوب طویل ہے اور اس لئے لکھا گیا ہے کہ اس پر عمل کر کے سلسلہ فردوسیہ کے متوسلین سعادت دارین حاصل کریں

مشہور ہے کہ جب سلطان معزالدین کیقباد نے بہ مقام کیلوکڑی دہلی میں نیا محل بنوایا تو آپ نے شہر دہلی کو چھوڑ کر دریا کے کنارے اپنی خانقاہ بنالی اور اسی جھونپڑی میں رہنے لگے۔

آپ کا وصال ۷۲۴ھ میں ہوا۔ مولف خزینۃ الاصفیا نے آپ کی بھی تاریخ رحلت لکھی ہے: ؎

شیخ رکن الدین چو از دار فنا
گشت خلد بریں سرا منزل گزیں
ہست مخدوم اجل ترحیل او
نیز رکن الدین ولی پیر امیں
۷۲۴

فصل پنجم

حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ

شیخ نجیب الدین فردوسیؒ حضرت رکن الدین فردوسیؒ کے برادر علاتی تربیت یافتہ اور خلیفہ تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ سید امیر خورد کی صاحبزادی اور شیخ عماد الدین فردوسی کی زوجہ ثانیہ تھیں۔ آپ کے والد ماجد شیخ عماد الدین فردوسی نے آپ کو صغر سنی ہی میں تعلیم و تربیت کے لئے اپنے منجھلے لڑکے حضرت رکن الدین فردوسیؒ کے حوالہ کر دیا تھا جہاں آپ کی علوم ظاہری و باطنی میں مکمل تعلیم ہوئی۔

شیخ نجیب الدین فردوسی کی والدہ ماجدہ مادرزاد ولیہ اور بڑی کشف و کرامت والی بی بی تھیں۔ آپ ہی کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ نے سلطان المشائخ کو ابتدائے حال میں دیکھ کر فرمایا تھا کہ اس لڑکے کی پیشانی سے

نور ہویدا ہے، یہ دہلی میں بڑا نام کریگا، اور اس کی بزرگی اور شیخی کی دھوم ہوگی۔

حضرت شیخ نجیب الدین فردوسیؒ کو صاحب مناقب الاصفیا نے سر حلقہ مجردان، سرور مفردان، مجموع اہل صفا، سرچشمہ مردان خدا لکھا ہے۔ لیکن میرے خیال میں ان کی سب سے بڑی کرامت اور بزرگی ان کی گمنامی اختیار کرنے میں مضمر ہے۔ وہ "اولیائی تحت قبائی" (یعنی میرے دوست میرے قبا کے پیچھے ہیں) پر عمل پیرا تھے۔ ان کے معاصرین میں بڑے بڑے مشائخ اور بزرگ تھے اور ان میں سے اکثر آپ کی بزرگی اور بلندی مدارج کے معترف تھے۔ لیکن اسکے باوجود بھی ان کا ہر طرح کی شہرت اور اسباب شہرت سے گریز بہت بڑی کرامت ہے۔ آپ کے حلقہ مریدوں میں بھی بہت کم لوگ تھے۔ کیونکہ آپ بہت کم لوگوں کو مرید کرتے تھے۔ فتاوائے تتارخانی کے جامع مولانا عالم اندپتی منجملہ اور مریدوں کے آپ کے ایک مخصوص مرید تھے۔

حضرت نجیب الدین فردوسیؒ نہ صرف شیخ کامل تھے بلکہ ان کی مثال ایک ایسے کیمیاگر کی تھی کہ جسکی ادنیٰ توجہ سے مریدوں کے سارے غش زائل ہوجاتے تھے جس کے مرید کو دیکھ کر حضرت نظام الدین اولیا جیسے شیخ کی زبان سے یہ جملہ نکل جائے "میسر غنیمت ولیکن نصیب دوام مانیست"[1] اس مرشد کامل کی بلندی مقام کا کیا کہنا۔

---

[1] بزم صوفیا صفحہ ۳۵۳

مشہور ہے کہ حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے حلقہ بیعت
میں شامل ہونے سے بارہ برس قبل ہی حضرت نجیب الدین فردوسیؒ نے خلافت نامہ
لکھ رکھا تھا۔ جیسے ہی حضرت مخدوم الملک وہاں پہنچے آپ نے بہت کم وقت میں
ان کو منزل مقصود تک پہنچا کر اجازت نامہ حوالہ کر کے رخصت کیا اور تاکید کر دی کہ
راستہ میں کسی طرح کی کوئی خبر معلوم ہو تو واپس نہ ہوں اور اپنے مقام پر پہنچ کر
اپنا کام شروع کریں۔

آپ نے ایک سو اکیس برس کی عمر پائی۔ آپ کا وصال سنہ ۷۳۳ ہجری میں
ہوا۔ مولف خزینۃ الاصفیا نے تاریخ رحلت لکھی ہے: ؎

سرور اہل دیں نجیب الدین — شاہ اہل یقیں نجیب الدین
عقل در سال انتقالش گفت — زیب جنت امین نجیب الدین

۷۳۳

آپ کی تصنیفات اور ملفوظات کا کچھ پتہ نہیں چلتا لیکن وہ وصیت نامہ
جو آپ نے اپنے مرید اور خلیفہ حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ
منیریؒ کو اجازت نامہ دیکر روانہ کرنے کے وقت حوالہ کیا تھا وہ مطبوعہ موجود ہے
اور اس سے آپ کی روش اور تعلیم کا پورا اندازہ مل جاتا ہے۔ اس جگہ اصل
متن ترجمہ کے ساتھ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

۱ اے عزیز! در تربیت وے

اے عزیز! یہ بات بڑے غور و فکر

بعد از تامل و تفکر بسیار روشن شدہ
کہ مشغول شدن بہر چہ ہست باش۔
گو خطا است خبر مشغولی بہ ترک خودی
گرفتن۔ خودی عبارت است از جملہ
حرکات و سکنات و اقوال و افعال
ہوائے بشریت کہ ازیں کس در وجود
آید حسب عادت و سر مقتضی ہوائے بشریت
از خوردن و خفتن و گفتن و مخالطت
کردن و شنیدن و دیدن و غیر آں
مگر آنچہ ازیں جملہ بوقت ضرورت
بقدر ضرورت باشد اگر آں نہ کند از حق
دور افتد۔ پس از اں اہم مہمات است
کہ لیلاً و نہاراً دریں تفکر باشد کہ از خودی
ہنوز چہ ماندہ است تا آنگاہ از خودی
بفضل حق بکلی بیروں آید از آنکہ سر موئے
از خود باقی است حجاب باقیست
پیش از فراغ ایں اصلا وابستہ بکار دگیر

کے بعد ظاہر ہوتی ہے کہ ترک خودی میں
مشغولیت کے علاوہ دنیا کی کسی چیز میں
مشغول رہنا غلطی ہے۔ انسانی حرکات
و سکنات اقوال اور افعال ہی سے انسانی
خواہشیں پیدا ہوتی ہیں۔ کھانا، سونا
بولنا، میل جول پیدا کرنا، سننا، دیکھنا وغیرہ
انسانی طبیعت کا اقتضا ہے لیکن یہ تمام
ضرورت بھر ہونی چاہئیں۔ اگر ضرورت سے
زیادہ ہو تو حق سے دوری ہو جاتی ہے
اسلئے دن رات اس خیال میں رہنا چاہئے
کہ خودی میں سے کیا چیز باقی رہ گئی ہے۔
یہاں تک کہ اللہ کے فضل سے خودی سے
بالکل چھٹکارا ہو جائے۔ اگر بال برابر بھی
خودی باقی رہ گئی ہے تو حجاب باقی ہے۔
جب تک اس سے فراغت حاصل ہو جائے
دوسرے کام میں مشغول ہونا صحیح نہیں کیونکہ
خودی سے چھٹکارا پانے سے پہلے کسی کام میں

مشغول شدن روانیست کہ پیش از
بروں آمدن از خودی بہر چہ مشغول
شوند، شیطانیست پس بہیچ نوعے ہمہ
بکار دیگر مشغول نمی باید شد۔ بیان
چیزہائے کہ مجاہدہ وریاضت نفس را
بداں می باید آورد تا خودی برود تقو
یٰ بکمال رسد۔ وانسلاخ بشریت
حاصل شود اصلا وابتہ ہیچ زمانے
بے وضو نہ باشد اگرچہ نیم شب بود
وسرما بودہ باشد وآب سرد باشد
بعد از وضو دو رکعت نماز بگذارد و
اصلا وابتہ فوت نہ کند۔ ومقصود از
خوردن طعام وآب بقائے سہ چیز است
حیات وعقل وقوت۔ اکنوں ترک طعام
گیرد تا آنگاہ کہ داند کہ در حیات یا در
عقل خلل خواہد افتاد۔ نان خشک
یا برنج خشک یا کھچڑی خشک آنچہ

مشغول ہونا شیطنت ہے اس لیے کسی
حال میں دوسرے کام کی طرف مشغول نہیں
ہونا چاہیے۔ مجاہدہ اور ریاضت نفس
اس طرح ہونا چاہیے کہ خودی فنا ہو جائے
اور انتہائی درجہ کا تقویٰ حاصل ہو۔ اور
بشریت کی پوری صفائی ہو جائے کسی وقت
بے وضو رہنا درست نہیں اگرچہ آدھی رات
جاڑے کا موسم اور ٹھنڈا پانی ہی کیوں نہ ہو
وضو کے بعد دو رکعت نماز کسی حال میں
فوت نہیں ہونا چاہیے۔ کھانا کھانے اور
پانی پینے سے صرف تین چیزوں کی بقا ہوتی ہے
حیات، عقل اور قوت۔ کھانا اسوقت
تک ترک کرتے رہنا چاہیے۔ جب تک حیات
اور عقل میں خلل پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو
خشک روٹی، خشک چاول یا خشک کھچڑی
جو کچھ بھی مل جائے اندازے سے کھا لیا جائے
سالن ترکاری وغیرہ کے پھیر میں نہ رہے

حاصل شود آں مقدار بخورد وگرد
نان خورش نہ گردد وہم چنیں ترک آب
گیرد تا آنگاہ داند کہ در حیات یا در
عقل خلل خواہد افتاد۔ آنگاہ اندک
آب خورد بہماں مقدار کہ حلق را تر کند
وغلبہ تشنگی بہ نشاند۔ فامابہ سبب
نقصان قوت اصلا والبتہ طعام و
آب بخورد۔ بہ رفتن قوت التفات
نکند۔ وایں معنی بعد از تجربہ روشن شود
کہ از سبب طعام چندم روز خوف و
خلل حیات وعقل باشد واز سبب
آں چندم روز بہ تجربہ روشن شدہ باشد
ہم معہود بکند شب و روز اصلا والبتہ
نخسپد و بدانچہ تواند بہ نماز و یا خواندن
قرآن وکتاب وغیرہ آں خواب دفع کند
اصل لوجود ایں کار آں ست کہ اصلا
والبتہ شب و روز نہ غلطد۔ نشستہ

اسی طرح پانی پینا بھی ترک کردے یہاں تک
کہ اسکو جب معلوم ہو کہ زندگی یا عقل میں
خلل پڑیگا اسوقت تھوڑا سا پانی جو صرف
حلق تر کرنے کو ہو پی لے تاکہ پیاس بجھ
جائے لیکن قوت کے کم ہونے کی وجہ سے
ہرگز نہ کھائے نہ پئے اور قوت کے زائل
ہونے کی طرف ہرگز توجہ نہ کرے اور یہ بات
تجربہ سے معلوم ہوسکے گی کہ کھانے کی وجہ سے
کتنے دنوں میں زندگی اور عقل میں خلل
پڑنے کا خوف پیدا ہوگا۔ اور جب یہ
تجربہ سے معلوم ہوکواس کا لحاظ رکھے
رات اور دن میں کسی وقت نہ سوئے اور
نماز قرآن کی تلاوت اور کتاب کے مطالعہ سے
نیند کو دور کرے اس کام کا تمام تر دارو
مدار اس پر ہے کہ رات اور دن میں کسی وقت
نہ لیٹے۔ بلکہ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر رات دن
گذارے۔ کسی شخص سے بات چیت نہ کرے

وایستادہ روز و شب بگذارند۔
و با ہیچ کس سخن نگویند مگر جواب سائل۔
و جواب اگر علمی باشد نگویند کہ دائم
وابستہ بجواب علمی مشغول نہ شوند، کہ
دراں آفات بسیار است۔ اگر غیر
علمی باشد سخن کوتاہ کنند و ضروری بگویند
وآں نیز جائے کہ از گفتن چارہ نباشد
فاما آنچہ تواند نگوید خود اصلاً وابستہ
سخن بگوید۔ اصلاً وابستہ تا ہیچ کس
مخالطت و ملاقات نکنند و در کنجے خالی
نشستہ باشد۔ و ہر کہ ہست باش۔
گو برائے خود از کنج خود بیروں نہ آید
و کسے را پہلوئے خود آمدن نہ دہد۔
علی الدوام نظر سوئے زمین دارد
و اصلاً والبتہ بہ ضروری چپ و راست
نبیند۔ اصلاً وابستہ سخن کسے را گوش
ندارد والبتہ قصداً آں نکند کہ بدانم کہ

البتہ سائل کا جواب دے سکتا ہے، لیکن
سائل اگر عالم ہو تو اس کا جواب نہ دے بلکہ
کبھی علمی جواب میں مشغول نہ ہو۔ کیونکہ اسمیں
بہت سی آفتیں ہیں لیکن اگر جواب علمی نہ ہو تو
اس کے متعلق مختصر گفتگو کرے اور صرف
ضروری بات کہے اور وہ بھی اس وقت
جب بجز بولنے کے کوئی اور چارہ نہ ہو تو جو
کچھ ہو سکے گفتگو کرے لیکن خود کوئی بات
نہ کہے۔ کسی کے ساتھ بالکل ملاقات اور
میل جول نہ کرے اور ایک خالی گوشے میں
بیٹھا رہے اور جو چیز موجود ہو اس کو باقی
رہنے دے۔ اپنے کام کیلئے اپنے گوشے سے
باہر نہ نکلے اور کسی کو اپنے پہلو میں آنے کی اجازت
نہ دے۔ ہمیشہ نظر نیچی زمین کی طرف رکھے
بے ضرورت دائیں بائیں نہ دیکھے کسی کی
بات نہ سنے اور نہ اسکی کوشش کرے کہ دوسرا
کیا کہتا ہے۔ دل کو عمداً اور قصداً کسی چیز میں

چہ سخن می گوید۔ عمداً و قصداً دل
ما بہ چیزے مشغول نہ گردد تا اگرچہ
سخن در گوش افتد و یا نہ افتد فہم نہ
شود۔ چوں نان خشک و آب بوقت
ضرورت خواہد خورد ہر چہ ہست اصلا
وابستہ نخورد کہ آں محض اتباع خودی
است ہر روز یک بار میانہ روز متوجہ
رود اگر بہ سبب قلت طعام در روز
احتیاج نشود خود بہتر باشد۔ اما ازیں
زیادت نہ رود۔ و وقت ضائع نہ گرداند
اگرچہ بہ تقاضائے پیدا شود اگرچہ
وضو مشوش می باشد تا بر ایں عادت
شود۔ ہمہ وقت جز یک گلیم نہ پوشد
مگر در روزہائے سرما لباچہ کمینہ بپوشد
بالائے خرقہ محسب بر ایں چیزہائے
مزید نہ کند اصلا وابستہ نہ در روز و
نہ در شب اصلا وابستہ از آمدن کسے

نہ لگائے کوئی بات کان میں پڑے اور
سمجھ میں نہ آئے تو اسکی فکر بھی نہ کرے
ضرورت کے وقت سوکھی روٹی کھالے
اور پانی پی لے کوئی چیز اس لئے نہ کھائے
کہ وہ موجود ہے کیونکہ اس طرح محض
خودی کا پابند ہونا ہے۔ دوپہر کے وقت
روزانہ قضائے حاجت کے لئے جائے
اور اگر کم کھانے کی وجہ سے اسکی ضرورت
نہو تو بہتر ہے لیکن اس سے زیادہ نہ جائے
اور وقت ضائع نہ کرے اگرچہ اس کی
ضرورت محسوس ہو اور وضو مشکوک ہو
یہاں تک کہ اس کی عادت ہو جائے
اور تمام وقت ایک کمبل کے سوا اور کچھ
نہ اوڑھے لیکن جاڑے کے دن میں آستین والا
بادہ خرقہ کے اوپر پہنے اور اس پر ان ہو
یارات کسی چیز کا اضافہ نہ کرے، کسی کے آنے
جانے بولنے اور کام کرنے پر ناخوش ہو

ورفتن کسے وسخن کسے وکار کسے
ناخوش نہ شود، واعتراض نہ کند
وبگذارد کہ در ظاہر وباطن بر ہیچ چیزے
انکارے واعتراضے نکند۔ وچون و
چراتی وکم وکیفیتی نہ گذارد۔ واگر ہمہ
آتش بر سر بارد تا مقام وحدت
یا حال وذوق حاصل شود۔ واگر
در وقت سماع تا آنکہ ممکن باشد
اصلا وابستہ بگذارد تا آب چشم برود
وتا جنبش وحرکتے در وجود آید
بقدر المقدور دریں باب بکوشد۔ مگر
آنکہ چناں مغلوب گردد کہ نگاہ نہ تواند
داشت۔ ازانکہ در ظاہر شدن
احوال سماع آفات بسیار است،
وکتمان آں از جملہ مہمات این است
وانچہ بر قلب وفواد بگذرد از آتش
خبر نہ باشد این مقام بس عظیم است

اور نہ کوئی اعتراض کرے۔ یہ علوم ہونے
دے کہ اسکو ظاہراً و باطناً کسی چیز سے انکار ہے
خواہ سر پر آگ ہی کیوں نہ برسے، لیکن
چون وچرا نہ کرے اور نہ اپنے میں کمیت
اور کیفیت ظاہر ہونے دے۔ یہاں تک
کہ اس کو مقام وحدت اور حال وذوق
حاصل ہو جائے۔ سماع کے وقت
جہاں تک ممکن ہو آبدیدہ نہ ہو اور جسم کو
حرکت نہ دے یہاں تک کہ مغلوب ہو جائے
اور اپنی حفاظت آپ نہ کر سکے، لیکن
سماع میں احوال کے ظاہر ہونے سے
بڑی آفتیں ہیں ان کا چھپانا بہت اہم
باتوں میں سے ہے۔ قلب اور دل پر
جتنی بھی آگ برسے اسکی خبر نہ ہو اور یہی
وہ مقام عظیم ہے جو بڑی مشقت بڑے
مجاہدے اور بے انتہا ریاضت کے بعد
حاصل ہوتا ہے۔ تم اپنی طرف سے

به مشقت ہائے بسیار و مجاہدہ ہا و
ریاضت بے اندازہ اگر خواستہ باشد
دریں مقام رسند۔ تو از خویش جہدے
بکن خدا روزی کند۔ سالہا می باید
جان کندیدہ را برہے ہر دو اگر نہ
سعادت فقد وقع اجرہٗ علی اللہ
حاصل آید: ؎

کار نازک بتان رعنا نیست
سنگ زیریں آسیا بودن

واللہ اعلم بالصواب

کوشش کرو خدا عطا کرے گا۔ برسوں
کے بعد مشقت اٹھانے والے کو راستہ
ملتا ہے اور اگر یہ سعادت حاصل نہیں
ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر دیتا ہے

کار نازک بتان رعنا نیست
سنگ زیرین آسیا بودن

فصل ششم

حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ

حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ ان مشائخ طریقت کبار اور اہل حقیقت عظام میں سے ہیں جن کے باعث سلسلہ فردوسیہ کو شرف حاصل ہوا، پیر کو فخر ہوا، اور جن کی تعلیم و تربیت براہ راست نبوت سے ہوئی۔ آپ کی پیدائش ۲۹[1] شعبان المعظم ۶۶۱ھ سلطان ناصر الدین محمود جیسے عادل و زاہد سلطان کے زمانے میں بمقام منیر شریف ضلع پٹنہ میں ہوئی۔ پیدائش کی تاریخ شرف آگین ہے اور وفات

---

[1] بزم صوفیا کے مصنف نے ۲۶ شعبان لکھا ہے اور حیات ثبات کے مولف نے ۲۹ شعبان۔ میں نے حیات ثبات پر بھروسہ کیا ہے اس لئے کہ گھر کی بات گھر والے کچھ زیادہ صحیح بتا سکتے ہیں۔

پنجم شوال ۷۸۲ھ شب پنجشنبہ نماز عشا کے وقت سلطان فیروز تغلق کے زمانے میں مقام بہار خانقاہ معظم میں ہوا۔ تاریخ وفات پر شرف ہے۔

آپ کا پدری سلسلہ نسب تحقیقات المعانی ملفوظ شاہ امون کے قلمی نسخہ (جو کہ خانقاہ مخدوم الملک میں محفوظ ہے) کے حوالے سے مندرجہ ذیل ہے:۔

مخدوم شرف الدین ابن مخدوم یحییٰ ابن شاہ اسرائیل ابن امام تاج فقیہ ابن امام ابو بکر، ابن امام ابو الفتح، ابن امام ابو القاسم، ابن امام ابو الصائم ابن امام ابو دہر، ابن امام ابو اللیث ابن امام ابو سہیہ ابن امام ابو دین، ابن امام ابو مسعود ابن امام ابو ذر، ابن زبیر ابن عبد المطلب، ابن ہاشم ابن عبد مناف۔

آپ کا مادری سلسلہ نسب نامہ حیات ثبات غیر مطبوعہ مرتبہ سید شاہ نجم الدین فردوسی کے حوالہ سے مندرجہ ذیل ہے:۔

مخدوم شیخ شرف الدین بن بی بی رضیہ بنت سید شہاب الدین پیر جگ جوت (درگاہ جھٹولی) بن سلطان سید شاہ محمد، بن سید شاہ احمد بن سید شاہ ناصر الدین، بن سید یوسف بن سید حسن، بن سید قاسم، بن سید موسیٰ، بن سید حمزہ بن سید داؤد، بن سید رکن الدین، بن سید قطب الدین، بن سید اسحاق، بن سید اسمٰعیل، بن سید امام جعفر صادق، بن امام محمد باقر، بن امام زین العابدین بن سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام بن حضرت علی ابن ابو طالب۔

حضرت مخدوم الملک کے پردادا حضرت امام محمد تاج فقیہ بقصد جہاد ۵۷۶ھ میں بیت المقدس کے محلہ قدس خلیل سے ہندوستان تشریف لائے تھے، اور صوبہ بہار ضلع پٹنہ کے ایک قصبہ منیر شریف میں اقامت گزیں ہوئے۔ منیر کا راجہ بہت ظالم اور سرکش تھا۔ مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم توڑتا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت امام محمد تاج فقیہؒ نے اپنے آنے کے چھٹے سال اس سے جہاد کیا۔ اور منیر فتح کرلیا۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے، شیخ اسرائیل، شیخ اسمٰعیل، شیخ عبدالعزیز۔ منیر میں آپ کی بیوی کا وصال ہوگیا اس لئے حضرت محمد تاج فقیہؒ اپنے لڑکوں کو اپنی جگہ پر قائم مقام بنا کر خود بیت المقدس واپس ہوگئے۔ اور اپنی سالی سے عقد ثانی کر کے اپنی آخری زندگی وہیں گذاری پھر ہندوستان واپس نہیں ہوئے۔

حضرت مخدوم الملک کے دادا شیخ اسرائیل کی سب سے پہلی اولاد حضرت مخدوم احمد یحییٰ تھے، جن کی شادی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی پیر جگجوتؒ (جنھوں نے کاشغر کی سلطنت کو چھوڑ کر فقر اختیار کیا تھا) کی بڑی صاحبزادی حضرت بی بی رضیہ سے ہوئی آپ کی بطن سے چار لڑکے شیخ جلیل الدین، شیخ شرف الدین شیخ خلیل الدین، شیخ حبیب الدین پیدا ہوئے۔

حضرت مخدوم الملک کی والدہ ماجدہ بی بی رضیہؒ بھی ولیہ کاملہ تھیں مشہور ہے کہ بغیر وضو آپ نے اپنے لڑکے کو دودھ نہیں پلایا۔

حضرت مخدوم الملکؒ کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ اور اس وقت کے نصاب تعلیم کے مطابق مصادر، اور مفتاح اللغات وغیرہ بالاستیعاب پڑھا۔ پھر حسن اتفاق سے ان کو علامہ اشرف الدین ابو توامہ جیسا استاد مل گیا جن سے علوم دینی کلام پاک، تفسیر، حدیث اور فقہ کے علاوہ علوم عقلی مثلاً منطق، فلسفہ اور ریاضی کی بھی تکمیل کی۔ علامہ ابو توامہ کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ تمام علوم ظاہری اور باطنی کے علاوہ علم کیمیا، سیمیا، طلسم اور سحر جیسے علم میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ غیاث الدین بلبن (۱۲۲۸ء لغایت ۱۲۸۱ء) کے عہد حکومت میں بخارا سے دہلی تشریف لائے اور درس و تدریس اور تربیت باطنی میں مشغول ہو گئے ان کے تبحر علمی اور کرامات کی اتنی شہرت ہوئی کہ ارادت مندوں کا ایک سیلاب امنڈ آیا۔ ان کی مقبولیت سے سلطان کو خطرہ محسوس ہوا اور اپنے سیاسی مصالح کی بنا پر ان کو سنارگاؤں چلے جانے کا حکم صادر کیا۔ علامہ سنارگاؤں چلے تو راستے میں منیر شریف میں مقیم ہوئے۔ مخدوم یحیٰؒ نے جی کھول کر پذیرائی کی اور وہ کئی روز وہاں ٹھہر گئے۔ اس قیام کے دوران میں مخدوم شرف الدینؒ اور علامہ ابو توامہ[1] دونوں کو ایک دوسرے سے ملنے کا موقع حاصل رہا اور دونوں استاد شاگرد ایک دوسرے کے علمی تبحر اور طالب علمانہ صلاحیت سے ایسے متاثر ہوئے کہ شاگرد نے استاد کا دامن تھام لیا۔ اور

---

[1] علامہ ابو توامہ کے تبحر علمی کا زمانہ معترف ہے۔ آپ کی کئی تصانیف بھی ہیں (بقیہ دوسرے صفحہ پر)

ماں باپ کی اجازت سے سنار گاؤں کی طرف استاد کی معیت میں چل پڑے ۶۶۸ھ مطابق ۱۲۷۰ء میں سنار گاؤں پہنچ کر علامہ نے ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ کی بنا ڈالی۔ اور وہاں تا دم حیات ۷۰۰ھ تک درس و تدریس اور رشد و ہدایت میں مشغول رہے۔ سنار گاؤں میں مخدوم الملک نے اپنے استاد کے ساتھ بائیس سال تک تحصیل علوم ظاہری و باطنی میں وقت گذارا اپنے استاد علامہ اشرف الدین ابوتوامہ کے اوصاف اور تبحر علمی کا ذکر مخدوم الملک نے ایک جگہ خوان پر نعمت[1] میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

---

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) آپ کی ایک مشہور فقہی مثنوی بنام "حق" جس کا ذکر ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی ڈھاکہ یونیورسٹی نے معارف بابت جنوری ۱۹۵۹ء میں کیا ہے ان کی علمی صلاحیتوں کی شاہد ہے۔ یہ مثنوی ۱۵ جمادی الاول ۶۹۳ھ کو اختتام کو پہنچی۔ اس میں ایک سو اسّی اشعار اور دس باب ہیں چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:-

من بتقید مجال کوشیدم — فقہ را برد و نظم پوشیدم

صد و ہفتاد و ہست و دہ باب است — لائق روزگار اصحاب است

ایں ترا یادگار از شرف است — نام او در جہان بہر طرف است

از بخارا است مولد و نسبش — در خراسان علوم مکتبش

تاریخ تصنیف پر ان اشعار سے روشنی پڑتی ہے:-

نود و سہ برفت شش صد سال — از وفات رسول تا امسال (بقیہ دوسرے صفحہ پر)

[1] خوان پر نعمت مطبوعہ اعجازی پریس صفحہ ۵

"مولانا اشرف الدین توامہ ہندوستان کے علما میں اس قدر مشہور تھے کہ ان کے علوم میں کسی کو شبہ نہ تھا۔ آپ ریشمی سربند اور ازار بند استعمال کرتے تھے آپ نے ایسی چیزیں لکھیں کہ دوسرے علما کو بھی اس کی تقلید کرنی چاہیے اگر سبق پڑھاتے میں مشکل پیش آتی تو غور کرتے اور غور کرتے وقت سربند کاندھے پر لٹکاتے اور اسکو ہاتھ میں لیکر مشغول رہتے یہاں تک کہ مشکل حل ہوجاتی اس کے بعد سربند کو چھوڑ کر مشکل کو بیان فرماتے۔"

مخدوم الملک اپنے استاد علامہ توامہ سے علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ علم تصوف کی بھی کتابیں پڑھتے تھے۔ اس کا پتہ مخدوم الملک کے ایک مکتوب سے ملتا ہے:۔

"احکام[1] مذہب ایں طائفہ (صوفیہ) در کتب و تصانیف ایشاں سالہا باز مطالعہ کردہ شدہ است۔"

علامہ ابو توامہ جو اپنے وقت کے صرف انمول جواہر ہی نہیں بلکہ

(بقیہ پچھلے صفحہ کا)

نیمہ از جمادی الاول	بود کایں نظم گشت مستکمل
رحمت حق نثار خوانندہ	باز گوئندہ و رسانندہ

[1] از مکتوبات دوصدی مکتوب ۸۱

اچوک جوہری بھی تھے۔ اپنے ہونہار شاگرد کے بارے میں سب کچھ جان گئے تھے
کہ یہ مستقبل قریب میں کیا ہونے والے ہیں وہ ان پر ایسا فریفتہ ہوئے کہ ان کو
اپنی دامادی میں لینے پر مصر ہوئے۔ مخدوم الملک نے پہلے تو کچھ پس وپیش کیا
لیکن استاد کے حکم کو ٹالنا ان کے بس میں نہ تھا وہ راضی ہو گئے اور استاد کی دختر
نیک اختر کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔ سنارگاؤں میں اپنے
والد محترم مخدوم یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی خبر ملتے ہی اپنے خوردسال بچے مخدوم ذکی الدین
کے ساتھ منیر شریف کیلئے روانہ ہو گئے۔ مخدوم یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ ۱۱ شعبان ۶۹۰ھ کو ایک سو
اکیس برس کی عمر میں وصال فرما چکے تھے۔ (بشرطیکہ آپ کی پیدائش کا سنہ
۵۷۰ھ بہ مقام بیت المقدس بعض روایت کے مطابق تسلیم کر لیا جائے)

مخدوم الملک نے منیر شریف پہنچ کر اپنی والدہ ماجدہ کو تسلی تشفی دی
اور کچھ ہی روز وہاں ٹھہرے تھے کہ معرفت الٰہی کی آگ دل میں ایسی شعلہ زن
ہوئی کہ اس سے بیتاب ہو گئے۔ آخر ایک روز اپنے لڑکے مخدوم ذکی الدین کو اپنی
والدہ ماجدہ کے گود میں دیکر فرمایا کہ "حضرت آپ اس لڑکے کو شرف الدین کی
جگہ سمجھئے اور اپنے لڑکے شرف الدین کو طلب الٰہی کیلئے باہر جانے کی اجازت
دیجئے سمجھئے وہ مر چکا"۔ چونکہ آپ کی والدہ ماجدہ ایک خدارسیدہ بزرگ اور
ولیہ کاملہ تھیں اس خبر سے خوش ہوئیں اور خوشی خوشی اپنے لڑکے کو باہر جانے کی
اجازت دیدی، اور خدا حافظ کہا۔

مخدوم الملکؒ مرشد کی تلاش میں جب دہلی کی طرف روانہ ہوئے تو ان کے بڑے بھائی حضرت شیخ جلیل الدین جنھیں اپنے بھائی سے بے انتہا محبت تھی ان کے ہمراہ ہو گئے ۔ اس وقت دہلی اور نواح دہلی اولیا اللہ اور بزرگان دین کے مرکز ہو رہے تھے ۔ دہلی پہنچ کر حضرت مخدوم الملکؒ باری باری سے وہاں کے تمام مشائخ عظام سے ملتے رہے لیکن کسی سے دل کو تشفی نہ ہوئی ۔ اسی طرح سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا کی خدمت میں بھی پہنچے ۔ اور وہاں سے بھی ناکام واپس ہوئے تو دل کی بے چینی اور ناامیدی بہت بڑھ گئی ۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی ملاقات کا واقعہ لطائف اشرفی میں اس طرح درج ہے ۔

"جب[1] حضرت شیخ شرف الدین علوم شرعیہ کی تحصیل اور ریاضت اصلیہ فرعیہ کی تکمیل کر چکے تو حضرت سلطان المشائخ کے شرف ملازمت کے لئے دہلی تشریف لے گئے اور ارادت و ارشاد کے لئے استدعا کی حضرت سلطان المشائخ نے عالم غیبی اور فضا لاریبی سے استفسار فرمایا اور استغراق میں سر جھکایا پھر فرمایا "برادرم شرف الدین! تمہاری ارادت اور تعلیم سلوک برادرم نجیب الدین سے متعلق ہے تم ان ہی کے پاس جاؤ وہ تمہارے منتظر ہیں اور جب وہ (یعنی حضرت مخدوم الملک) شیخ نجیب الدینؒ کے پاس جانے لگے تو حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا

---

[1] لطائف اشرفی مطبوعہ نصرت المطابع دہلی صفحہ ۳۷

کہ فقیروں کے یہاں سے خالی نہ جاؤ تم کو اس خاندان سے صفائی اور سماع مبارک ہو۔"

وہاں سے واپس ہونے کے بعد جب لوگوں نے حضرت نجیب الدین فردوسیؒ کا پتہ بتلایا تو آپ ان کے حضور میں پہنچے۔ سامنے ہوتے ہی مخدوم الملک پر بڑی دہشت طاری ہوئی اور جسم پسینہ پسینہ ہوگیا۔ حضرت شیخ نجیب الدین فردوسیؒ نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا۔

"درویش آؤ! برسوں سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں
تاکہ تمہاری امانت تمہارے سپرد کردوں"[1]

اور فوراً بیعت لی اور کچھ نصیحتیں حوالہ کرکے اس ہدایت کے ساتھ رخصت کیا کہ اگر راستہ میں کسی طرح اچھی بری خبر سنو تو دہلی واپس نہ ہونا۔ مخدوم الملک نے تعلیم و تربیت کے خیال سے کچھ دن مرشد کے ساتھ رہنے کی اجازت مانگی تو حضرت نجیب الدین فردوسیؒ نے فرمایا کہ تمہاری تعلیم بارگاہ نبوی سے مقدر ہے تم واپس اپنے وطن جاؤ اور اپنے کام میں مشغول ہو وہ نصائح یاد دلایا جو حضرت نجیب الدین فردوسیؒ نے ارادت کے وقت مخدوم الملک کو حوالہ کئے تھے ان کے تذکرے میں مفصل درج ہے۔ اس لئے دوبارہ اس کا اعادہ نہیں کر رہا ہوں۔

بیعت کے وقت اور اس کے بعد کی کیفیت مخدوم الملک نے خود

---

[1] اخبار الاخیار صفحہ ۱۰۹

ان الفاظ میں لکھی ہے :-

"من چوں بخواجہ نجیب الدین فردوسیؒ پیوستم ، حزنے در دل من نہادہ شد کہ ہر روز آں حزن زیادہ می شد ۔"[1]

بیعت کے بعد دہلی سے واپس ہوئے تو راستہ ہی میں مرشد کے وصال کی خبر ملی لیکن مرشد کے حکم کے مطابق واپس نہ ہوئے بلکہ بہار کی طرف بڑھتے ہی گئے ۔ جب بیہیا کے جنگل (ضلع شاہ آباد) میں پہنچے تو ان پر ایک جذب کی کیفیت طاری ہو گئی ۔ اور گریبان چاک کر کے وہیں غائب ہو گئے ۔ ان کے بڑے بھائی شیخ جلیل الدین نے جو ان کے ہمراہ تھے ان کو بہت تلاش کیا لیکن بے سود آخر مایوس و مغموم گھر واپس ہوئے اور اپنی والدہ سے سارا قصہ بیان کر کے مخدوم الملک کا خرقہ اور جو کچھ سامان تھا ان کے حوالہ کیا ۔ آپ کی والدہ ماجدہ کو اس طرح گم شدگی کی خبر سے بہت افسوس ہوا ، لیکن راضی بہ رضا ہو کر صبر کر لیا ۔

حضرت مخدوم شاہ شعیب فردوسیؒ جو مخدوم الملک کے چچا زاد بھائی اور ہم عصر بھی تھے ۔ اپنی تصنیف مناقب الاصفیا میں ایک جگہ لکھا ہے :-

ایک تاریک شب میں[2] سخت بارش ہو رہی تھی بادل کی کڑک اور بجلی کی غیر معمولی چمک دل دہلا رہی تھی کہ اس وقت آپکی والدہ ماجدہ

[1] بزم صوفیا صفحہ ۳۵ ، مناقب الاصفیا صفحہ ۱۳۳ [2] " مونس القلوب صفحہ ۴۸

شفقت مادری سے مجبور ہو کر یکایک مخدوم الملک کو یاد کرکے رونے لگیں۔ ان کے دل میں یہ بات آئی کہ اس بھیانک رات میں معلوم نہیں شرف الدین پر سنسان جنگل میں کیا گذر رہی ہو گی کہ یکایک مخدوم الملک اپنے مکان کے صحن میں کھڑے پائے گئے ماں نے بیٹے کو دیکھا تو فرط مسرت سے چیخ اٹھیں۔ بیٹا تمہارا آنا مبارک ہو تم پانی میں کیوں بھیگ رہے ہو اندر چلے آؤ۔" مخدوم الملک نے ماں کو ادب سے جواب دیا حضرت ہیں تو آپ کی یاد پر آہی گیا ہوں لیکن ذرا باہر نکل کر دیکھ لیجئے کہ پروردگار جب اپنے بندے پر مہربان ہوتا ہے تو اسے کوئی چیز تکلیف نہیں پہنچا سکتی۔ خدا کے حکم سے میں پانی میں کھڑے ہوتے ہوئے بھی نہیں بھیگ رہا ہوں اسی طرح جنگل پہاڑ جہاں بھی رہوں گا اپنے مالک کی مہربانی سے ہر طرح محفوظ اور آرام سے رہوں گا۔ آپ میری جانب سے کبھی متردد نہ ہوں۔"

تھوڑے دنوں تک گھر پر ٹھہرے پھر غائب ہو گئے اور راجگیر کے جنگل میں ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول رہے۔ مشہور ہے کہ بارہ برس بیہیا کے جنگل میں مقیم رہے۔ جہاں سخت سے سخت مجاہدے اور کڑی سے کڑی ریاضتیں کیں اور وہیں آپ کی بارگاہ نبوت سے تعلیم و تربیت کی تکمیل بھی ہوئی۔ اس چالیس سال تک جنگل میں اور پہاڑوں پر اقامت کے دوران میں آپ کا اپنے پروردگار کے ساتھ

کیا معاملہ رہا اور کس طرح کے راز و نیاز کی منزل سے گذرے کسی کو خبر نہیں۔ البتہ مناقب الاصفیا[1] میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے مخدوم الملک کو جنگل میں ایک درخت کو پکڑے ہوئے عالم حیرت میں کھڑا پایا۔ تمام جسم خشک ہو گیا تھا اور چیونٹیاں حلق اور ناک سے آ جا رہی تھیں۔" کچھ دنوں کے بعد آپ راجگیر جنگل میں نمودار ہوئے اور تب لوگوں کو راجگیر جنگل میں آپ کی موجودگی کا علم ہوا۔ اور پھر کچھ خدا رسیدہ بزرگ آپ کی تلاش میں وہاں پہنچنے بھی لگے۔

مخدوم الملک جنگل میں جن حالات میں اپنی زندگی گذار رہے تھے۔ اس سلسلے میں شاہ مولانا عزیز اللہ حسام الدین بنارسی کبروی جو عہد شاہجہانی میں تھے اپنی تصنیف گوہرستان میں لکھتے ہیں :-

"حضرت عبداللہ شطار گوید کہ حالتے بر من کشف کردند و مرا بہ بالا بردند و در سباق عرش انقاب اکابر معرفت انگاشتہ بودند۔ چوں نگاہ کردم لقب شیخ بایزید بسطامیؒ سلطان العارفین دیدم و لقب شیخ شرف الدین سلطان المحققین اصحاب شریعت و طریقت۔ ہمہ بر بزرگی وے متفق اند۔ ہیچ چیز در پیش آں حضرت از نفس خود خوار تر نہ بود و از کمال فراخ حوصلگی ہرگز ماسوا نہ پرداختے و در ریاضت قہر نفس، چنداں قدغن داشت کہ چہل سال کامل بوئے طعام بہ مشام او نہ رسید۔

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۳۳

وتا دوازدہ سال وے را احتیاج بہ طہارت نیفتاد۔ ودر اثنائے ایں ریاضت سید العارفین سید علی ہمدانی سیاحت کناں شرف لقائے آں حضرت دریافت وسوال کرد کہ بندہ بہ مرتبہ صمدیت رسد یا نہ۔ فرمود چندگاہ باشید تا حال ایں مطلب برشما آشکارا سازند۔ وے شش ماہ در صحبت حضرت بسر برد دید کہ احتیاج بشریت ہیچ دراں حضرت نہ ماندہ است۔ خدشہ کہ داشت از خاطر او مرتفع شد۔ واز فرط نیاز مندی سند خرقہ خلافت از آں حضرت بہ سید رسید وفراواں فیض وبرکات از صحبت آں مرشد کامل اندوختہ رخصت سفر یافت۔ بعضے روز بت روز روح مبارک وے را معراج شدے وتن مبارک ہم چناں بحس وحرکت می بود۔ ویک مرتبہ کہ مردم آگاہ شدند دانستند کہ وے ازیں عالم رحلت کرد۔ فریاد وفغاں برداشتند۔ از سیر گاہ حقیقت عود نمود وبہ معذرت جواب تسلی مردماں فرمود۔"

مناقب الاصفیا میں ہے کہ کچھ دنوں کے بعد رفتہ رفتہ جب مخدوم الملک کے راجگیر جنگل میں قیام کی خبر مشہور ہوئی تو بہت سے طالبان صادق کی آمد و رفت شروع ہوگئی۔ مولانا نظام الدین مدنی جو سلطان الاولیا کے خلیفہ بھی تھے اور ایک خدارسیدہ بزرگ تھے۔ آپ کی بزرگی اور عظمت کے بہت زیادہ گرویدہ ہوگئے تھے اور آپ سے ان کو رفتہ رفتہ عشق ہوگیا، مخدوم الملک کی ملاقات کی غرض سے

اکثر راجگیر جنگل چلے جاتے اور ان کی تلاش میں جنگل جنگل مارے پھرتے انکے ساتھ اور بھی بہت سے شیدائیان مخدوم الملک ہوتے۔ آخر مخدوم الملک نے ان لوگوں کی محبت دیکھ کر ایک روز فرمایا کہ اس خوفناک جنگل میں آپ لوگ تشریف نہ لائیں میں خود ہی ہر جمعہ کو بہار شہر میں آکر آپ لوگوں سے ملاقات کروں گا۔ مولانا نظام الدین اور ان کے دوسرے ساتھی اس پر راضی ہو گئے اور تب سے مخدوم الملک ہر جمعہ کو جامع مسجد بہار میں آتے۔ نماز جمعہ کی پڑھکر اپنے محبوں سے ملتے اور پھر جنگل کی راہ لیتے۔ اس طرح کچھ مدت گذری۔ آخر مولانا نظام الدین اور ان کے ساتھیوں نے سوچا کہ کوئی جگہ جھونپڑی ہونی چاہئے جہاں بعد نماز جمعہ بیٹھ کر ہم لوگ مخدوم الملک سے تھوڑی دیر فیض حاصل کر سکیں چنانچہ احباب نے جہاں اس وقت موجودہ خانقاہ معظم ہے دو چھپر اڈال دیا۔ اور وہیں مخدوم الملک بعد نماز آکر مولانا نظام الدین اور دوسرے احباب کے ساتھ علمی مذاکرہ میں کچھ دیر وقت گذارتے کبھی کبھی ایک دو روز ٹھہر بھی جاتے کچھ دنوں کے بعد مولانا نظام الدین نے اس جھونپڑی کو اپنے پیسے سے مکان کی شکل میں تبدیل کر دیا اور مخدوم الملک کو بہت التجا اور اصرار کے بعد وہاں مستقل قیام پر راضی کر لیا۔ اور تمام فدائیان اور شیدائیان کی موجودگی میں آپ کو مسند نشینی پر بٹھلایا۔ مخدوم الملک نے سجادۂ نشینی پر بیٹھ کر مولانا نظام الدین سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "دوستو! تم لوگوں کی صحبت اور محبت نے بالآخر مجھ ناچیز کو اس

بت خانہ میں بٹھلا ہی دیا۔" وہاں قیام کرنے کے بعد مخدوم الملک کے
رشد و ہدایت تعلیم و تربیت کا کام بہت زوروں پر شروع ہوگیا۔ اور وہ وہاں
عبادت و ریاضت کے ساتھ تبلیغ اسلام اور رشد و ہدایت کی طرف بہت زیادہ
مشغول ہو گئے۔ خلقت اُمنڈ پڑی۔ آپ کی مقبولیت اور شہرت سُن کر سلطان
محمد تغلق نے دہلی سے اپنے گورنر مجد الملک کو فرمان بھیجا کہ شیخ شرف الدینؒ کے لئے
خانقاہ بنوا دیں اور ان کی اخراجات کیلئے پرگنہ راجگیر نذر کیا جائے۔ ساتھ ساتھ
ایک مصلیٰ بلغاری بطور تحفہ مخدوم الملک کیلئے بھیجا کہ ان کو نذر کیا جائے ساتھ ساتھ
یہ بھی لکھدیا کہ اگر شیخ شرف الدین میرے کسی تحفہ کو لینے میں تامل کریں تو انہیں
مجبور دیا جائے ان کے قبول کرنے کی ذمہ داری تم پر ہے۔ مجد الملک اس فرمان کو
لئے ہوئے مخدوم الملک کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور نذر قبول کرنے کی
درخواست کی، ساتھ ہی یہ بھی کہدیا کہ اگر آپ نے قبول نہ فرمایا تو بارگاہ سلطانی
سے میری خیر نہیں۔ آخر مخدوم الملک کو اپنی مرضی کے خلاف محض اس خوف سے
کہ مبادا مجد الملک مقطع بہار کو سلطان سے گزند پہنچ جائے قبول کرنا ہی پڑا
لیکن کچھ دنوں کے بعد جب سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد سلطان فیروز
تغلق تخت نشیں ہوا تو مخدوم الملک بہ نفس نفیس دہلی تشریف لے گئے۔ اور
سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر جاگیر داری کے فرمان اور دستاویز کو بڑی
لجاجت سے واپس کر دیا۔ اور فرمایا کہ جاگیرداری ہم فقیروں کی روش کے خلاف ہے

اس لئے مجھ کو اس عنایت سے معاف فرمایا جائے۔ فیروز تغلق اور اس کے درباری یہ دیکھ کر متحیر ہو گئے۔ بالآخر جب وہ واپس ہونے لگے تو سلطان نے منت وسماجت کے بعد کچھ رقم سفر خرچ کیلئے ساتھ کر دیا۔ مخدوم الملک نے اس کو قبول تو کر لیا لیکن دربار سے باہر نکلتے ہی ساری رقم ضرورت مندوں میں کھڑے کھڑے تقسیم کر دی اور خالی ہاتھ درویشانہ استغنا کے ساتھ بہار کو واپس ہوئے اور خانقاہ کے گوشہ میں بیٹھ کر تحریر وتقریر اور درس وتدریس کے ذریعہ لگ بھگ باون ۵۲ سال تک خلق خدا کو رشد وہدایت کی شمع دکھاتے رہے، آپکی بے شمار تصانیف مکتوبات اور ملفوظات ہیں جو آج بھی اسی طرح معدن فیوض اور مخزن برکات ہیں۔ خانقاہ میں مشائخ، علماء، فقہا، محدثین اور متکلمین کی مجلسیں برابر منعقد ہوا کرتیں اور مختلف مسائل کی رد وقدح کے بعد تنقیح اور توضیح ہوتی۔ ملفوظات میں ان ہی مجالس کی تصریح ملتی ہے۔ مخدوم الملکؒ کی ان مجالس میں حکم کی حیثیت ہوتی وہ ہر مسئلہ کی وضاحت اور تصریح اسطرح فرماتے کہ حاضرین کی پوری تشفی ہو جاتی۔ معدن المعانی کے دیباچہ میں مولانا زین بدر عربی (مرتب) نے لکھا ہے:۔

"ہر مجلس میں مریدوں، نیک بندوں اور سچی طلب رکھنے والوں کا مجمع ہوتا ان میں سے ہر ایک اپنے حال اور کام کے مطابق ایک سوال کرتا، جس کا تعلق طریقت، شریعت، حقیقت اور معرفت سے ہوتا۔

حضرت مخدوم الملک ہر سوال کا شافی جواب دیتے، ان کا بیان دلپذیر اور ان کے اشارے کنائے بے نظیر ہوتے، ہر بیان میں سیکڑوں معانی، ہر اشارہ میں ہزاروں لطیفۂ لاریبی اور ہر معنی میں بے انتہا مفہوم اور ہر لطیفہ میں لاتعداد ادراکات اور ہر مفہوم میں بے شمار حالات اور ہر ادراک میں بہت سے مقامات اور ہر حال میں ناقابل بیان ذوق اور ہر مقام میں اتنی خبریں ہوتیں جن کی گنجائش دنیا میں نہیں۔"

حیات ثبات (غیر مطبوعہ) میں سید شاہ نجم الدین نجم فردوسی مدظلہ نے لکھا ہے کہ ایک بار فیروز تغلق بہار پہنچا تو وہ مخدوم الملک سے ملاقات کیلئے ان کی خانقاہ میں حاضر ہوا، آپ اس کے استقبال کو باہر تشریف لائے۔ اور پذیرائی کے بعد آگے چلنے کو فرمایا، فیروز تغلق نے کہا:

در پیش روم طریق حاجب | در پس بروم چنیں ست واجب

مخدوم الملکؒ نے فوراً جواب دیا:

گر پیش روی چراغ راہی | در پس بروی جہاں پناہی

اور آگے بڑھا دیا۔

مصنف مناقب الاصفیا نے مخدوم الملکؒ کے مریدوں کی تعداد ایک لاکھ لکھی ہے۔ آپ کی خانقاہ میں جن کتابوں کا درس تدریس التزاماً ہوتا تھا ان میں چند حسب ذیل ہیں:-

تفسیر زاہدی، عوارف المعارف (از شہاب الدین سہروردیؒ) آداب المریدین (از حضرت ضیاء الدین ابو نجیب سہروردیؒ) زبدۃ الحکائق (از حضرت عین القضاۃ ہمدانی) (از شیخ الشیوخ) ملخص احیاء العلوم (حضرت امام غزالیؒ) مثنوی (حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ) شرح تعرف، لوامع (از حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ) سراج العارفین (از سلطان المشائخ)

مناقب الاصفیا[1] میں ہے کہ ایک مرتبہ قاضی زاہد نے جو کہ ایک مرد بزرگ اور دانش مند ہونے کے علاوہ مخدوم الملک کے عقیدت مندوں میں بھی تھے۔ ان سے پوچھا کہ "حضرت میں نے سنا ہے کہ تیس سال تک جنگل میں آپ نے کچھ نہیں کھایا اور نہ بول و براز کی ضرورت ہی آپ کو ہوئی، اس سے آپ کو کیا مقام حاصل ہوا۔" مخدوم الملکؒ نے جواب دیا یہ صحیح ہے کہ تیس سال تک جنگل میں سوائے جنگلی پتوں کے میں نے کچھ نہیں کھایا۔ اور بول و براز کی ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ لیکن کئی سال کے بعد ایک مرتبہ میں محتلم ہوگیا۔ سردی سخت پڑ رہی تھی۔ پانی کے کنارے نہانے کے لئے گیا تو دل میں آیا تیمم کر کے نماز پڑھ لوں لیکن پھر ضمیر نے ملامت کی کہ نفس شرع کی پناہ لینا چاہتا ہے۔ تالاب میں نہانے کے لئے اتر گیا تو پانی اتنا سرد تھا اور ہوا ایسی خنک چل رہی تھی کہ نہاتے ہی بے ہوش ہوگیا۔

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۳۶ و مونس القلوب قلمی صفحہ ۴۶ و ۴۷

اور کنارے پر بے ہوش پڑا رہا یہاں تک کہ آفتاب نکل جانے کے بعد اسکی گرمی کچھ حرارت بدن میں آئی تو ہوش آیا اور اپنی بدبختی سے فجر کی نماز قضا کر دی۔ اور پھر بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا[1] برادرم زاہد! شرف الدین نے جو کچھ ریاضت کی ہے اگر پتھر کرتا تو پانی ہو جاتا لیکن ہائے درماندگی بشریت کی اسے کچھ نہیں حاصل ہوا۔ وہ ویسا کا ویسا ہی رہا:ے

نہ حسنش غائیتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں

بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

مشہور ہے[2] کہ ایک مرتبہ قوالوں نے یہ رباعی مخدوم الملک کے سامنے پڑھی:ے

آنہا کہ خدائے من زمن می بیند	گر مغ بیند بہ صحبتم نہ نشیند
گر قصہ خود پیش سگے برخوانم	سگ دامن پوستیں زمن برچیند

مخدوم الملک کو اس پر کیفیت آگئی اور آپ بار بار فرماتے واللہ راست باللہ راست، سید حسن قدسی نے اس واقعہ کے بارے میں شیخ بہرامؒ سے پوچھا کہ تمہارے پیر شیخ شرف الدینؒ کو اس رباعی پر کیفیت آگئی تھی۔ اور وہ عالم بیخودی میں واللہ راست باللہ راست کہہ رہے تھے۔ ایسے جملے تو مبتدیوں کیلئے موزوں تھے نہ کہ مخدوم الملک جیسے صاحب کمال کیلئے۔ شیخ بہرامؒ نے جواب دیا:۔

---

[1] مونس القلوب قلمی صفحہ ۴۶ [2] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۳۶

النهاية هی الرجوع الی البدایة" یعنی انتہائے مدارج صوفیا کرام کے مقام عالیہ کے یہی ہیں کہ وہ انتہا سے ابتدا کی طرف لوٹے۔ یعنی مقام توحید سے پھر مقام تزویج میں پہنچے۔

نفس کشی پر مخدوم الملک بہت زیادہ زور دیتے تھے، اور اس میں ان کو بڑی لذت ملتی تھی۔ مناقب الاصفیا میں ایک[1] واقعہ لکھا ہے کہ آپ کے سامنے کسی عقیدت مند نے بہت لذیذ پالودہ پیش کیا، آپ نے اسکو اٹھا کر سونگھا اور پھر زمین پر رکھ دیا۔ اور قاضی زاہدؒ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"زاہد! میرے نفس نے ابھی مجھ کو ڈبو ہی دیا تھا لیکن شکر ہے اللہ نے بچالیا"

راجگیر کے جنگل میں قیام کے زمانے میں ایک بار آپ نے دیکھا کہ ایک دولتمند آدمی اپنے جاہ وحشم کے ساتھ ایک جگہ بیٹھا کھانا کھا رہا ہے اور اس کے ملازمین اس پر مورچھل ہلا رہے ہیں۔ آپ اس سے کھانے کی اجازت لیکر اس کے ساتھ کھانے پر بیٹھ گئے۔ اس کے ملازمین نے ایک آشفتہ حال فقیر کو اپنے دولت مند مالک کے ساتھ کھاتے دیکھا تو دل ہی دل میں بہت برافروختہ ہوئے۔ زبان سے کچھ کہہ تو نہیں سکتے تھے لیکن بار بار ملامت اور نفرت کی نظر سے ان کو دیکھتے جاتے تھے۔

مخدوم الملک ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اس ملامت اور عتاب کی نظر میں مجھے وہ لذت ملی کہ تین دن تک مجھ پر وجدانی کیفیت طاری رہی۔

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۳۶

ایک اور واقعہ[1] اسی طرح کا لکھا ہے کہ اسی زمانے میں ایک مرتبہ آپکا گذر ایک گوسالہ کے پاس سے ہوا آپ کو ایک گائے بھلی معلوم ہوئی اتفاق کی بات کہ وہ گائے کسی سبب سے گر کر مرگئی۔ چرواہے نے مخدوم الملک کو جادوگر سمجھا اور غصہ میں ایک دو لاٹھی جما دیا۔ مخدوم الملک بیان فرماتے تھے کہ اس مار میں مجھ کو عجب ذوق اور مزہ ملا کہ اس سے میر النفس کچلا جا رہا تھا۔

مخدوم الملکؒ اگر چاہتے تو ہزاروں کرامتوں کا وہ روز مظاہرہ کر سکتے تھے۔ اسلئے کہ علم وفضل ریاضت اور مجاہدے نے جو روحانی طاقت ان میں پیدا کر دی تھی۔ وہ اُس دور کے کم مشائخ کو حاصل ہوئی۔ لیکن ان کو کشف وکرامت کے اظہار سے بڑی نفرت تھی اور وہ ہمیشہ کرامتوں کے اظہار سے گریز کرتے تھے۔ بلکہ اگر کبھی ان کے حلقہ بگوش اور مریدان جو کرامت کا اظہار کرتے تو وہ ان سے ناخوش اور بیزار ہو جاتے تھے۔ مناقب الاصفیا[2] میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی کئی مردہ مکھیاں مخدوم الملک کے پاس لایا۔ اور استہزاءً ان سے کہا کہ سنتے ہیں کہ شیخ مردہ کو زندہ اور زندہ کو مردہ کر دیتا ہے۔ آپ ان مکھیوں کو زندہ کر دیجیے تو جانوں۔ مخدوم الملک نے بہت بردباری سے جواب[3] دیا، میں خود درماندہ ہوں، دوسرونکو کیا زندہ کر سکتا ہوں۔ یہ جواب پاکر وہ آدمی پھر مخدوم احمد چرمپوش کے پاس گیا۔ اور اسی طرح کا سوال استہزاءً ان سے کیا۔ احمد چرمپوش کو جلال آگیا۔ انہوں نے فرمایا

---

[1] بزم صوفیا صفحہ ۳۵۸ و مونس القلوب قلمی صفحہ ۴۸ [2] ایضاً صفحہ ۳۷ [3] مونس القلوب صفحہ ۸۰-۷۹

یہ درجہ اور مقام شیخ شرف الدین ہی مبارک ہو اور فوراً ان مردہ مکھیوں کی طرف دیکھ کر کہا "خدا کے حکم سے اڑ جا" وہ مکھیاں اڑ گئیں۔ اس آدمی کی پھر بھی آنکھیں نہ کھلیں۔ اس نے کہا اچھا اب زندہ کو مردہ کر کے بھی دکھلا دیجیے تو جانوں آپ نے فرمایا جاؤ راستے میں وہ بھی دیکھ لینا۔ وہ آدمی وہاں سے اٹھ کر تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ مر گیا مخدوم الملک کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو کبیدہ خاطر ہوئے اور اس آدمی کے جنازے کی نماز میں شریک ہوئے۔ شیخ احمد چرم پوش کو معلوم ہوا کہ مخدوم الملک جنازے کی نماز میں شریک ہوئے تو وہ بھی گئے اور تجہیز و تکفین میں شریک رہے۔

لیکن اتنی احتیاط کے باوجود بھی اکثر نادانستہ طور پر مخدوم الملک سے کرامتیں ظاہر ہو جاتی تھیں۔ مناقب الاصفیا[1] میں مرقوم ہے کہ ایک جوگی صاحب جمال بہار میں پہنچا۔ مخدوم الملک کے بعض مریدوں سے اس کی ملاقات ہوئی تو ان لوگوں کے دل میں یہ خیال گذرا کہ کفر کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو کیسا صاحب جمال بنایا ہے۔ اس جوگی نے صفائی باطن سے یہ خطرہ ان لوگوں کا معلوم کر لیا اور کہا آپ لوگ صوفی ہیں آپ لوگوں کو ایسا خیال دل میں نہ لانا چاہیئے پھر ان لوگوں سے ان کے "گرو" یعنی پیر کے بارے میں پوچھا، ان لوگوں نے پوری کیفیت جب بتائی تو اسے مخدوم الملک سے ملنے کا بے حد اشتیاق ہو گیا۔

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۳۸

اوران لوگوں کے ساتھ مخدوم الملکؒ کے آستانہ پر حاضر ہوا۔ مخدوم الملک اپنے حجرے میں تھے۔ جیسے ہی جوگی کی نظر ان پر پڑی وہ سراسیمہ ہو کر وہاں سے بھاگا، لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا اس وقت آپ لوگوں کا پیر "کرتار روپ" دھارے ہوئے ہے۔ میں ان کے سامنے کھڑا ہوتا تو جل جانے کا خوف تھا۔ مخدوم الملکؒ کو بعد میں جب اس واقعہ کی خبر ملی تو آپنے تبسم فرمایا اور کہا اب اسے بلا کر لے آؤ۔ جوگی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا۔ آپنے اسے صرف تین روز اپنے ساتھ رکھکر تعلیم و تربیت کی اور پھر رخصت کر دیا۔ مریدوں میں سے کسی نے پوچھا "حضرت اتنی قلیل مدت میں آپ نے اسے کیوں رخصت کر دیا، کیا اسکی تعلیم مکمل ہو گئی"۔ مخدوم الملک نے فرمایا وہ اپنا کام ختم کر کے آیا تھا۔ صرف کفر کا زنگ اس کے قلب پر حجاب بنکر حائل تھا۔ میں نے اسے کھرچ کر صاف کر دیا۔

مناقب الاصفیا[1] میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ قاضی زاہد نے مخدوم الملک سے پوچھا کہ "حضرت مردان خدا کی جتنی صفت آپ بیان فرماتے ہیں، کیا ہندوستان میں اس کے مطابق کوئی مرد خدا ہے۔" آپ نے جواب دیا "ہاں! وہ دیوانہ شرف الدین پانی پتی ایک مرد خدا ہے۔" قاضی زاہدؒ نے کہا "ہندوستان میں اتنے بزرگان دین ہیں پھر ان حضرت شرف الدین پانی پتی کی

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۳۷

کیا تخصیص ہے۔" مخدوم الملکؒ نے جواب دیا "آپ نے مردان خدا کے بارے میں پوچھا تھا نہ کہ بزرگان دین کے بارے میں۔"

مشہور ہے[1] کہ ایک مرتبہ مخدوم الملکؒ کی مجلس میں حلاجؒ کا ذکر آ گیا مخدوم الملک نے افسوس کے ساتھ کہا کہ اس زمانے میں اتنے ہم مشرب تھے لیکن کوئی ان کو نہ بچا سکا اگر میں ہوتا تو ان کو مقام فرویت سے زوجیت میں لے آتا اور قتل نہ ہونے دیتا۔ لیکن مشیت ایزدی کے سامنے بڑے سے بڑے شیخ کامل اور ولی اللہ کو بھی سر تسلیم خم کر دینا پڑتا ہے۔

شیخ ع۔ کاکوی اور احمد بہاری[2] دونوں ہر وقت جذب کے عالم میں رہتے تھے لیکن مخدوم الملک سے ان دونوں کو غائت درجہ کی عقیدت تھی۔ یہ دونوں ایک مرتبہ دہلی جا پہنچے اور توحید کے راز سربستہ کو ایسا عریاں کر کے بیان کیا کہ علما اور فقہا کیلئے ناقابل برداشت ہو گیا وہ دور حکومت فیروز تغلق کا تھا۔ اسکو جب اس کی خبر ملی تو اس نے محضر طلب کیا اور علما کے فیصلہ کے مطابق دونو انکو قتل کا حکم دیا۔ مخدوم الملکؒ کو جب اس قتل کی خبر ملی تو بہت متاسف ہوئے اور اسی حالت میں زبان سے نکل گیا کہ جس شہر میں ایسے خدا رسیدوں کا قتل ہوا اس شہر کا آباد رہ جانا مشکل ہے۔ اور خدا کی شان، یہی ہوا یعنی فیروز تغلق کے زمانے سے دہلی کی بربادی کے آثار شروع ہو گئے، اور

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۳۷ [2] مونس القلوب قلمی صفحہ ۷۹

بڑی سخت تباہی آئی۔ غرض اس واقعہ سے یہ ہے کہ روحانی اور بزرگی و
کمال اپنی جگہ پر ہے لیکن مشیت کے سامنے سبھی بے بس ہیں۔ رفتہ رفتہ
مخدوم الملکؒ کی یہ گفتگو فیروز تغلق تک جا پہنچی اور درباریوں نے اس کو
کچھ ورغلایا بھی۔ چنانچہ اس نے بہار کے مقطع کے نام حکم بھیجا کہ مخدوم الملک کو
دہلی بھیجو۔ یہ افواہ بہار بھی پہنچی تو مخدوم الملکؒ کے عقیدتمندان اور جاں نثاران
بہت مضطرب ہوئے لیکن آپ نے ان سب کو بلاکر اطمینان دلایا اور کہا کہ
سید جلال الدین کی مہربانی سے وہ حکم منسوخ بھی ہو چکا۔ تم لوگ متردد نہ ہو
اس درمیان میں واقعہ یہ ہوا تھا کہ اس حکم نامہ کے روانہ ہونے سے دو تین روز
بعد سید جلال الدینؒ کا خادم سلطان کے دربار میں کچھ تبرک لیکر پہنچا۔ سلطان
فیروز سید جلال الدینؒ کا معتقد تھا اس نے پوچھا مخدوم بہت روز سے تشریف
نہیں لائے کیا بات ہے میں مشتاق ملاقات ہوں۔ سید جلال الدینؒ کے
خادم نے جواب دیا کہ ابھی حال میں بہار سے مخدوم شرف الدین کا ایک
مکتوب حضرت کے پاس آیا ہے۔ جس کا مطالعہ حضرت معتکف ہو کر فرمارہے ہیں
اور کسی سے ملتے نہیں۔ سلطان فیروز مخدوم الملک کی اس بلندی مقام سے
آگاہ ہو کر بہت پریشان ہوا۔ اور طلبی کا فرمان بھیجنے پر بہت پشیمان ہوا
اور فوراً ایک مخصوص قاصد فرمان لیکر روانہ کیا کہ راستہ ہی سے وہ پہلا فرمان
واپس کیا جائے اور اگر وہاں پہنچ گیا ہو تو اس کو کالعدم سمجھا جائے۔

مناقب الاصفیا[1] میں برہان الاتقیا کے حوالہ سے مذکور ہے کہ اکاسی برس کا ایک بوڑھا ہندو مخدوم الملک کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوا۔ حاضرین نے مسرت کا اظہار کیا اور اس بوڑھے کی قسمت پر مبارک باد دی۔ مریدوں میں سے کسی نے مخدوم الملکؒ سے پوچھا کہ اگر اسی مجلس میں یہ بوڑھا مر جائے تو اس کا کیا انجام ہوگا۔ اکیاسی برس تک یہ کفر کی گندگی میں آلودہ رہا ہے اور ابھی دریائے اسلام میں غوطہ زن ہو کر گندگی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ مخدوم الملک نے جواب دیا کہ اس آیت کریمہ کے مطابق والذین امنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون وہ بلاشبہ پاک بے لوث جنت میں داخل ہوگا۔ بشرطیکہ خاتمہ بھی بخیر ہو۔

مخدوم الملک شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ اور مخدوم سید جلال الدینؒ کے درمیان آپس میں جو گہرے تعلقات اور مراسم تھے اس کے بارے میں مناقب الاصفیا[2] نے لکھا ہے کہ سید جلال الدین بخاری دہلی میں اکثر بہار کی طرف منہ کر کے سینہ ملتے اور فرماتے "عشق و محبت کی بو بہار سے آتی ہے۔"[3]

مخدوم الملک مخلوق کی دل جوئی اور پردہ پوشی کو زیادہ پیش نظر رکھتے تھے آپ کا عمل ہمیشہ ؎ "دل بدست آور کہ حج اکبر است"

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۳۹ - ۱۴۰ [2] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۴۱ [3] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۴۱

پر تھا۔ اکثر اس طرح کے واقعے ہوتے کہ آپ نفل روزہ رکھے ہوئے ہیں اور کوئی شخص کھانے کی کوئی چیز آپ کے سامنے رکھ کر ملتجی ہوا کہ اس کو کھا لیا جائے تو آپ اس کو دل شکستہ نہیں کرتے بلکہ نفل روزہ افطار کر لیتے تھے اور فرماتے تھے نفل روزہ تو توڑ سکتا ہوں لیکن اللہ کے کسی بندے کا دل توڑ کر میں اس کے سامنے کیا جواب دوں گا۔

ایک مرتبہ[1] ایک شخص نے بڑھ کر نماز کی امامت کی وہ آدمی شرابی تھا، اس لئے لوگوں نے اس کو مخدوم الملکؒ کے سامنے لایا اور کہا کہ اس شرابی کی جرأت دیکھئے۔ نماز جماعت کی امامت کے لئے آگے بڑھ گیا وہ آدمی خفیف اور دلگیر تھا۔ آپ نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ اس کو دق نہ کرو ہر وقت یہ شراب نہیں پیتا ہوگا۔ لوگوں نے کہا حضرت یہ ہر وقت شراب پیتا رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا رمضان میں تو ضرور ہی نہیں پیتا ہوگا۔ اور اس طرح اس کو زیادہ ذلیل ہونے سے بچا لیا۔

آپ کی تصانیف اور مکتوبات کی ان کے ہم عصر مشائخ کے دل میں کیا قدر تھی اس کا اندازہ مخدوم شعیبؒ کے اس روایت سے ہوتا ہے جو انہوں نے برہان الاتقیا کے حوالے سے اپنی تصنیف مناقب الاصفیا میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ نصیر الدین اودھی نے آپ کے مکتوبات کا مطالعہ کرنے کے بعد فرمایا تھا،

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۴۱

"سبحان اللہ شیخ شرف الدینؒ نے اپنے ان مکتوبات کے ذریعہ ہم لوگوں کے کفر صد سالہ کو روز روشن کی طرح آنکھوں کے سامنے کر دیا ہے۔"

اسی[1] طرح کا ایک واقعہ مرقوم ہے کہ سید جلال الدین بخاریؒ سے کسی نے پوچھا کہ آج کل اپنے آخری عمر میں آپ کا کیا مشغلہ ہے؟ فرمایا مکتوبات شیخ شرف الدینؒ کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ پھر کسی نے پوچھا آپ نے ان مکتوبات کو کیسا پایا؟ جواب دیا، ابھی تک میں ان مکتوبات کے بعض مقام کو سمجھ بھی نہیں سکا ہوں۔

مصنف مناقب الاصفیا نے[2] حضرت مولانا مظفر بلخی کے حوالہ سے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ مولانا مظفر بلخی قدس اللہ سرہٗ نے مخدوم الملکؒ سے پوچھا کہ آخر کیا بات تھی کہ اگلے زمانے میں مشائخ کافروں کو اگر کبھی سلام کر لیتے تھے تو وہ لوگ نہ صرف مسلمان بلکہ اللہ والے ہو جاتے تھے۔ اور اس دور میں مشائخ کو مریدوں کے ساتھ محنت شاقہ کرنی پڑتی ہے۔ مخدوم الملکؒ نے جواب دیا کہ اس زمانے کے کفار جو مسلمان ہوتے تھے استعداد رکھتے تھے اور آج کل کے مریدان استعداد نہیں رکھتے اسلئے ان کے پیروں کو محنت شاقہ کرنی پڑتی ہے۔

عوام کو رشد و ہدایت اور تلقین کرنے کے بارے میں مخدوم الملکؒ کو جہاں حد درجہ غلو اور شغف تھا وہاں سلطان اور امرا کو کڑی سے کڑی تنبیہہ کر دینے میں بھی ان کو ذرا جھجک نہ تھی، اور نتیجہ میں جہاں مولانا مظفر بلخیؒ جیسا،

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۴۰ [2] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۴۱

نازک مزاج شاہزادہ اور زین بدر عربیؒ جیسا رند بادہ خوار آپ کی نظر کیمیا اثر کے سامنے آکر غل و غش سے پاک و صاف نرم اور رقیق ہو جاتا تھا وہاں سلطان فیروز تغلق جیسا صاحب جلال و عظمت شہنشاہ بھی ان کی تنبیہ اور تلقین پر پوری توجہ سے عمل پیرا ہوتا تھا۔

بعض تذکروں[1] میں ہے کہ مولانا مظفر بلخیؒ پہلے پہل جب مخدوم الملکؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو علم و فضل کی بادۂ تند و تیز سے مخمور و سرشار تھے۔ علمی مسائل پر جو گفتگو شروع ہوئی تو نہایت تیز لہجے میں لانسلّمُ کی جھڑ لگادی وہ مخدوم الملکؒ سے مساویانہ انداز میں مناظرہ کرنے لگے۔ لیکن مخدوم الملکؒ نہایت تحمل اور بردباری سے ان کی ہر بات کا جواب دیتے اور سمجھاتے جاتے یہاں تک کہ دو چار روز کے بعد مولانا مظفر بلخیؒ حضرت مخدوم الملک کے علم و فضل اخلاق و بزرگی کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ پھر ان ہی کے ہو کر رہ گئے۔ اور ان کی غلامی پر مدت العمر فخر کرتے رہے۔

صاحب مناقب الاصفیا[2] نے مولانا زین بدر عربیؒ کے حوالہ سے ان کی اوائل زندگی کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ شراب پی کر نشہ میں دھت اپنی ماں کے پاس پہنچے اور کچھ روپیہ مانگا۔ ماں نے دکھی ہو کر جواب دیا "بیٹا! اگر تم نے کچھ کما کر رکھا ہو تو لے جاؤ۔" وہ شرمندہ ہو کر پلٹے تو سیدھے مخدوم الملکؒ

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۴۸ [2] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۴۱

کے آستانہ پر پہنچے مخدوم الملکؒ اس وقت قبلہ رو جانماز پر بیٹھے تو ہوئے تھے زین بدر عربیؒ کی طرف دیکھ کر فرمایا ادھر آؤ، جس مقصد سے تم آئے ہو معلوم ہے پھر جانماز کا ایک کونہ اٹھایا اور کہا اس میں دو مٹھی بھر کر روپیہ لے لو۔ زین بدر عربیؒ کو مصلےٰ کے نیچے بیشمار خزانہ نظر آیا۔ انہوں نے دو مٹھی بھر کر روپیے لیا اور باہر نکل گئے۔ اور ماں سے جا کر اس واقعہ کا ذکر کیا۔ ماں نے کہا۔ "بیٹا! ایسے بزرگ سے خدا کے دشمن کا دست سوال دراز کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا" بس ماں کی یہ بات تیر کی طرح لگی اور فوراً وہاں سے واپس ہوئے تو ان کی دنیا بدل چکی تھی۔ ہاتھ میں جو کچھ نقد تھا غریبوں کو دے دیا اور خود سچے دل سے تائب ہو کر مخدوم الملکؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مخدوم الملک نے انہیں شفقت سے پاس بٹھلایا اور فرمایا اچھا کیا جو توبہ کر لیا۔ انشاء اللہ اب نیکی ہی کی راستے پر رہو گے۔ پھر انہیں مرید کر کے اپنے رشد و ہدایت اور تعلیم و تربیت سے ان کو اللہ والوں کے مقام پر پہنچا دیا۔ یہی زین بدر عربی آپ کے مقربین خاص میں ہوئے، جنھوں نے مخدوم الملکؒ کے ملفوظات بڑی احتیاط سے جمع کئے ہیں۔

سلاطین کو تلقین اور سدھارنے کی کوشش کا اندازہ اس واقعہ سے ہو گا کہ ایک مرتبہ خواجہ عابد ظفر آبادی حضرت مخدوم الملکؒ سے فریادی ہوئے کہ ان کا مال سلطنت کے ظلم و تعدی سے برباد کر دیا گیا ہے۔ حضرت

مخدوم الملکؒ نے خط کے ذریعہ سلطان فیروز شاہ تغلق کو اس واقعہ سے باخبر کیا اور ایسے بلیغ اور عالمانہ انداز میں جرأت کے ساتھ اس کو عدل وانصاف کی تلقین کی کہ وہ بے حد متاثر ہوا اور اس نے فوراً اس کی تلافی کی ۔ اس مکتوب کا ترجمہ جگہ جگہ سے درج ذیل ہے :۔

" حضرت[1] بلال موذنؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسالت مآب علیہ السلام کے ساتھ ابوبکر صدیقؓ کے گھر میں مکہ میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا پیغمبر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا باہر جاکر دیکھو ۔ جب میں باہر آیا تو ایک نصرانی کو کھڑا دیکھا اس نے پوچھا " محمدؐ یہاں ہیں؟ " میں نے کہا " ہاں " وہ گھر کے اندر آیا اور کہا " یا محمد! تم کہتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں اور خدا کا بھیجا ہوا ہوں ۔ مجھ کو اور لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہو اگر تم رسول برحق ہو تو اس کو دیکھو کہ قوی ضعیف پر ظلم نہ کرے ۔ " پیغمبر علیہ السلام نے پوچھا " تم پر کس نے ظلم کیا ہے " اس نے کہا " ابوجہل نے میرا مال لے لیا ہے " یہ وقت آپ کے قیلولہ کا تھا اور بڑی گرمی پڑ رہی تھی لیکن آپ اسی وقت روانہ ہوئے تاکہ مظلوم کی مدد فرمائیں ۔ میں نے (یعنی حضرت بلالؓ) عرض کی یا رسول اللہ قیلولہ کا وقت ہے گرمی پڑ رہی ہے ۔ ابوجہل بھی قیلولہ کر رہا ہوگا وہ برہم ہوگا لیکن آپ نہ رکے اور اسی طرح خشمگیں ابوجہل کے دروازہ پر

---

[1] سہ صدی مکتوبات بہ حوالہ بزم صوفیا صفحہ ۳۶۳

پہنچ کر اس کو کھٹکھٹایا۔ ابوجہل کو غصہ آیا۔ اس نے اپنے بتوں لات وعزیٰ
کی قسم کھا کر کہا کہ جس نے دروازہ کھٹکھٹایا ہے اس کو جا کر مار ڈالوں گا
باہر آیا تو دیکھا کہ حضرت رسالت مآب کھڑے ہیں۔ بولا کیسے آئے۔ کسی آدمی کو
کیوں نہ بھیج دیا۔ پیغمبر اسلام نے غصہ میں فرمایا۔ اس نصرانی کا مال تم نے
کیوں لے لیا ہے اس کا مال واپس کر دو۔ ابوجہل نے کہا اگر اسی کے لئے
آئے ہو تو کسی آدمی کو کیوں نہیں بھیجدیا۔ مال واپس کر دیتا۔ پیغمبر صلعم نے
فرمایا 'باتیں نہ بناؤ اس کا مال واپس کر دو۔ ابوجہل تمام مال اسکا باہر لایا
اور اس کے حوالے کیا۔ نصرانی سے پیغمبر صلعم نے فرمایا اب تو تمہارا مال تمہارے
پاس پہنچ گیا۔ اس نے کہا لیکن ایک ادنیٰ تھیلا رہ گیا ہے۔ پیغمبر صلعم نے فرمایا
تھیلا بھی دو۔ ابوجہل نے کہا اے محمدؐ! تم واپس جاؤ میں اس کو پہنچا دونگا
حضرت رسالت مآب نے فرمایا میں اس وقت تک واپس نہ جاؤں گا،
جب تک تم تھیلا بھی واپس نہ کر دو گے۔ ابوجہل گھر کے اندر گیا اس کو
وہ تھیلا نہ ملا لیکن اس سے بہتر تھیلا لایا۔ اور بولا وہ تو مجھ کو نہیں ملا۔
مگر اس سے بہتر لایا ہوں۔ اور اسی کو اس کے بدلہ میں دیتا ہوں۔ پیغمبر
علیہ السلام نے فرمایا 'اے نصرانی! یہ تھیلا بہتر ہے یا وہ تھیلا بہتر تھا۔
اس نے کہا محمدؐ یہ بہتر ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا اگر تم یہ کہتے کہ وہ بہتر تھا
تو میں اس وقت تک واپس نہ جاتا جبتک میں قیمت لیکر تمہارے حوالہ نہ کرتا۔"

"ایک دوسری روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے خدائے تعالیٰ قیامت کے روز پل صراط کو عبور کرنے میں اس کی مدد کریگا اور بہشت میں جگہ دیگا۔ اور جو کوئی کسی مظلوم کو دیکھتا ہے اور وہ مظلوم اس سے فریاد کرتا ہے لیکن وہ فریاد نہیں سنتا تو قبر کے اندر اس کو آگ کے سو کوڑے مارے جائیں گے۔"

"حضرت انسؓ سے روائت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے اس کے لئے بہتر ۷۲ مغفرت لکھی جاتی ہے ان میں سے ایک تو اس کو دنیا میں مل جاتی ہے اس سے اس کا کام سدھر جاتا ہے اور بقیہ بہتر ۷۲ عقبیٰ میں ملتی ہے الحمدللہ کہ آپ (یعنی سلطان فیروز شاہ) کی ذات معظم و مکرم سے مظلوموں اور درماندوں کی جائے پناہ ہے اور آپ کی بارگاہ کا عدل و انصاف دنیا میں ظاہر ہو چکا اور انصاف کو یہ سعادت حاصل ہوتی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ایک ساعت کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے عاقبت بخیر ہو۔"

حضرت مخدوم الملکؒ نے ایک ملک زادہ کو نفس کے فریب کی جس طرح تعلیم دی ہے اس کی تفصیل معدن المعانی میں اس طرح مرقوم ہے:۔

"مبارک قصوری[1] نے زمین بوس ہو کر کہنا شروع کیا کہ جب میں

---

[1] معدن المعانی صفحہ ۲۱۲--۲۱۰

اپنے پیر کا مرید ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ اب تمہاری کیا خواہش ہے
تم ملک زادے ہو تمہاری طبیعت چاکری کی طرف مائل ہے یا خداوند
تعالےٰ سے مشغولیت کی طرف۔ میں نے عرض کی اب تو میں آپکی خدمت میں
ہوں، جیسا فرمائیں ویسا کروں۔ فرمایا کہ اس راہ میں سب سے بہتر چیز یہ ہے
کہ ہر چیز کو ترک کر دیا جائے میں نے بھی اس کو قبول کر لیا اور میری طبیعت
میں بھی یہی بات ہے۔ حضرت مخدوم نے اسکو مخاطب کر کے فرمایا،
اس میں شک نہیں کہ تمام چیزوں کو ترک کر دینا بہتر ہے اگر اس میں
استقامت ہو لیکن کچھ دنوں تمام چیزوں کو ترک کرنے اور ان سے
باز رہنے کے بعد پھر ان کی طرف التفات ہو جائے تو پشیمانی ہوتی ہے
اور اس قسم کے ترک سے کوئی فائدہ نہیں۔ ترک اسی وقت بہتر ہے
کہ پھر ترک کی ہوئی چیزوں کی طرف التفات نہو۔ ایسی حالت میں کام میں
استقامت اور سچائی ہوتی ہے۔ تم ملک زادے ہو اپنے دوستوں کی
مجلسوں میں بیٹھنے کی عادی ہو ان کی صحبت میں جاکر تم میں پھر تبدیلی ہوئی
تو ایسے ترک سے کیا فائدہ؟ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ
ہم نے تمام چیزوں کو ترک کر دیا۔ ہم زاہد اور عابد ہیں لیکن جب وقت آتا ہے
تو جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ نفس کے ایسے بہت سے دھوکے ہیں
دعویٰ بغیر امتحان کے قابل اعتماد نہیں۔ مبارک نے عرض کی۔ حضرت مخدوم

میرے دل میں اب کوئی آرزو باقی نہیں رہی ہے۔ حضرت نے فرمایا
یہ نفس کا فریب ہے یہ اسی طرح کا دھوکا دیتا ہے جس سے ایک شخص کو
یقین ہو جاتا ہے کہ اس نے تمام چیزوں کو ترک کر کے آخرت کی طرف
رُخ کر لیا ہے لیکن جو نفس کے فریب سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ سچ ہے
یا جھوٹ۔ نفس کی صفت کذب ہے۔ اور دل کی صفت صدق
نفس جو کچھ کہتا ہے جھوٹ ہوتا ہے دل جو کچھ کہتا ہے سچ ہوتا ہے اب
یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جو کام کیا جاتا ہے اگر اس کا فرمان دینے والا
دل ہوتا ہے اور اعضا اسی کو عمل میں لاتے ہیں جو دل کہتا ہے اور چونکہ
دل کی صفت صدق ہے تو عمل میں کذب کیوں پیدا ہوتا ہے اس کا
جواب یہ ہے کہ دل اور عمل میں جو ہم آہنگی نہیں ہوتی اسکی وجہ نفس ہے
نفس دل پر قابو پا لیتا ہے۔ اور اس کی جگہ بیٹھ کر چوری کرتا ہے پھر جو
کچھ کرتا ہے دل کی طرف منسوب ہو جاتا ہے۔ اسی لئے دل اور عمل میں
ہم آہنگی نہیں ہوتی اسکی مثال یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے تخت پر ایک
دیو بیٹھ گیا۔ وہ جو حکم دیتا تھا لوگ اسکو بجا لاتے تھے۔ کسی کو یہ خبر
نہ تھی کہ یہ دیو ہے یا حضرت سلیمان علیہ السلام، حالانکہ دیو حضرت سلیمان
کی جگہ فریب سے بیٹھا تھا۔ نفس کی صفت کا یہی حال ہے؛ ؎

ترا بر مملکت زاں نیست فرمان　　که دیوت هست بر جائے سلیمان

اگر آری بدست انگشتری باز   بہ فرمان آیدت دیو و پری باز

اہل معرفت نفس کی تلبیس سے واقف رہتے ہیں دوسروں کو اس سے واقفیت نہیں رہتی۔ اگر نفس کو کسی چیز کی خواہش ہوئی اور اس کو نہ پایا تو کہتے ہیں کہ قبض ہے۔ اور اگر پا لیا اور خوشی ہوئی تو کہتے ہیں بسط حاصل ہوا حالانکہ قبض و بسط دل کے احوال ہیں جو نفس ہی کا نتیجہ ہے مراد کے حاصل نہ ہونے سے رنج ہوتا ہے اور مراد کے پا لینے سے نشاط طاری ہوتا ہے۔ اہل ترک و تجرید تمام چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں ان کے سامنے جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کو خراب کر دیتے ہیں۔ اگر ان کا دل پھر ان چیزوں کی طرف مائل ہوتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا دل خراب ہو گیا۔ شیخ معز الدین نے پوچھا کیا نفس کی تلبیس ہر مقام پر ہوتی ہے؟ تو حضرت مخدوم نے فرمایا جب تک نفس مغلوب ہو جائے ہر مقام پر اس کا فریب جاری رہتا ہے۔ ارباب بصیرت نفس کی تلبیس سے کسی مقام پر غافل نہیں رہتے خواہ نفس ان کا کتنا ہی مطیع اور فرمانبردار ہو گیا ہو۔"

مخدوم الملکؒ کی زندگی حد درجہ سادہ اور درویشانہ تھی، آپ کا مستقل لباس مرزئی، کرتہ، تہہ بند اور چادر تھا۔ سر پر عمامہ ہوتا جس کا رنگ بالعموم صندلی ہوتا۔ ہم عصر مشائخ اور علما کی طرح عبا، چغہ

وغیرہ نہیں پہنتے۔ غذا میں مرشد کی ہدایت اور وصیت پر برابر کاربند رہے، یعنی بالعموم خشک روٹی، خشک چاول یا خشک کھچڑی کھا کر قوت عمل برقرار رکھتے۔ دن کے وقت اپنے گھر میں چولھا جلانے کی ممانعت کر دی تھی۔ ایک[۱] مرتبہ کوئی عزیز مہمان تشریف لائے تو آپ کی والدہ ماجدہ نے اسکی خاطرداری کیلئے دن کو چولھا سلگا کر روٹی سالن پکانا چاہا۔ مخدوم الملکؒ کو اسکی خبر نہ تھی انہوں نے گھر سے دھواں اٹھتے دیکھا تو سیدھے گھر پہنچے۔ اور ماں سے بڑی لجاجت سے فرمایا "حضرت آپ میری ایک عرض بھی قبول نہ کر سکیں"۔ ماں نے فوراً چولھا بجھا دیا اور آٹا گوشت جو کچھ کھانے کا سامان تھا مہمان کے حوالہ کر دیا کہ کسی کے یہاں پکوا کر کھالیں۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ فقرا کو کھانا اس طرح کھانا چاہیے جس طرح دوا کھائی جاتی ہے۔

خشیت اللہ اور حب الٰہی نے دل میں عجب گداز، سوز، رقت اور وارفتگی پیدا کر دی تھی۔ ایک مرتبہ مولانا نظام الدین نے اپنے وعظ میں مولانا رومی کے یہ دو اشعار پڑھے: ؎

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید — معشوق ہمیں جاست بیائید بیائید
انانکہ طلبگار خدائید خدائید — حاجت بہ طلب نیست شمائید شمائید

تو مخدوم الملکؒ پر عجب کیفیت طاری ہو گئی۔ اس شعر کو پڑھتے اور سر کو ستون سے

---

[۱] مونس القلوب قلمی صفحہ ۴۶

ٹکراتے یہاں تک کہ سر لہولہان ہوگیا[1]۔

مخدوم الملکؒ کے یہاں شریعت اور طریقت میں کوئی فرق نہیں تھا آپکا خیال تھا کہ بغیر عالم دین اور پابند شریعت ہوئے کوئی صوفی نہیں ہوسکتا۔ جاہل صوفی شیطان کا آلہ کار ہوتا ہے اس لئے آپ عالم دین کے ساتھ ساتھ شریعت کے سخت پابند بھی تھے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے ع

باخدا دیوانہ باش و باشریعت ہوشیار

مخدوم الملکؒ نے اپنی زندگی کا بڑا مقصد مخلوق الٰہی کی خدمت سمجھا تھا۔ مخلوق کی خدمت ہی میں وہ خالق کی خوشنودی سمجھتے تھے اور اسلئے آپ کی ساری توجہ حق العباد کی ادائگی اور مخلوق کی خدمت اور فیض رسانی کی طرف رہی۔ آپ اکثر فرماتے کہ "مسلمانوں کا کام انجام دینا اور ان کے کام میں لگے رہنا بڑی دولت ہے، یہ کام پیغمبروں کا ہے انہوں نے مسلمانوں کے کام کئے اور ان کی بلائیں اپنے سر لیتے رہے۔"

ملک خضر کو ایک مکتوب میں سمجھاتے ہیں:۔

اس تاریک[2] دنیا میں قلم زبان مال اور جاہ سے جہاں تک ممکن ہو محتاجوں کو راحت پہنچاؤ۔ صوم وصلوٰۃ و نوافل اپنی جگہ پر اچھی ضرور ہیں لیکن دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ سودمند نہیں۔"

---

[1] مونس القلوب قلمی صفہ ۱۸۴ و بزم صوفیا صفہ ۳۷۳ [2] بزم صوفیا صفہ ۳۷۳

سماع کو آپ نہ صرف جائز بلکہ حب الٰہی اور معرفت کیلئے ضروری سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے لئے خاص خاص شرائط بھی آپ نے مقرر کر دئے تھے اس مبحث پر آپ نے اپنے اکثر ملفوظات اور مکتوبات میں روشنی ڈالی ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ معدن المعانی باب ہفتم صفحہ ۴۷۱-۴۶۱ میں اور مکتوبات سہ صدی کے ترانوے مکتوب میں اس پر تفصیلی اور سیر حاصل بحث ملتی ہے۔ جس کا لب لباب یہ ہے کہ :-

"سماع سے اگر اللہ تعالےٰ کی محبت کی تحریک ہو اور مکاشفات اور ملاطفات ظہور پذیر ہوں تو یہ حلال ہے اور اگر اس سے طبیعت فسق و فجور کی طرف راغب ہو تو یہ حرام ہے اور اگر کچھ حق اور کچھ غیر حق کی طرف متوجہ ہو تو یہ مکروہ ہے، اور حق و مجاز دونوں کی طرف مائل ہو لیکن حق کی طرف زیادہ رجحان رکھے تو یہ مباح ہے۔ سماع اگر طلب منفعت کیلئے ہے تو یہ مذموم ہے اور اگر طلب حقیقت کے لئے ہے تو یہ محمود ہے۔"

(ملخص از معدن المعانی)

"سماع اہل حق کے لئے مستحب ہے۔ اہل زہد کے لئے مباح اور اہل نفس کے لئے مکروہ ہے۔"

مجلس سماع کیلئے تین شرطیں ضروری ہیں۔ مکان اخوان اور زمان۔ مکان سے مراد یہ ہے کہ جہاں مجلس سماع منعقد ہو وہ مشائخ کی جگہ ہو

اور پاکیزہ کشادہ اور روشن ہو۔ اخوان سے مراد یہ ہے کہ مجلس سماع میں
شریک ہونے والے درویش یا درویش کے دوست ہوں۔ ساتھ ہی اہل تمیز
صحبت یافتہ اور مرتاض ہوں ــــ زمان سے مراد یہ ہے کہ سماع کے وقت
دل تمام چیزوں سے پاک و صاف رہے۔ مجلس سماع کے آداب کی پابندی
بھی ضروری ہے مثلاً اس میں شریک ہونے والے با وضو ہوں۔ دو زانو
بیٹھیں، سر کو آگے جھکائے رکھیں، دائیں بائیں نہ دیکھیں۔ ہاتھ اور سر کو
جنبش نہ دیں۔ پیاس معلوم ہو تو پانی نہ پئیں۔ آپس میں گفتگو نہ کریں۔ قوال
کی خوش گوئی کی داد نہ دیں۔ اشعار کو بہتر طریقہ پر پڑھنے کی فرمائش نہ کریں
دل کو اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ رکھیں۔" (ملخص از مکتوبات سہ صدی)

سماع سے آپ کو گہرا ذوق تھا لیکن اپنے مرشد کی ہدایت سے
کہ سماع کے باطنی احوال ظاہر نہ ہوں۔ کبھی غافل نہیں ہوئے اور ہمیشہ
اس پر عمل پیرا رہے۔ سماع میں جب آپ پر کیفیت طاری ہوتی تو فوراً خلوت میں
چلے جاتے اور دروازہ بند کر لیتے۔ وہاں کسی کو آنے کی اجازت نہ ہوتی۔ مزامیر کو
آپ حرام سمجھتے تھے۔ چنانچہ مکتوبات صدی کے مکتوب سوم میں لکھتے ہیں:۔

"دوم گناہے است کہ میان بندہ و خدا است۔ چنانکہ شراب خوردن
و ربوا خوردن و زنا کردن و آواز مزامیر شنیدن"

پانچ شوال روز چہار شنبہ کو صبح کی نماز کے بعد ہی سے مخدوم الملک نے

سفرِ آخرت کی تیاری شروع کر دی تھی اور خشیت و محبت کے ملے جلے جذبے کے ساتھ اپنا قدم پیا کے آستانے کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھانے لگے ؎

شرفا گور ڈراون لنس اندھیاری رات   واں نہ پوچھے کوئی تمہاری جات

جی مگن میں ہے کہ آئی ہیں سہانی رتیاں

جن کے کارن تھے بہت دن سے بنائی گتیاں

اور ۶ شوال جمعرات کی رات عشا کی نماز کے وقت اپنے مالک سے جا ملے۔ قطرہ سمندر میں اور جزو کل میں مل گیا۔ ان سولہ گھنٹوں کی کیفیات اور روداد کو ان کے مخصوص مرید مولانا زین بدر عربی نے اپنے دوستوں اور پیر بھائیوں کی فرمائش پر تفصیل سے قلمبند کر دیا ہے۔ جو وفات نامہ مخدوم الملکؒ کے نام سے مطبوعہ ہے اس کے پڑھنے سے حضرت مخدوم الملکؒ کے وداع کا مکمل منظر مع ان کی وصیتوں کے پیش نظر ہو جاتا ہے۔ اس کی افادیت کے تحت اس کا خلاصہ یہاں درج ذیل ہے:

۵ شوال روز چہار شنبہ کو نماز صبح کے بعد حضرت مخدوم الملکؒ نے رواق میں بر سر سجادہ تکیہ فرما ہوئے۔ اور شیخ خلیل الدین برادر حقیقی و خادم خاص، اور بعض دوسرے مریدین و معتقدین جیسے قاضی شمس الدین، مولانا شہاب الدین، خواجہ مینا، مولانا ابراہیم، مولانا اموں، قاضی میاں اور ہلال و عتیق اور بہت سے دوسرے عزیزان اور خدام جو کہ ہر وقت مثل پروانہ کے حضرت کے ساتھ رہتے تھے۔ اس وقت جمع ہو گئے۔ یکایک حضرت مخدوم الملک

زبان مبارک پر لاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم جاری ہوگیا
پھر آپ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا تم لوگ بھی لاحول ولا
قوۃ الا باللہ العظیم پڑھو۔ سب نے حکم کی تعمیل کی پھر مسکراتے ہوئے
بطور تعجب کے فرمایا کہ سبحان اللہ وہ ملعون اس وقت چند مسئلہ توحید میں
کچھ چاہتا ہے کہ متزلزل کردے۔ کچھ دیر لاحول ولاقوۃ الا باللہ
العظیم پڑھنے کے بعد دعاؤں اور وظیفوں میں چاشت تک مشغول رہے
چاشت سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑی دیر بعد زور سے چلا اٹھے الحمد للہ
والحمد للہ۔ خدا نے کرم کیا۔ پھر خوشی دل اور قوت باطن کے ساتھ الحمد للہ
والمنۃ للہ بار بار پڑھنے لگے۔ پھر رواق سے صحن رواق میں تشریف لائے
اور تکیہ کے سہارے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد دست مبارک بڑھایا۔ اور
بطور مصافحہ قاضی شمس الدین کا ہاتھ پکڑا، تھوڑی دیر پکڑے رہے پھر چھوڑ دیا
وداع انہیں سے شروع ہوا۔ پھر قاضی زاہد کا ہاتھ پکڑ کر سینہ مبارک پر رکھا
اور فرمایا "زاہد ہم وہی ہیں"۔ پھر فرمایا "ہم وہی دیوانے ہیں وہی دیوانے ہیں" اور
پھر مقام تواضع میں نزول فرمایا اور کہا بلکہ ہم خاک کفش دیوانگان ہیں۔
پھر ہر ایک کو بڑی بشارت دیکر ہر ایک کے ہاتھ اور داڑھی کو بوسہ دیا۔
اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کا امیدوار کیا۔ اور یہ آیت بلند آواز سے
پڑھی لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً او

پھر یہ شعر زبان مبارک سے نکلا : ؎

خدایا رحمت دریائے عام است وزانجا قطرہٗ مارا تمام است

پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر کل تم سے پوچھا جائے کہ کیا کیا لائے ہو تو کہنا لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً لائے ہیں۔ اور اگر مجھ سے میرا مالک پوچھے گا تو میں بھی یہی کہوں گا۔ پھر کلمہ شہادت بلند آواز سے پڑھنے لگے اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ اور یہ دعا بھی پڑھی رضیت باللہ ربا وبا سلام دینا وبمحمد علیہ السلام نبیاً وبا القران اماماً وبا الکعبۃ قبلۃً وبا المومنین اخواناً وبا الجنۃ ثواباً وبا النار عقاباً ۔ پھر مولانا تقی الدین اودھی کی طرف منہ کر کے ہاتھ بڑھایا اور آغوش میں لیا اور فرمایا، عافیت بخیر ہو اور بہت مہربانی فرمائی پھر پکارا "آمون! مولانا آمون دروازہ کے پاس رواق کے اندر تھے لبیک کہتے ہوئے دوڑے قدمبوس ہوئے، آپ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے منہ اور سینہ مبارک پر ملنے لگے اور فرمایا تم نے میری بہت بہت خدمت کی ہے تم کو نہ چھوڑوں گا خاطر جمع رکھو۔ ہم سب لوگ ایک جگہ رہیں گے اگر کل تم سے پوچھیں کہ تم کیا لائے ہو تو کہیو لا تقنطو امن رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنو

جمیعا - اگر مجھ سے پوچھیں گے تو میں بھی یہی کہوں گا - حاضرین سے کہدو
کہ خاطر جمع رکھیں اگر میری آبرو رہ گئی تو کسی شخص کو نہ چھوڑوں گا،

اسی طرح باری باری ہر ایک آتے تھے اور قدمبوس ہوتے تھے اور
بعضے تجدید بعیت کی درخواست کرتے تھے اور آپ ہاتھ پکڑ کر اسی بات
پر اکتفا کرتے تھے کہ میں نے قبول کیا اور دلجوئی کرتے تھے - اور لوگوں کی
خدمت و محبت کا شکریہ ادا کرتے تھے - اور دعا فرماتے تھے - پھر وہ لوگ
رخصت ہو جاتے تھے - پھر مولانا شہاب الدین ناگوری آئے اور آپ نے
کئی بار اُن کے سر اور منہ اور ریش اور دستار کو بوسہ دیا - آہ آہ الحمد للہ
الحمد للہ کہتے ہوئے اپنا ہاتھ ان پر پھیرتے تھے اور درود پڑھتے تھے
اور مولانا شہاب الدین جب جب حضرت مخدوم الملک کے روئے مبارک پر
نظر کرتے تھے درود پڑھتے تھے پھر فرمایا تم نے میری بہت خدمت کی
ہے اور حسن خلق کے ساتھ تم نے میری موافقت اور ملازمت کی ہے
عاقبت بخیر ہو - مولانا شہاب الدین نے مولانا مظفر بلخی اور مولانا نصیر الدین
جونپوری کی یاد دلائی اور عرض کیا کہ ان لوگوں کے باب میں کیا ارشاد
ہوتا ہے، آپنے بہت مسرت کے ساتھ مسکراتے ہوئے اور پانچوں انگلیوں سے
سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا :- کہ "مظفر میری جان ہے
اور میرا جانان ہے" اور مولانا نصیر الدین بھی ایسے ہی ہیں - جو کچھ خلافت

اور مقتدائی میں چاہیے سب ان لوگوں میں موجود ہے۔ پھر قاضی شمس الدین
آئے اور حضرت مخدومؒ کے پہلو میں بیٹھے۔ مولانا شہاب الدین اور ہلال
اور عتیق نے عرض کیا کہ قاضی شمس الدین کے بارے کیا حکم ہوتا ہے فرمایا
قاضی شمس الدین کو کیا کہوں گا، قاضی شمس الدین میرا فرزند ہے ـــــ
مکتوبات میں کتنی جگہ کہیں اس کو فرزند لکھا ہے کہیں برادر۔ علم درویشی کے
ظاہر ہونے کا باعث وہی ہے اسی کے واسطے اتنا کہنا اور لکھنا ہوا ہے
نہیں تو کون لکھتا۔ پھر مولانا نظام الدین اودھی قدمبوس ہوئے آپنے فرمایا
بیچارہ وہاں سے قصد کر کے میرے پاس آیا تھا آپ کے سر مبارک پر
طاقیہ تھی اُتار کر دیا اور عاقبت کی دعا دی اور فرمایا کہ یار و جاؤ اور
اپنے دین و ایمان کا غم کھاؤ اور مشغول بحق رہو۔ پھر حضرت شیخ خلیل الدین
برادر حقیقی اور خادم خاص جو کہ آپ کے پہلو میں بیٹھے تھے انھوں نے آپ کا
ہاتھ پکڑا آپنے ان کی طرف کیا اور فرمایا خلیل خاطر جمع رکھ وہ دیدار
پیر و مرشد کے آئندہ محروم ہو جانے کے خیال سے آزردہ خاطر اور آبدیدہ
ہوئے تھے۔ حضرت مخدومؒ نے نہایت شفقت سے فرمایا۔ خاطر جمع
رکھو اور دل مضبوط کرو۔ اسکے بعد بیچارہ مسکین یعنی زین بدر عربی نے
سر زمین پر رکھا ترساں و لرزاں تجدید بیعت اور توبہ کی نیت سے سلطان المحققین
حضرت مخدومؒ کا دست مبارک پکڑا اور چوم کر اپنے سر آنکھوں اور

پتلیوں پر پھرایا، ارشاد ہوا کون ہے، عرض کیا اس آستانہ کا کتا
زین بدر ہے توبہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ تجدید بیعت قبول فرمائے
آپ نے فوراً فرمایا جاؤ میں نے تم کو قبول کیا۔ اور تمہارے تمام گھر کو
قبول کیا اور تمہارا خیل خانہ سب میرے متعلق ہے سب کو قبول کیا۔ اور
کپڑے پہنانا تمہارے ذمہ تھا تمہارے فرزندوں کو بھی اختیار دیا خاطر جمع
رکھو۔ اگر میری آبرو رہ گئی میں تم کو بھی نہ چھوڑوں گا۔ بیچارہ نے عرض کیا
کہ مخدوم جہان کے غلاموں کو آبرو حاصل ہے فرمایا بہت کچھ امید ہے
اسی طرح لوگ آتے تھے اور آپ سب سے فرماتے تھے کہ ایمان کا غم کھاؤ اور
رحمت و مغفرت کا امیدوار کرتے تھے اور بار بار آیت لاتقنطوا پڑھتے تھے
اور فرمایا کہ میں جو کہتا تھا عاقبت عاقبت وہ یہی عاقبت ہے یعنی وہ
یہی عاقبت ہے۔ پھر آپ نے ایک لڑکے کو دیکھ کر پنج آیت پڑھنے کی
فرمائش کی اور وہ سامنے ادب سے بیٹھ کر یہ آیت معظم پڑھنے لگا محمد
رسول اللہ والذین معہ آپ تکیہ کے سہارے لیٹے ہوئے تھے
اٹھ بیٹھے اور ادب سے دوزانو ہو کر حضور قلبی کے ساتھ سننے لگے جب وہ
پڑھ چکا، آپنے فرمایا خوب ادا کرتا ہے اس کے بعد پیراہن جسم مبارک سے
اتارنے لگے وضو کے لئے پانی مانگا اور آستین مبارک چڑھائی اور مسواک
مانگی اور بسم اللہ بہ آواز بلند پڑھی اور وضو شروع کیا۔ اور دعائیں برمحل

پڑھتے جاتے تھے دونوں ہاتھ دھوئے کہنیوں تک اور منہ دھونا سہو ہوگیا، شیخ خلیل الدین نے یاد دلایا کہ منہ نہیں دھویا ہے۔ آپ نے سرنو سے وضو کیا تسمیہ اور دعائیں جس طرح پر کہ آئی ہیں ہر محل میں بڑی احتیاط سے پڑھتے تھے۔ اس حالت میں اس قدر احتیاط کے ساتھ پڑھنے پر حاضرین کو تعجب ہوتا تھا۔ قاضی زاہد نے داہنے پاؤں دھونے میں مدد کرنا چاہا تو آپ نے باز رکھا اور خود سے وضو کو مکمل کو کیا۔ پھر شانہ طلب کیا اور ریش مبارک میں کنگھی کیا اور جانماز طلب کرکے دو رکعت ادا کی آخر کار نماز مغرب کی تھوڑی دیر بعد آپ نے بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنا شروع کیا اور بار بار اعادہ کرتے تھے پھر آیت لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین پڑھی پھر کئی بار بلند آواز سے بسم اللہ اور کلمہ شہادت پڑھا۔ پھر لاحول پڑھی اور کلمہ طیبہ پڑھتے تھے۔ بسم اللہ کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کئی بار یہ کلمہ پڑھا اور محمد رسول اللہ کہنے کے بعد بہت ذوق اور قوت دل اور اشتیاق سے کئی بار زبان سے نکلتا تھا۔ محمد محمد محمد، پھر درود پڑھا پھر آیت ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء آخر تک پھر یہ دعا پڑھی رضیت باللہ ربا آخر تک پھر تین بار کلمہ طیبہ پڑھا، پھر ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر بطور مناجات یہ دعا پڑھی اللھم اصلح امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللھم ارحم امۃ محمد اللھم اغفر لامۃ

محمد اللھم تجاوز عن امۃ محمد اللھم اعث امۃ محمد اللھم اعن
امۃ محمد اللھم انصر من نصر دین محمد اللھم فرج عن امۃ محمد
فرجا عجلا اللھم اخذل من خذل دین محمد برحمتک یا
ارحم الراحمین ٥ دعائے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آواز کم ہو گئی یہ
آیت سنی جاتی تھی کہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون' لا الہ الا اللہ
پھر لا الہ الا اللہ پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا اور اپنے خالق سے
جا ملے ؎

این جان عاریت کہ بحافظ سپرد دوست روزے رخش بہ بینم و تسلیم وے کنم

۸ شوال جمعرات کے روز چاشت کے وقت مدفون ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون

وصال کے وقت آپ نے اپنے مریدوں سے فرمایا تھا کہ میرے جنازے
کی نماز ایسا شخص پڑھائے گا جو صحیح النسب سید تارک سلطنت اور حافظ قرات سبعہ
ہو گا۔ جنازہ رکھا ہوا تھا اور منتظر تھے کہ یکایک حضرت مولانا اشرف جہانگیر سمنانی
رحمۃ اللہ علیہ اس جگہ وارد ہوئے یہ تینوں شرطیں آپ میں موجود تھیں۔ اس لئے
جنازے کی نماز پڑھانے کی سعادت آپ ہی کے حصہ میں آئی۔ مزار اقدس بہار شریف
محلہ بڑی درگاہ میں واقع ہے۔ اونچی قبر آپ کی ہے اور اس کے پچھم پست قبر آپ کی
والدہ ماجدہ کی ہے۔

حضرت مخدوم الملکؒ کی تصانیف و تالیفات کی تعداد عام طور پر

سترہ سو مشہور ہے لیکن مطبوعہ اور غیر مطبوعہ سب ملا کر ہمیں صرف مندرجہ ذیل کتابوں کا پتہ چلتا ہے۔

مکتوبات :- (۱) مکتوبات صدی (۲) مکتوبات دو صدی (۳) مکتوبات بست و ہشت (۴) فوائد رکنی۔

ملفوظات :- (۱) معدن المعانی (۲) مخ المعانی (۳) راحت القلوب (۴) خوان پر نعمت (۵) کنز المعانی (۶) مغز المعانی (۷) گنج لایفنی (۸) مونس المریدین (۹) تحفہ غیبی، (۱۰) ملفوظ الصفر (۱۱) برات المحققین۔

تصانیف :- (۱) شرح اداب المریدین (۲) عقائد شرفی (۳) ارشاد السالکین (۴) ارشاد الطالبین (۵) اجوبہ کاکویہ (۶) اوراد خورد (۷) اوراد اوسط (۸) فوائد المریدین (۹) اجوبہ زاہدیہ (۱۰) رسالہ اشارات (۱۱) رسالہ مکیہ (۱۲) اوراد کلاں۔

مکتوبات کے ان چاروں مجموعے میں ہمیں آپ کی تعلیم اور ہدایتیں ملتی ہیں یہ خطوط یوں تو امرا، مریدین اور محبوں جیسے ملک مفرح، ملک معز الدین، شمس الملک شمس الدین خوارزمی وغیرہ کے نام وقتاً فوقتاً لکھے گئے ہیں لیکن سب سے زیادہ حصہ اس میں ان مکتوبات کا ہے جو مخدوم الملک نے اپنے مرید قاضی شمس الدین حاکم چوسہ

کے نام لکھے ہیں ۔

(۱) مکتوبات صدی ۷۴۷ھ میں مخدوم الملکؒ سے لکھے گئے تھے۔ ان کو مولانا زین بدر عربی نے جمع کر کے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اس میں تمام تر قاضی شمس الدین حاکم چوسہ کے نام مکاتیب ہیں۔ یہ وہی قاضی شمس الدین ہیں۔ جن کے بارے میں مخدوم الملکؒ نے اپنے وصال کے وقت فرمایا تھا۔

"قاضی شمس الدین کو کیا کہوں قاضی شمس الدین میرے فرزند ہیں متعدد بار میں نے کبھی ان کو فرزند اور کبھی برادر لکھا ہے ان ہی کی وجہ سے میرا علم درویشی ظاہر ہوا ان ہی کے لئے مجھکو کہنا اور لکھنا پڑا ورنہ کون لکھتا۔"

قاضی صاحب کی مشغولیت انتظام مملکت کے سلسلے میں بہت زیادہ تھی، اس لئے وہ بہت زیادہ مخدوم الملکؒ کی خدمت میں حاضر باش نہیں رہ سکتے تھے۔ مخدوم الملکؒ نے ان کی تعلیم کا انتظام مکتوبات کے ذریعہ کیا۔ مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام اہم مسائل پر اجمالاً مگر محققانہ بحث کی گئی ہے مثلاً ایک مکتوب میں باطنی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ظاہری اخلاق کو سنوارنے کی تلقین اس طرح کی گئی ہے:۔

"برادرم[۱] شمس الدین! خداوند تعالٰے کی اطاعت میں مستقل مزاج رہو

---

[۱] مکتوبات سہ صدی صفحہ ۲۰۳

کاتب حروف کے سلام و دعا کے بدلے برادر، یہ ضروری ہے کہ تم اپنے اخلاق کی
بُری باتوں کو اچھی باتوں میں تبدیل کرنے میں روزانہ ہر ممکن کوشش کرو
اور اس کو ایک اہم کام سمجھو۔ اس کام کو تم نے چھوڑ دیا یا اس سے غافل ہو گئے
تو پھر بلائیں پیش آئیں گی۔ نعوذ باللہ منہا۔ اس دنیا کے جانوروں اور
چوپایوں میں جو صفات ہیں ان میں سے ہر ایک صفت انسان میں بھی
پائی جاتی ہے۔ اور اس قسم کی جو صفت انسان میں غالب رہتی ہے، وہی
قیامت کے روز صورت بن کر ظاہر ہوتی ہے۔"[1]

ایک اور مکتوب میں قاضی شمس الدین کو اس طرح سمجھاتے ہیں:۔

"یہ ضروری ہے کہ کپڑا جسم اور لقمہ پاک اور حلال ہو۔ جو اس خمسہ بھی معصیت سے
پاک ہو دل بھی اوصاف ضمیمہ یعنی بخل اور حسد وغیرہ سے پاک ہو پہلے کی
پاکی سے مرید راہ حق میں دو قدم آگے بڑھ جاتا ہے اور تیسرے کی یعنی دل کی
پاکی حاصل ہوتی ہے تو مرید تین قدم آگے بڑھ جاتا ہے اور مرید پر توبہ کی
حقیقت واضح ہوتی ہے اور وہ حقیقتاً تائب ہو جاتا ہے۔"

ایک مکتوب میں قاضی صاحب کو طمع و نفاق سے بچنے کی تلقین اس طرح کرتے ہیں:۔

برادرم شمس الدین! معلوم ہو کہ نفاق سے ایک کام کرنا اور صدیقوں کے[2]
رتبہ کی طمع رکھنا دینداروں کی پہچان نہیں تمہارا کوئی کام طمع سے خالی نہیں ہوتا

---

[1] مکتوبات سہ صدی صفحہ ۱۸۶-۸۷ [2] مکتوبات سہ صدی صفحہ ۲۰۵

خالص نیت کا راز اظہار عبودیت میں ہے نہ کہ طمع میں ۔ طمع اور چیز ہے اظہار عبودیت اور چیز ۔ یہ بات کچھ غور کرنے کے بعد معلوم ہوئی ہے لیکن ہم تم ایسے ہیں کہ کچھ رشوت ہی لے کر خدا کی بندگی کرتے ہیں ع

" نہ ہے عشق و ز رشوت دوست خواہی داشت جاناں را "

سعادت اور شقاوت کا فرق صوفیانہ انداز میں ملاحظہ ہو :۔

برادرم شمس الدین[1] ! معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ کے دو خزانے ہیں سعادت اور شقاوت ایک کی کنجی طاعت ہے اور دوسرے کی کنجی معصیت ہے جو کہ ازل سے السعید من سعد فی بطن امہ کے مصداق ہیں ۔ ان کے ہاتھ میں سعادت کی کنجی یعنی طاعت دی گئی ہے ۔ اور جو ازل سے الشقی من شقی فی بطن امہ کے مصداق ہے ۔ ان کے ہاتھ میں شقاوت کی کنجی یعنی معصیت ہے اور آج ہر شخص اپنے ہاتھوں میں دیکھ سکتا ہے کہ کون سی کنجی اس کے پاس ہے اور یہ بات سنت الٰہی کے مطابق ہے سعید و شقی کو علمائے آخرت دیکھتے ہیں نہ کہ علمائے دنیا لیکن بندہ کی تمام عزت اور دولت اسی میں ہے کہ وہ طاعت اور عبادت میں مشغول رہے "

ایک مکتوب میں معاملات کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں :۔

برادرم شمس الدین[2] ! ہر وہ معاملہ جس کا جواز قرآن میں نہیں ، بے جا ہے

---

۱ مکتوبات سہ صدی صفحہ ۲۱۵ ۲ مکتوبات سہ صدی صفحہ ۲۵۵

ہر خواہش جو شریعت میں نہیں باطل ہے۔ ہر دلیل جو دین کی تائید میں لائی جائے لیکن دینی نہیں ہے محض باطل ہے اور ہر استعانت جو دین کی خاطر کی جائے لیکن دینی نہیں ہے مردود ہے۔"

(۲) **مکتوباتِ دو صدی** :۔ اس کو بھی مولانا زین بدر عربی نے مکتوبات صدی کی ترتیب کے بائیس سال بعد ۷۶۹ھ میں مرتب کیا تھا۔ مصنف بزم صوفیا صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے خدا بخش خاں کی لائبریری میں اس کا جو مخطوطہ دیکھا ہے اس میں مرتب کا نام محمد بن محمد بن عیسٰی البلخی المدعو بہ اشرف بن رکن لکھا ہے۔ یہ بھی مطبوعہ ہے۔ ان تینوں سو مکتوبات کو کتب خانہ اسلامی پنجاب لاہور نے سہ صدی مکتوبات کے نام ایک جگہ جمع کر کے چھاپ دیا ہے۔

صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے بزم صوفیا میں لکھا ہے کہ "انڈیا آفس میں مخدوم الملک رح کے مکتوبات کا ایک اور مجموعہ بھی ہے جس میں ۱۲۵ مکتوبات ہیں اس میں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کے نام خطوط ہیں، ان دونوں کو حضرت مخدوم الملک رح "فرزند" کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں۔ جس سے انڈیا آفس کے کیٹلاگر کو ان دونوں مکتوب الیہ کے متعلق حضرت مخدوم الملک کے صاحبزادے ہونے کا دھوکا ہوا ہے۔ یہ مخطوطہ غالباً ابھی تک منظر عام پر نہیں آیا ہے۔

(۳) **مکتوباتِ بست و ہشت** :۔ یہ مولانا مظفر بلخی قدس اللہ سرہ کے نام لکھے گئے اٹھائیس خطوط کا مجموعہ ہے جو اب طبع ہو چکا ہے ۔۔۔ مشہور ہے کہ

حضرت مخدوم الملکؒ نے مولانا مظفر بلخیؒ کے نام دو سو سے زیادہ خطوط لکھے تھے جن کو وہ عوام کی نظروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے اور اس میں ایک حد تک کامیاب بھی ہوئے اس لئے کہ ان خطوط کے پلندے کو ان کے مریدین نے ان کی وصیت کے مطابق ان کی قبر میں دفن کر دیا۔ صرف یہ اٹھائیس خطوط کسی طرح باہر رہ گئے جو رفتہ رفتہ عام ہو گئے۔

(۴) فوائد رکنی :- گیارہ فوائد پر مشتمل لگ بھگ ۸۳ صفحات کا ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جو حاجی رکن الدین زائر الحرمین کی استدعا پر حضرت مخدوم الملک نے اپنے عزیز مرید اور جمیع برادران اسلام کے فائدے کیلئے ۷۶۹ھ کے بعد تحریر فرمایا تھا۔ یہ مخدوم الملکؒ کے مکتوبات کا خلاصہ ہے۔ اور مکتوبات کی شکل میں بھی ہے اس لئے ہم نے اس کو مکتوبات ہی کے زمرہ میں رکھا ہے۔

اس کتاب کے سبب تالیف کے سلسلے میں مولانا زین بدر عربی لکھتے ہیں:-

"حاجی رکن الدین زائر الحرمین نے حضرت قطب المشائخ اوحد العصر غریب الدہر شیخ شرف الحق والدین احمد یحییٰ منیری متع اللہ المسلمین بطول بقائہ وادام علینا نعمۃ لقائہ کے حضور میں عرض کی کہ اس درویش ناچیز کے لئے چند فوائد مکتوبات سے لکھ دیے جائیں تاکہ سفر و حضر میں مونس مددگار رہیں چنانچہ لطف عمیم و شفقت قدیم کے باعث اس غریب کی التماس قبول ہوئی۔ بعدہٗ ان بہترین فوائد کو مرغوب عبارتوں میں

بقلم خود حضرت مخدوم الملکؒ نے الرقام فرمایا تاکہ عام و خاص برادران اسلام

رات دن اس سے منتفع ہوتے رہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ جو شخص ان

فوائد کو بہ نظر تحقیق دیکھے گا اور دقائق پر غور کی نگاہ ڈالے گا اور حضور دل سے

پڑھے گا، اور یقین کامل رکھے گا اور رسم و عادت کو دخل نہ دے گا، تو

جو نعمت پانا ہے پالے گا، اور جو حقائق دیکھنا ہے دیکھ لے گا۔ واللہ

الموفق لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔"

فائدہ اول میں عشق الٰہی پر زور دیا گیا ہے لکھا ہے کہ روزہ نماز فرض

لیکن باطن میں عشق و محبت فرض ہے چونکہ عشق ہی بندہ کو خدا تک پہنچاتا ہے۔

فائدہ دوم میں راہ کی پرخطری، منزل کی دوری، قالب کی کمزوری

اور دل کی مجبوری و بیچارگی سے آگاہ کیا ہے۔ اور پھر لکھا ہے کہ ایسی حالت میں آرام

و قرار سے بیٹھنے کا موقع کہاں یہ وقت تو جبہ و دستار، کلاہ و قبا سب کو آگ لگا کر

توجہ و ماتم میں مصروف ہونے کا ہے۔

فائدہ سوم میں انسان کی برتری پر زور دیا گیا ہے اسے خلاصہ موجودات

اور زبدہ مخلوقات لکھا ہے جو کچھ بشر ہے بقیہ چیزیں نقش بر دیوار ہیں۔

فائدہ چہارم میں بتایا گیا ہے کہ آغاز ارادت میں مریدوں کو چلّے کا حکم

کیوں دیا جاتا ہے اور یہ چلّہ کی رسم صوفیہ کے یہاں کب سے چلی آتی ہے۔

فائدہ پنجم میں بتایا گیا ہے کہ مریدوں کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح

اور پیروں کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا ہونا چاہئے۔

فائدہ ششم میں دنیا کو مکار، پر فریب، غدار اور شہد نمائے زہر داد ثابت کر کے اس سے قطع تعلق کرنے کی ہدایت کی ہے۔

فائدہ ہفتم میں حضرت مخدوم کا وہ خط ہے جو کمال تواضع وانکساری کیساتھ آستانہ صدری کے لئے قبل تحریر ہوا تھا۔

فائدہ ہشتم میں منقول ہے کہ خواجہ یحییٰ معاذ رازیؒ نے سلطان العارفینؒ کو لکھا کہ یہاں ایک شخص ایسا ہے جو خفیف سے قطرے سے مست ہو گیا ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہاں ایک شخص ایسا ہے کہ تمام دریا فرد حلق کر لینے کے بعد ھل من مزید پکار رہا ہے۔

فائدہ نہم میں الدنیا کثیف الآدم (دنیا آدم کا پائخانہ ہی) کے مشہور مقولہ کی طرف توجہ دلا کر دنیا سے دامن بچانے کی تلقین کی گئی ہے اس فائدہ کا خلاصہ یہ شعر ہے: ؎

در کوئے بتان رفت ہمہ عمر دریغا   چوں برہمن پیر بہ بت خانہ بماندیم

فائدہ دہم میں ثابت کیا گیا ہے کہ جس طرح قوت جسمانی اکل وشرب سے متعلق ہے اس طرح قوت روحانی بھوکے پیاسے رہنے سے بڑھتی ہے۔

فائدہ یازدہم میں تحریر فرمایا ہے کہ جماعت صوفیا کے رموز واشارات سے آگاہی حاصل کرنے اور ان کے کاموں کا معائنہ کرنے کے خواہش مند لوگوں کو

ان اشعار معانی و مطالب کو پیش نظر رکھنا چاہیے :۔

نمی دانم کرا ماتم بدیں سیرت گرفتارم

نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد نہ بدکارم

خلق گوئندم بروز زنار بندلے بت پرست

در تن خسرو امین رگ کہ آن زنار نیست

فوائد رکنی کا ترجمہ حضرت سید شاہ محمد شفیع فردوسی رحمۃ اللہ علیہ فرزند رشید جناب سید شاہ امین احمد قدس سرہٗ نے ۱۹۲۷ء میں کرنیکی کوشش کی تھی، اور اس کا کافی حصہ کر بھی دیا تھا جو رسالہ الامین بہار شریف میں سلسلہ وار چھپتا رہا۔

فوائد رکنی کے بارے میں جناب مترجم نے اپنی رائے کا اظہار ایک جگہ اس طرح فرمایا ہے :۔

"اسکی لطافت[1] اس کی حلاوت، اس کے معانی، اس کے بیانات، اس کے رموز و اشارات وہ ہیں کہ ارباب بصیرت انوار فیوض و برکات اقتباس کر سکتے ہیں اور تشنگان سوز تپ فراق شربت وصال سے سیراب ہو سکتے ہیں"

مخدوم الملک ؒ کی تمام تصانیف اور ملفوظات یوں تو اہم اور مشعل ہدایت ہیں لیکن ان کے مکتوبات کی اہمیت، مقبولیت اور افادیت بالخصوص

---

[1] رسالہ الامین بہار شریف بابت جنوری ۱۹۲۷ء

بہت زیادہ ہے۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں اپنی رائے کا اظہار اس طرح کیا ہے:۔

"وفراواں[1] تصانیف ازو یادگار ازاں میان مکتوبات اودر سرشکنی نفس آزمون دارد۔"

مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ مکتوبات حضرت مخدومؒ کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں:۔

"اورا تصانیف عالی است از جملہ تصانیف او مکتوبات مشہور ولطیف ترین تصانیف اوست بسیارے از آداب طریقت واسرار حقیقت درانجا اندراج یافتہ۔"

اب ہم مختصراً مخدوم الملکؒ کے مکتوبات سے ان کی تعلیمات کا خلاصہ پیش کریں گے ساتھ ہی تصوف کے بعض اہم مسئلوں پر جو انہوں نے اپنی رائے ظاہر کی ہے اس کو بھی درج کریں گے۔ فوائد رکنی میں ایک جگہ فلسفہ عشق وجنوں کی اہمیت پر اس طرح رقم طراز ہیں:۔

"برادر[2] عزیز! ظاہر میں جس طرح نماز روزہ فرض ہے باطن میں اسی طرح عشق ومحبت فرض راہ ہے۔ اس کی ابتدا غم دین سے ہوتی ہے اسلئے درد واندوہ اس کا خمیر بنایا گیا ہے تم کچھ سمجھے، عشق فرض راہ کیوں ہوا

---

[1] آئین اکبری جلد ۳ صفحہ ۱۷۲ [2] ترجمہ فوائد رکنی از حضرت شاہ محمد شفیع فردوسی مطبوعہ الامین ۱۹۲۶ء

اس لئے کہ عشق بندے کو خدا تک پہنچاتا ہے۔ واہ رے عشق اگر سچ پوچھو تو زندگی عشق ہی سے ہے بے عشق جینا تو موت سے کہیں بدتر ہے کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

مجنوں عشق را دگر امروز حالت است
کہ اسلام دین لیلیٰ و دیگر ضلالت است

اور کہنے والے کہتے ہیں کہ عشق ایک ایسی آگ ہے کہ جہاں کہیں پہنچتی ہے جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے۔ ان محبان خدا کے دل کی حالت تو کچھ نہ پوچھو وہ اک آتشکدہ ہو رہا ہے۔ خیریت یہ ہے کہ کسی وجہ سے اس کی آگ دبی ہوئی ہے۔ اگر ایک ذرہ بھی وہاں کا شرر افشاں ہو تو کون و مکان کو جلا کر رکھدے۔ جب نا عشاق کہتے ہیں کہ سارے جہان پر تو عذاب آتش دوزخ سے ہوگا اگر دوزخ پر عذاب کی نوبت آئے گی تو اس وقت عشاق ہی کے دل کی آگ سے کام لیا جائے گا اللہ اکبر عاشقوں کے سوز دروں کی کچھ انتہا بھی ہے۔ بیسوں دریا کا پانی ان کے دل کی آگ تک پہنچے تو چھن سے ہو کر رہ جائے اس ظاہری آگ کو اس سے کیا مقابلہ ہے یوں سمجھو کہ اس آگ کے لئے یہ آگ ایک سوکھی سی لکڑی ہے۔ اسی کی مقام کی بابت کسی نے کہا ہے ؎

ہر کہ او در عشق چوں آتش نہ شد
عیش او در عشق ہرگز خوش نہ شد

کہا جاتا ہے کہ فردائے قیامت جس وقت عشاق قبر میں بیدار ہوں گے

پہلا کام ان کا یہ ہوگا کہ درد واندوہ کے خزانے کو اپنے دل میں ڈھونڈھیں گے اگر ذرا برابر بھی کم پائیں گے تو اس درجہ فریاد وفغاں سے ان کی حالت افسوسناک ہو جائے گی کہ دوزخیان مبتلائے صد رنج والم کو ان پر رحم آئے گا جب تو کسی نے کہا ہے: ؎

گر شود این درد دامن گیر تو　　　بس بود این درد دائم پیر تو

مگر برادر عزیز! جہاں تک ہو سکے اس کی کوشش کرو کہ ذرہ برابر بھی سوز عشق آج ہی حاصل ہو جائے کیونکہ یہ وہ صفت ہوگی کہ قبر میں بھی تمہارے شامل جائیگی اور قیامت میں بھی کام آئے گی یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللّٰہ بقلب سلیم۔ اسی معنی کے لحاظ سے کسی نے کہا ہے: ؎

در گور برم از سر گیسوئے تو تارے　　　تا سایہ کند بر من روز قیامت

برادر عزیز! ہم تم سے کیا کہیں عشاق کی راہ عجب پیچ در پیچ ہے اور مجنوں کا معاملہ نہایت سخت ہے کوئی نامراد اس کو سن بھی نہیں سکتا اور کوئی محنت طریقت اس کا بار اٹھا بھی نہیں سکتا۔ مجنوں کی طرح عاشق صادق ہونا چاہیے تاکہ سنگ ملامت کی چوٹ کھا کر زخمی بھی ہو مگر اف تک نہ کرے اور فرہاد کے ایسا ہمت والا ہونا چاہیے تاکہ کوہ بے ستون کھودنے کی جرأت کرے اور زلیخا کے مانند از خود رفتہ ہونا چاہیے تاکہ علانیہ یوسف کا چپے ورنہ

ع　　برد باری کن کہ عاشقی کار تو نیست

برادرِ عزیز! تم جانتے ہو کہ جس دن پیشوائے عشاق کا جلوس شاہانہ تختِ دار پر ہوا تھا تو امام شبلیؒ نے کیا مناجات کی تھی۔ یہ ہے اسکے الفاظ یہ تھے "بارِ الٰہا دوستوں پر یہ تیغ بے نیازی کب تک چلتی رہے گی آخر اس قتل بے سبب کا باعث" جواب ملا تھا کہ ان کو خون بہا ملے پھر حضرت شبلیؒ نے پوچھا کہ الٰہی ان کا خون بہا کیا ہے۔ کہا گیا کہ جس کے مقابلہ میں ساری نعمت دنیا و آخرت ہیچ ہے یعنی میرا جمال باکمال۔ میری بقائے لازوال من قتلہ فانا دیتہ کیا خوب کسی نے کہا ہے:

بے جرم و گناہ عاشقاں را می کش ۔۔۔ پس بر سرِ گورِ شاں زیارت می کن
اے آشنائے کوئے محبت صبور باش ۔۔۔ بیداد نیکو آں ہمہ ہر آشنا رود

تجرید و تفرید تصوف کے بہت نازک مسئلے ہیں فوائدِ رکنی[۱] کے ایک فائدہ میں حضرت مخدوم الملکؒ نے اس کی وضاحت اور تشریح اس طرح فرمائی ہے:

"بھائی! یہ جان لو کہ تجرید و تفرید اس راہ میں شرط ہے۔ تجرید کے یہ معنی ہیں کہ علائق سے قطع تعلق ہو اور تفرید اس کو کہتے ہیں کہ انسان اپنی ہستی کو بھول جائے۔ صاحب تجرید و تفرید کی حالت یہ ہوتی ہے کہ دل میں کسی قسم کا غبار نہیں رکھتا پیٹھ پر اس کی کوئی بوجھ نہیں ہوتا خود وہ کسی گنتی میں نہیں آتا۔ نہ اس کے سینے میں وسواس کا بازار لگتا ہے نہ خواہشات کا انبار

---

[۱] رسالہ الامین بابت جولائی و اگست ۱۹۲۷ء

جمع ہوتا ہے کسی مخلوق سے اس کو کچھ غرض نہیں ہوتی ہمت اسکی عرش کی چوٹی سے گزری ہوتی ہے وہ دونوں جہان سے بھاگ کر مراد کے ساتھ آرام گزیں ہوتا ہے۔ کونین اس کو مل جائے اور دوست نہ ملے تو وہ ہرگز خوش نہیں ہوتا اور ہر دو عالم کی کل نعمتوں سے محروم رکھا جائے، مگر وصل حبیب سے میسّر ہو تو ذرہ برابر وہ ناخوش نہیں رہ سکتا۔ ایک عزیز کا قول ہے کہ لا وحشۃ مع اللہ ولا راحۃ مع غیر اللہ کیا خوب کسی نے کہا ہے: ؎

با تو دل مسجد ہست وبے تو کنشت　　بے تو دل دوزخ است و با تو بہشت

تمہیں اس کی خبر ہے کہ اگر انسان کو کوئی نہ پوچھے تو اس کا کچھ خسارہ نہیں، مگر اللہ تعالےٰ کی اس پر نظر عنایت نہو تو اس سے اس کو کسی حال چارہ نہیں ہو سکتا۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس وقت مناجات کی کہ بارالہا! ہم تجھے کہاں ڈھونڈیں کہاں پائیں، جواب ملا کہ ٹوٹے ہوئے دلوں میں تلاش کرو۔ آپنے فرمایا کہ ہم سے بڑھ کر شکستہ دل کون ہوگا، حکم ہوا کہ جب یہ ہے تو ہم وہیں ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ انا یدک اللازم سب سے چارہ ہے ہم سے چارہ نہو گا۔ اس پر قائم ہو جاؤ۔

برادر! تجرید و تفرید کی شان یہ ہے کہ دعویٰ کے نقوش کو مٹا دیتی ہے اور دیدہ خود بیں کو نکال کر پھینک دیتی ہے۔ صاحب تجرید

وتفرید کی نظر میں موت وحیات برابر ہو جاتی ہے۔ خلق اللہ رد کرے یا قبول، اس کی مدح میں تر زبان ہو یا ذم کیا کرے اسکی ترازو میں دونوں کا پلہ مساوی ہے۔ بہشت دوزخ کی جگہ اس کے دل میں نہیں ہوتی۔ دنیا وآخرت کی فکر اس کے سینے میں گذر نہیں کرتی۔ کھانے کپڑے کے لئے وہ کسی مخلوق کی خوشامد نہیں کرتا اور دست سوال اس کے سامنے نہیں پھیلاتا ظاہر ہے کہ جو تیراک سمندر میں غوطے لگا کر گوہر شب چراغ نکال لیتا ہے وہ کسی غریب بڑھیا کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی طرف کیا توجہ کرے گا۔ مقصود دلی اس کا اللہ کی درگاہ کے سوا کچھ نہیں، ہاتھ اس کا ماسوی اللہ کی طرف نہیں بڑھتا، پائے طلب کو اس کی عالی ہمتی کچھ ایسا تیز رو بنا دیتی ہے کہ مرکب جادو کرامات عاجز ہو کر رہ جاتا ہے اور اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے، ننگ نام وسلامتی کی تختی کو وہ ایسا دھو ڈالتا ہے کہ یہ حرف اس پر نہیں جمتے، دل میں اس کے بار بار یہ آتا ہے کہ لو زاحمنی العرش لمحقتہ یعنی اگر عرش مجید ہماری ہمت کے سامنے آئے تو اس کو پست کردیں۔ ولو اقبلنی الکونین لهدمتہ اور اگر دنیا وآخرت ہماری ہمت کا مقابلہ کرے تو اس کو عدم کی راہ دکھائیں۔ خوش عیشی اسکی یہ ہوتی ہے کہ ہر لحظہ طور سینا طلب پر شوق میں آجاتا ہے، اور ارنی ارنی نعرہ مارتا ہے پر مطلوب ومحبوب کی بارگاہ سے بمقتضائے

غیرت و حجاب معشوقانہ لن ترانی کا جواب ملتا ہے اور یہ اسکو خوشی دل سے سنتا ہے اللہ اللہ کیا معاملات ہیں اور اس آب و خاک کے عشق کا کیا زور شور ہے۔ جب مرید کی تجرید و تفرید اس مرتبہ پر پہنچی ہے اس وقت عالم میں اسکی جلوہ گری اسی شان سے ہوتی ہے یعنی داؤد وقت کو حکم ہوتا ہے کہ دیکھو فلاں شخص ہمارا طالب صادق ہے تم جاکر اسکی خدمت بجالاؤ۔ یا داؤد اذا رایت طالبا لی مکن لہٗ خادمًا۔ اب مقام غور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ایسا جس کا خادم ہوگا اس کی کیا شان ہوگی اور دوسروں کی اس کے آگے کیا ہستی ہو سکتی ہے۔

برادر عزیز! کارخانہ خداوندی کو عقل قیاس نہیں کر سکتی۔ وہ اسکی مشیت پر موقوف ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ آذر بت تراش کے گھر میں ابراہیم خلیل اللہ کو دیکھو اور جن عبداللہ کے دور میں کعبہ بت کدہ ہو رہا تھا، محمد حبیب اللہ محمد رسول اللہ محمد نور اللہ کی ولادت ان کے گھر میں ملاحظہ کرو۔

برادر عزیز! کارخانہ خداوندی کی سمجھ مرید کو آہستہ آہستہ حاصل ہوتی ہے اور بتدریج وہ اس مرتبہ پر پہنچتا ہے اور تمہیں بھی یہ درجات حاصل ہوں گے۔ انشاء اللہ

برادر عزیز! جو کانٹا آج دین کی راہ میں تمہیں نظر آئے فوراً اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکو۔ اگر ایسا نہ کروگے تو ایک نہ ایک دن وہی کانٹا

تیر بن کر تمہارے دل وجگر میں چبھے گا۔"

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ پروردگار عالم نے اسے اپنا خلیفہ کیا ہے یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں لیکن مخدوم الملک نے فوائد رکنی کے ایک فائدہ میں انسان کے مدارج کی تشریح اور تفصیل جس عالمانہ انداز اور صوفیانہ پیرایہ میں فرمائی ہے وہ ملاحظہ ہو:۔

"برادر عزیز! جانتے ہو انسان کے مدارج کیا کیا ہیں، بشر تمام موجودات کا خلاصہ ہے اور سارے مخلوقات کا لب لباب۔ ہر چیز اس کیلئے پیدا کی گئی ہے جو کچھ دولت ملی اسی کو ملی اور سبھوں کو نقش بر دیوار سمجھو۔ جب یہ حال ہے تو اپنی حقیقت سے غافل رہنے کا بالکل موقع نہیں۔ اٹھارہ ہزار عالم میں تم کو وہ نعمت عظمیٰ نہ ملے گی جو اس آب وخاک نے پائی۔ ونفخت فیہ من روحی کی شان دیکھو یہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں ذرا اس پر غور کرو۔ فرشتوں کا قدس فرشتوں کی طہارت معلوم مگر بل عباد مکرمون" سے زیادہ اعلیٰ درجہ ان کو نہ ملا۔ اور آب وخاک کو دیکھو کہ یحبھم ویحبونہ کے لائق سمجھا گیا:۔

خاک را چوں کار پاک افتاد — پیش آدم عرش در خاک افتاد

اللہ اللہ اس اہتمام بلیغ کی کوئی انتہا بھی ہے کہ جس وقت ایک مشت

---

[1] رسالہ الامین بہار شریف بابت ستمبر سنہ ۱۹۲۷ء

خاک کو اس کی قدرت کاملہ نے خمیر آدم تیار کرنے کیلئے علیحدہ کیا تو چالیس برس تک اپنے آفتاب نظر کے سامنے اس کو رکھا تاکہ اس کی ہستی کی طراوت اس سے دُور ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس کے بعد ملائکہ کو حکم ہوا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو جاؤ اور ایک نادر صورت و بے مثال جمال کا نظارہ کرو اور اس کے آستان جلال کی خاک بوسی کرو کہ وہ ساتوں آسمان سے بلند پایہ ہے صرف یہی نہیں بلکہ تم کو لازم ہے کہ اس مخزن الانوار کو سجدہ کرو۔ وہ آدم صفی ہے جو ہمارا خلیفہ ہوگا۔ فقعولہٗ ساجدین ؀

برادر عزیز! یہ مقام غور ہے کہ اس قدر عزت و مرتبت اتنی تعریف و توصیف اس درجہ قدر و منزلت اس مٹی کی تھی یا اور کسی چیز کی۔ سنو! ہرگز یہ مٹی اس لائق نہ تھی بلکہ لطائف الہٰی سے ایک لطیفہ اور اسرار بادشاہی سے ایک سر اس کو عنایت ہوا تھا جس کا نام دل ہے۔ اور سویدائے دل آدم میں وہ ودیعت سپرد کی گئی تھی جس کی تعبیر روح اللہ سے ہے قل الروح من امر ربی یہ وہی راز سربستہ ہے جو زبان مطہر سے حضرت خواجہ عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ظاہر کیا گیا کہ خلق ادم علی صورتہٖ اسے تم تمثیل و تشبیہ کے طور پر نہ سمجھنا بلکہ ہذا سرٌ عظیم کا درجہ اس کو حاصل ہے۔

اب سنو ملاء اعلیٰ نے جب وہ حسن وہ بزرگی وہ مرتبہ معائنہ کیا

تو اس خاک بے باک کے آستانہ پر جان و دل نثار کرنے کو آمادہ ہو گئے
ایک وہ ملعون بارگاہ البتہ کھینچا رہا اس کا سبب یہ ہوا کہ چمگادڑ کی طرح
اس کی آنکھ اقبال آدم کے آفتاب کو نہ دیکھ سکی ہزار وہ آنکھ ملتا رہ گیا
مگر اس کی مدبری ایک ذرہ بھی اس دولت سے مستفیض نہ ہو سکی واقعی
سمجھنے کی بات ہے کہ ذات آدم میں اگر اسرار غیب ودیعت نہ ہوتے تو
اس مشت خاک میں یہ اہلیت کب ہوتی کہ حجرہائے قدس کے رہنے والے
اور منبر انس کے خطیب اس کو سجدہ کرتے اور اس گلِ بے حاصل کو
یہ آبرو کیونکر ملتی کہ جبریل امین و میکائیل باتمکین کو یوں کہا جاتا کہ
اُسجدو الآدم۔ بات وہی ہے کہ انسان صرف ایک مشت گِل ہی
نہیں بلکہ صاحبِ دل ہے جو پر از اسرار ہے اس نے اس حکمت سے
اس کو آراستہ کیا۔ تمام عقلائے عالم انگشت حیرت بدندان ہیں کہ یہ
مشت خاک اور اس بارگاہ میں یوں محبوب۔ ایک بزرگ کا مقولہ ہے
کہ قسم خدا کی وہ ہم کو دوست نہیں رکھتا بلکہ اپنے آپ کو دوست رکھتا ہے
اس وقت تم کیا کہو گے جب کوئی اپنی صنعت کو پیار کی نظر سے دیکھے

برادر عزیز! نقل ہے کہ اس آدم خاکی کو تکمیل کے بعد جب آرام
و آسائش کے لئے بہشت عنایت ہوا شریعت نے کہنا شروع کیا لَا تقربا
ھذا الشجرۃ درخت گندم کے نزدیک جانا بھی گناہ سمجھو اور اس کا پھل

کھانا تو درکنار کیونکہ اس جرم کا ارتکاب تمہیں جنت میں رہنے نہ دے گا اور طریقت کی یہ تعلیم ہونے لگی اھبطوا منھا سارے بہشت ہی میں آگ لگا دو۔ اس آرام و عافیت اس آسائش و راحت اس خواجگی و سلطنت کے ساتھ عشق کی منزل طے نہیں ہو سکتی۔ آدم نے کہا سچ ہے میرا دل بھی یہی کہتا ہے کہ یہاں گذر نہ ہوگا۔ کچھ دنوں کے لئے اپنے کلبہ اندوہ میں رہنا مناسب ہے۔ میرے معاملہ سے اور اس سرداری سے لاگ ہے بہ صیغہ راز ندا ہوئی کہ اے آدم تم نے وادی غربت کی ٹھان لی ہے آدم نے کہا مجھے اس کے سوا چارہ ہی نہیں مجھ کو ایک بڑا کام انجام دینا ہے، کہا گیا یہ کام تو خود اچھا ہے، آدم نے کہا وہ کام اس سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ یہ رنگ دیکھ کر بہشت و رضوان ملائکہ و چاکر و خدام سبھوں نے مل کر کہنا شروع کیا کہ دارالسلام کو دارالملام سے بدلنا تاج شاہی اتار کر سر پر خاک افلاس رکھنا نیک نامی کو بدنامی کا یہ جامہ پہنانا فعصیٰ آدم ربہ اتنی باتیں کر سکیں گے، آدم نے کہا بیشک سب کر سکوں گا۔ ندا ہوئی کہ آدم لاابالی ہے کسی ایک کی نہ سنے گا۔ چنانچہ جو کرنا تھا حضرت آدم علیہ السلام کر گذرے اور دولت خانہ خلافت کو غارت کر بیٹھے۔ اب یہاں پر ایک بات بہت غور طلب ہے عام خیال یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے

نکالے گئے ۔ نعوذ باللہ منہا ۔ تم ہرگز ایسا نہ کہنا بلکہ یوں کہو کہ آدم علیہ السلام کو بہشت سے الگ کر لیا گیا یہاں عشق کی آگ بھڑکی ہوئی تھی اور وہاں بہشت میں نعمتوں کی انتہا نہ تھی ۔ اب تمہیں کہو کہ دل گریاں مرغ بریاں سے کبھی آسودہ ہو سکتا ہے اور جان سوختہ و جگر خستہ حور و قصور کی طرف دیکھ سکتا ہے عزیزان طریقت کا قول ہے کہ اگر لاکھوں دولت و سعادت کا خزانہ حضرت آدم علیہ السلام پر نثار کر دیا جاتا تو اس درجہ عزت افزائی نہ ہوتی جو مرتبہ شان قہاری نے عصیٰ ادم ربہ کی ذلت میں رکھا اور اس پردہ میں عطا کیا ۔ اگر آپ کا قدم عصمت نہ پھسلتا تو قدرت کا کمال ظاہر نہ ہوتا۔"

ایک فائدہ میں حضرت مخدوم الملک ؒ نے اخلاق و تصوف کے رموز و نکات کو جس بلیغ پیرایہ میں بیان فرما کر انسان کو علم و عرفان سے آشنا کیا ہے وہ اس لائق ہے کہ اسے پڑھا جائے ۔ بار بار پڑھا جائے اور ہر گھڑی پیش نظر رکھا جائے[1]

"برادر عزیز! پاکی و طہارت کی قسمیں تین ہیں (۱) لباس پاک، بدن پاک، کھانا حلال (۲) حواس خمسہ یعنی باصرہ، سامعہ، شامہ، ناطقہ، لامسہ ان قوتوں سے گناہ کا کام نہ لیا جائے (۳) دل اوصاف ذمیمہ مثل بخل، کینہ، حسد، ریا وغیرہ سے پاک رہے ۔ جب پہلی باتیں حاصل ہو جائیں تو اس کا یقین کرنا چاہیے کہ مرید ایک قدم دین کی راہ میں چل چکا۔

---

[1] رسالہ الامین بہار شریف بابت ماہ نومبر ۱۹۲۷ء

جس وقت دوسری باتیں حاصل ہوجائیں تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ مرید دو قدم دین کی راہ میں چل چکا۔ جس گھڑی تیسری باتیں حاصل ہوجائیں تو یہ تصور کرنا چاہیئے کہ مرید تین قدم دین کی راہ میں چل چکا۔ اسی مقام میں توبہ کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے اور مرید در حقیقت اسی مقام میں پہنچ کر سچا تائب ہوجاتا ہے۔ اصطلاح تصوف میں اسی کو گردش کہتے ہیں، یعنی آلودگی و پلیدی کی حالت سے مرید پاکی و طہارت کی منزل میں پہنچا۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ پہلے کلیسا تھا اب مسجد ہوگیا یا بُت خانہ تھا خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت بن گیا۔ اس مرتبہ میں یہ حالت ہوتی ہے کہ ایمان کا آفتاب مرید کے دل پر طلوع ہوتا ہے اور اسلام اپنا جمال اس کو دکھاتا ہے، معارف کے دروازے اس کے سینہ پر کھل جاتے ہیں جب تک ان تینوں قسموں کی طہارت حاصل نہیں ہوتی۔ کسی قسم کی عبادت، کسی قسم کی ریاضت کسی قسم کا مجاہدہ کچھ مفید نہیں اگر ہے تو ہوا کرے؎

اوصاف ذمیمہ چوں بدل شد ہر عقدہ کہ در تو بود حل شد

اب معلوم ہوگیا کہ توبہ کی حقیقت کیا ہے اور توبہ کس وقت حاصل ہوتی ہے ظاہر ہے کہ جہاں توبہ کا ظہور ہوا آفتاب ایمان چمکنے لگا۔ جس درجہ میں توبہ ہوگی اس مرتبہ میں آفتاب ایمان تاباں ہوگا اور دل اس قدر منور ہوگا پس اگر سچ پوچھو تو مقام توبہ کی درستی ایک بڑی مشکل چیز ہے

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اے پیر گنہگار در توبہ کشادہ است — انواع نعم بہر تو آمادہ نہادہ است

بشتاب سوے توبہ کہ از مادر گیتی — از کردن تاخیر کسے واقفہ زادہ است

یہ اصولی باتیں تھیں جن کو ہم نے بیان کیا، اگرچہ قدرت کے جلوے ہزار در ہیں۔ ایسا بھی دیکھا گیا کہ ایک شخص بت پرستی میں مشغول ہے ابھی اس کی سجدہ گاہ میں پیشانی کی گرمی موجود ہے کہ جذبہ صادق نے اسے کھینچ لیا۔ اور ملک و فلک سے اس کو اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیا۔ اور ایسا وہ گم ہوا کہ جن و انس ملک و فلک بھی اس کا نشان ڈھونڈھتے ہیں تو پتہ نہیں چلتا سرگرداں و حیران ہو کر کہنے لگتے ہیں، ہائیں یہ کیا سے کیا ہو گیا جواب ملتا ہے فعال لما یرید اس بارگاہ میں چون وچرا کا دخل اور علت کا گذر ہے کیونکہ یہاں کام بے علت ہوا کرتے ہیں ایک کو بایزید بنا دیتے ہیں ایک کو بوجہل کسی کو اعلیٰ علیین پر پہنچاتے ہیں کسی کو اسفل السافلین میں گرا دیتے ہیں۔

برادر عزیز! ایمان و طاعت سے کسی کے اس کی الوہیت کو کمال وجمال نہ کفر و معصیت سے کسی کے نقصان و زوال۔ اگر سارا عالم خانہ کعبہ ہو جائے اور تمام جن و انس ابوبکر صدیقؓ ہو جائیں تو اس سے کیا، یا کل جہان بت خانہ ہو جائے اور سب انسان و اجنہ نمرود و فرعون ہو جائیں تو اسکو کیا، یہی راز ہے جو کسی نے کہا ہے:

بے نیازیش را چہ کفر و چہ دین　　　بے زبانیش را چہ شک چہ یقین

نہ اس کو حضرت عیسیٰ سے فائدہ نہ حضرت موسیٰ سے، نہ اس کو فرعون سے نقصان نہ اسے نمرود سے زیاں۔

سہ صدی مکتوبات کے نام سے جو مجموعہ کتب خانہ اسلامی لاہور نے شایع کیا ہے اس کے پہلے مکتوب میں بڑے عارفانہ انداز میں مسئلہ توحید پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اس کا کچھ خلاصہ درج ذیل ہے:-

"توحید کے چار درجے ہیں (۱) زبان سے لا الہ الا اللہ کہنا مگر دل سے انکار کرنا یہ منافقت ہے (۲) دل سے لا الہ الا اللہ کہنا اور اعتقاد بھی رکھنا جیسا کہ عام مسلمان رکھتے ہیں ان مسلمانوں میں بعض اللہ کی وحدانیت پر سیکڑوں دلائل بھی پیش کرتے ہیں ان کو متکلمین اور علمائے ظواہر کہا جاتا ہے (۳) مجاہدہ اور ریاضت سے مشاہدہ کرنا کہ فاعل حقیقی وہی ایک ذات ہے۔ یہ توحید عارفانہ ہے اسی مقام کا نام "ہمہ از وست" ہے (۴) مجاہدہ اور ریاضت کی کثرت سے سالک ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ عالم جو آئینہ حیرت ہے اس کو نظر نہیں آتا۔ ساری ہستیاں اس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ اور نہیں دیکھتا اس پر فنائیت طاری رہتی ہے اس کو فنا فی التوحید یعنی "ہمہ اوست" کہتے ہیں۔ فنا فی التوحید کے بعد بھی

ایک مرتبہ ہے جس کا نام الفناءعن الفنا ہے اس مقام پر پہنچنے کے بعد سالک کو کمال استغراق میں اپنی فنائیت کی بھی خبر نہیں ہوتی اور وہ خدا کے جلال اور جمال میں کوئی فرق اور تمیز نہیں کر سکتا کیونکہ یہ تمیز باقی رہ جاتی ہے تو یہ تفرقہ کی دلیل ہے عین الجمع اور جمع الجمع کا مقام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب سالک اپنے کو اور جمیع کائنات کو خدا کے دریائے نور میں غرق کر دیتا ہے اور اس کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ کون اور کیا غرق ہوا: ؎

تو درو گم شو کہ توحید ایں بود　　گم شدن گم کن کہ تفرید ایں بود"

آگے چل کر فنا فی التوحید کے سلسلے میں اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ فنائیت محویت اور استغراق کے عالم میں سالک آخر کیا دیکھتا محسوس کرتا اور لطف اٹھاتا ہے۔ مخدوم صاحب نے فرمایا ہے کہ وہ دل میں نور دیکھتا ہے اور ان چیزوں کا ادراک کرتا ہے، جو اس کو پہلے معلوم تھیں۔ وہ خدا کی تجلّی کا مشاہدہ کرتا ہے اور خدا سے وصل کا لطف اٹھاتا ہے۔"

ان ہی مکتوبات میں حضرت مخدوم الملک ؒ نے ان تمام ذرائع پر بھی تفصیلی بحث کی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کا نور، تجلی اور وصل حاصل ہوتا ہے اور وہ حسب ذیل ہیں:۔

"(۱) توبہ[1] (۲) صدق ایمان (۳) معرفت (۴) تقویٰ

[1] مکتوبات صدی صفحہ ۱۴۳

(۵) مجاہدہ وریاضت نفس (۶) ترک دنیا۔

توبہ کے تین مراتب ہیں (۱) عوام کی توبہ یہ اس لئے ہوتی ہے کہ وہ خدا سے اپنی نافرمانیوں کے لئے طالب عفو ہوتے ہیں۔ (۲) خاص لوگوں کی توبہ یہ اس بنا پر ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک خدا کی نعمتیں اور کرم ان کی اطاعتوں سے اتنی زیادہ ہیں کہ ان سے اس کا حق ادا ہی نہیں ہو سکتا۔ (۳) خاص الخاص لوگوں کی توبہ یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے اپنے کو عاجز و نیست کیوں نہیں خیال کیا قوی اور موجود تو صرف باری تعالےٰ ہے۔

ایمان کی سچائی خدا کو بڑا سمجھنے میں ہے اور خدا کی بڑائی کے احساس سے خدا سے شرم پیدا ہوتی ہے اس کے بعد سالک کا شاہد خدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کو مختلف صورتوں میں مشاہدہ کرتا ہے۔ جن کے اثرات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ خدا کے غنا کے کمال کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کے دل سے ساری طمع جاتی رہتی ہے اور خدا کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے تو پھر اس کے سوا کسی اور سے اس کو انس پیدا نہیں ہوتا وہ خدا کے فضل کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ اپنے افعال اور احوال سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے وہ خدا کے کرم کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کو خدا سے ایسا انبساط حاصل ہوتا ہے کہ کون و مکان اسی کے حاجتمند ہو جاتے ہیں

خدا کے قہر کا مشاہدہ کرتا ہے، تو اس پر خدا کا خوف ایسا طاری رہتا ہے کہ اس کو کبھی آرام نہیں ملتا۔"

"تقویٰ[1] سے مراد ان تمام چیزوں سے اجتناب ہے جن سے دین کو نقصان پہنچنے کا ڈر ہو یہ نقصان دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ حرام چیزوں اور معصیت کی طرف مائل ہونے سے یا حلال چیزوں کی طرف زیادتی کے ساتھ رغبت رکھنے سے۔"

"مجاہدہ[2] نفس و ریاضت میلان و رغبت کی زیادتی کو کچلنے کے لئے بہت ضروری ہے اس میں اولین درجہ گرسنگی کا ہے کیونکہ شکم ہی تمام گناہوں کا منبع ہے اور اسی کی آسودگی سے شہوت پیدا ہوتی ہے، جس کو زائل کرنے کا واحد ذریعہ گرسنگی ہے۔"

"ترک[3] دنیا مجاہدہ نفس و ریاضت کے بعد ممکن ہے گرسنگی اور مجاہدہ و ریاضت کے بعد جب انسان کو اپنی ذات سے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے تو سالک کے پاس جو چیز ہوتی ہے اس کو اپنے سے علحدہ کر دیتا ہے اور جو چیز اس کے پاس نہیں ہوتی اس کی طلب نہیں کرتا۔"

ملفوظات مخدوم الملکؒ کی فہرست ہم اوپر دے چکے ہیں اب ہم ان ملفوظات کا اختصاراً تعارف کرانے کے بعد جگہ جگہ سے ان کے مضامین کا

---

[1] مکتوبات سہ صدی صفحہ ۲۳۴ [2] ,, ,, صفحہ ۲۳۵ - ۲۳۶ [3] ,, ,, صفحہ ۲۱۳

اقتباس پیش کریں گے تاکہ معلوم ہو کہ مخدوم الملک رح کی روش اور مریدوں کو تعلیم و تربیت دینے کا انداز کیا تھا۔

(۱) معدن المعانی - مرتبہ مولانا زین بدر عربی - پانچ سو صفحات پر مشتمل ملفوظات کا ایک اہم مجموعہ ہے - دو جلدوں میں ہے، طبع بھی ہو چکا ہے مجھے حکیم سید شاہ قسیم الدین صاحب فردوسی کی مہربانی سے اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دیکھنے کو مل گیا ہے جس کی کتابت، ۲۷ شعبان ۱۳۰۷ھ میں شیخ محمد عیسٰی صاحب مرحوم نے کی ہے۔

معدن المعانی ۶۳ ابواب پر مشتمل ہے - اس میں ہر باب کے تحت اس کی مناسبت سے ذکر لائے ہیں - مولانا زین بدر عربی نے یقین دلایا ہے کہ اس کتاب میں سائل کے سوال کے جواب میں حضرت مخدوم نے جو کچھ فرمایا ہے من وعن درج کر دیا گیا ہے - اپنی طرف سے کوئی تغیر اور تصرف نہیں کیا گیا ہے اس میں حدیث، تفسیر، فقہ، عقائد اور علم کلام پر مباحث کے علاوہ تصوف کے اسرار و رموز نہایت تفصیل سے آشکارا کیے گئے ہیں۔

معدن المعانی کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں مخدوم الملک رح کی دقت نظر اور تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں سلف اور معاصرین کی اکثر و بیشتر اہم کتابوں کے بار بار حوالے ملتے ہیں جو غالباً حضرت مخدوم کے ہر وقت پیش نظر رہتی ہوں گی ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں :-

(۱) ہدایہ (۲) تذکرۃ الاولیا (۳) وصیت شیخ الشیوخ (۴) ملخص احیاء العلوم (۵) روح الارواح (۶) لوامع (۷) مکتوبات عین القضاۃ (۸) کلمات قدسیہ (۹) ملفوظات نظام الاولیا (۱۰) ترغیب الصلوٰۃ (۱۱) غرائب التفسیر (۱۲) کشف المحجوب (۱۳) روضۃ العلما (۱۴) سراج العارفین (۱۵) قوت القلوب (۱۶) عوارف (۱۷) لسان فقہ ابوالليث (۱۸) کنز المسائل (۱۹) شرح تعرف (۲۰) سراج العالمین (۲۱) ریاحین (۲۲) تفسیر زاہدی (۲۳) زبدہ عین القضاۃ (۲۴) کتاب الٰہیات ارسطو۔

پروفسر عطاالرحمٰن کاکوی نے اس پر ایک تفصیلی مضمون معارف فروری ۱۹۵۷ء میں لکھا ہے جس میں اس کی اہمیت اور افادیت پر زور دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کتاب ہمیشہ ابوالفضل کے پیش نظر رہتی تھی - اور وہ کبھی بھی اسے جدا نہیں کرتا تھا۔

(۲) خوان پر نعمت :- اس کے جامع بھی مولانا زین بدر عربی ہی ہیں یہ گویا معدن المعانی کی دوسری جلد ہے۔ جس میں ۱۵ شعبان ۷۴۹ھ سے آخر ماہ شوال ۷۵۱ھ تک کے ملفوظات جمع کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ اس کتاب کے شروع میں مولانا زین بدر عربی نے لکھا ہے :-

"بعد از اتمام جلد اول ہم از ملفوظ مخدوم رح کہ نامش معدن المعانی

شدہ است از ۱۵ شعبان ۷۴۹ھ تا آخر ماہ شوال ۷۵۱ھ در سمع

قاصر و فہم ناقص ایں بیچارہ رسید باعانت و عنایت توفیق الہٰی جل ذکرہ

چہ لفظ عین عبارت و چہ معنی آں در طی کتابت آوردہ شد۔"

اس میں تصوف کے جزوی نکات اور فقہی و شرعی مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب احمدی پریس پٹنہ میں چھپ چکی ہے جو اس وقت پیش نظر ہے۔

(۳) راحت القلوب :- یہ کتاب بھی مولانا زین بدر عربی ہی کی مرتب کی ہوئی ہے۔ اس میں کل دس مجلسوں کے ملفوظات جمع ہیں جو رضا حق مبدا معاد، تعظیم تلاوت کلام پاک، روز عاشورہ اور صدف سوختہ سے بنے ہوئے چونے کا کھانا جیسے مبحث پر مشتمل ہے۔ نیز اس کتاب میں طریق ادائگی نماز جمعہ، تعداد رکعت اور اس کی فضیلت وغیرہ پر ہدایتیں ملتی ہیں۔ اس کے ساتھ ایک مجلس اور بھی شامل ہے جسے رسالہ وفات نامہ بھی کہا جا سکتا ہے اس کو بھی مولانا زین بدر عربی ہی نے مرتب کیا ہے جسکی تصیح بھی انہوں نے یاران مخدوم الملکؒ کی موجودگی میں فوراً کرا دی تھی اس رسالہ (وفات نامہ) میں حضرت مخدوم الملکؒ کے وہ تمام اقوال و وصایا جمع کئے گئے ہیں جو بوقت رحلت حضرت مخدوم الملکؒ نے اپنے دوستوں اور بعض موجود و غائب مریدوں کے بارے میں ارشاد فرمائے تھے

پھران دعاؤں کا ذکر ہے جو عالم نزع میں زبان مبارک پر جاری تھیں یا جن کے بارے میں حضرت مخدوم نے اپنے دوستوں کو تلقین کی۔ راحت القلوب کے ساتھ ہی یہ رسالہ بھی مطبع مفید عام آگرہ سے طبع ہو چکا ہے۔

(۴) مخ المعانی:۔ اس میں ۵۳ مجالس کے ملفوظات ہیں اس کے بھی جامع مولانا زین بدر عربی ہی ہیں۔ صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب مولف بزم صوفیا نے اس کے مرتب کا نام شیخ شہاب الدین عماد اور مجالس کی تعداد ۱۵ لکھی ہے۔ معلوم نہیں فاضل مولف سے کیوں ایسا سہو ہوا۔ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بھول کاتب سے ہوئی ہے۔ جس نے مغز المعانی کے مرتب کا نام مخ المعانی کے مرتب کے ذیل میں لکھ دیا ہے ورنہ ابتدا ہی میں یہ الفاظ لکھے ملتے ہیں جس کے بعد مولف موصوف سے غلطی کا کوئی امکان نہیں رہتا:۔

"کلام مخ المعانی کہ جامع وے زین العالمین بدر سمائے یقین عارف کامل
حضرت مخدومؒ زین بدر عربی کہ مرید برگزیدہ و خادم خاص مخدوم جہان
است قدس اللہ سرہٗ۔"

مجلس کی تعداد دینے میں بزم صوفیہ کے مولف سے البتہ بھول ہوئی ہے۔

اس کتاب میں شہور و ایام کی وجہ تسمیہ، لیلۃ الرغائب کی وجہ تسمیہ ماہ رجب کے روزے کی فضیلت، کنت لہٗ سمعًا کی تفسیر، مسئلہ حدوث و قدم قرآن اور معتزلہ و اہل سنت کا اختلاف، بحث حدوث و قدم عالم، بحث قدم مادہ

مسئلہ رؤیت باری، مسئلہ جبر و اختیار، تعبیر خواب، تصفیہ وتزکیہ باطن اور اور اقسام علم پر مدلل بحث ملتی ہے۔ یہ کتاب بھی مطبع مفید عام آگرہ میں ۱۳۲۱ھ میں طبع ہو چکی ہے، جو اس وقت میرے پیش نظر ہے۔

(۵) مونس المریدین:- یہ کتاب ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، اور میری نظر سے نہیں گذری ہے۔ لیکن عبدالواسع ضیا جالوی صاحب نے اپنے ایک مقالہ میں، (مطبوعہ رسالہ اشارہ مارچ ۱۹۵۹ء) مخدوم الملکؒ کی کئی غیر مطبوعہ کتابوں پر تحقیقی نوٹ لکھا ہے، جو اس وقت میرے پیش نظر ہے یہ قلمی کتابیں انکو حکیم سید شاہ محمد تقی صاحب بلخی سجادہ خانقاہ فتوحہ کے ذاتی کتب خانہ میں دیکھنے کو ملی تھیں۔ مونس المریدین ۶۴ صفحات پر مشتمل مختصر سا رسالہ ہے جس میں ۱۲ر شعبان سے غرہ ماہ محرم ۷۵۰ھ تک کے ملفوظات جمع ہیں اس کے جامع صلاح مخلص داؤد خانی ہیں۔ اس میں خواب کے اقسام لفظ سجادہ اور صاحب سجادہ کی تعریف، زاہد کی تعریف، حیا اور اس کی فضیلت، درخت گندم میں حضرت آدم سے اجتہادی غلطی، شب برات اور اس کی فضیلت و اعمال، واقعہ موسیٰ و خضر علیہ السلام، مذمت نفس امارہ، معمولات اول پنجشنبہ ماہ رجب، نماز لیلۃ الرغاب بجماعت، حدیث تشبہ بقوم، واقعہ دجال و عیسیٰؑ، شریعت و طریقت و حقیقت کے معانی، ماہیت روح، فرق قیامت و حشر وغیرہ جیسے مبحث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۶) گنج لایفنی :- اس میں یکشنبہ ربیع الاول ۷۶۰ھ سے روز شنبہ ۲۶ ذالحجہ ۷۶۰ھ تک کے ملفوظات قلمبند ہیں۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر ملفوظ دن، مہینہ اور سال کی قید سے درج ہوا۔ اس کی ضخامت ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ عبدالواسع ضیا جالوی صاحب نے اس کا دوسرا نام تحفہ غیبی لکھا ہے لیکن جناب سید شاہ نجم الدین نجم فردوسی مدظلہ نے اپنی تصنیف حیات ثبات (غیر مطبوعہ) میں گنج لایفنی اور تحفہ غیبی دو علحدہ کتابیں لکھی ہیں مولف حیات ثبات نہ صرف یہ کہ مخدوم زادے اور اس خاندان کے فرد ہیں بلکہ علم تصوف اور سلسلہ فردوسیہ کی تاریخ پر اچھی نظر رکھتے ہیں ان سے اس طرح کی غلطی کا امکان نظر نہیں آتا۔ معلوم نہیں عبدالواسع ضیا جالوی صاحب نے دونوں کو ایک ہی کتاب کس بنا پر لکھا۔

اس کتاب میں موقع موقع سے مثنوی اور غزل بھی لکھی گئی ہے ایک جگہ حضرت امام محمدؒ اور امام یوسفؒ کا مکالمہ تحریر ہوا ہے۔ ایک جگہ حضرت امام اعظمؒ کی تعریف فرماتے ہوئے لکھتے ہیں "الحمدللہ کہ مذہب او داریم" ایک جگہ شب قدر کی علامتیں اور اس کے مخفی رکھنے کی حکمت مذکور ہوئی ہے ایک موقع پر سکرات موت اور تلقین میت کا ذکر کرتے ہوئے تلقین میت کی تفسیر اور امام شافعیؒ کا مذہب بتایا ہے۔ اس ضمن میں ایک موقع پر ثابت کیا ہے کہ مومنوں پر سکرات موت بطور عذاب نہیں ہوتا۔ ایک جگہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی

تمام مومنوں پر فضیلت ثابت کی ہے ۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید نقل بالمعنی درست نہیں۔ کہیں پر احادیث کی تقسیم اور تعریف کرتے ہوئے لفظ "اخبرنا" اور "حدثنا" کا فرق بیان کیا ہے ایک موقع پر بتایا ہے کہ اولیاء اللہ عالم میں ہمیشہ ۳۵۶ کی تعداد میں رہیں گے ۔ ایک جگہ ایک نادر مثال کے ذریعہ آگ کو ہوا سے لطیف تر ثابت کیا ہے ایک جگہ وہ واقعہ مذکور ہے کہ جب فیروز شاہ تغلق بہار شریف وارد ہوا تو اس نے حضرت مخدوم الملک رح سے سوال کیا کہ بعض صوفیا کا دعویٰ ہے کہ باری تعالٰی کی تجلی سالک کو دنیا میں بھی حاصل ہوتی ہے ۔ جب تجلی دنیا ہی میں حاصل ہو جاتی ہے تو دنیا اور آخرت میں فرق کیا رہا ۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ آخرت میں اللہ تعالےٰ کی رویت ظاہری آنکھوں سے ہو گی اور یہاں دیکھنے والے اس کو دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اس طرح کے دیکھنے کو تجلی اور مشاہدہ کہا جاتا ہے اور اس کا تعلق صفائے باطن سے ہے وغیرہ وغیرہ ۔

(۷) **فوائد غیبی** :۔ یہ ۱۹۱ صفحات پر مشتمل ملفوظات کا ایک مجموعہ ہے ۔ اس میں کل ۳۲ مجالس ہیں جو اوائل ماہ شعبان ۷۵۰ھ سے شروع ہو کر غرہ ماہ صفر ۷۵۰ھ میں ختم ہوا ہے اس میں بھی تمام مجالس کے ملفوظات روز اور سال کی قید کے ساتھ درج ہیں ۔

اس میں بھی عبدلواسع صاحب جالوی اور مولف حیات ثبات کی

تحقیقات میں اختلاف ہو گیا ہے۔ عبد الواسع صاحب نے لکھا ہے کہ "فوائد غیبی کا دوسرا نام بحر المعانی ہے جیسا کہ دیباچہ کے شعر سے ترشح ہے ؎

ایں بحر الہٰی ست در ینجا کان معانی ست ایں جا ہمگی قوت دل قوت جانی ست"

برخلاف اس کے مؤلف حیات ثبات جناب سید شاہ نجم الدین فردوسی صاحب مدظلہ نے حضرت مخدوم الملکؒ کے ملفوظات کی فہرست بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ "کنز المعانی جس کو بحر المعانی بھی کہتے ہیں" معلوم نہیں اس اختلاف کا کیا سبب ہے۔

اس میں بہت سے اہم مسئلوں پر عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ بحث کی گئی ہے مثلاً "مراتب آدمی" اس عنوان کے تحت آدمی کے نو مرتبے شمار کراتے ہوئے آخری مرتبہ ختم نبوت کو بتایا گیا ہے۔ ایک عنوان ہے "عجز ادراک حقیقت اول" اس بارے میں حضرت مخدومؒ نے فرمایا ہے کہ:-

"راہ حقیقت چونکہ مسدود ہے اس لئے حقیقت کی تہہ تک کسی کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی: ؎

ہیچ دل را بہ کنہہ او رہ نیست جان و عقل از کمالش آگہ نیست

دل و عقل از جلال او خیرہ تن و جان از کمال او خیرہ

اور رہا یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا کو خدا ہی پہچان سکتے ہیں عرفت ربی بربی اور اس کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے وما کنا لنھتدی

لولا ان ھدانا اللہ، تو اس سے مراد خدا کی ہستی اور یگانگی کی معرفت ہے

اور یہ عین ممکن ہے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مقولہ العجز عن الادراک ادراک

ادراک کا مطلب بھی معرفت کی کنہیات کا ادراک ہے نفس معرفت کا نہیں۔"

ایک عنوان ہے "شکایت زمانہ" اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ زمانہ شب و روز کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں اور حوادث و واقعات خدائے عزوجل کی مشیت اور تقدیر سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ شب و روز یا زمانے کا اس میں کچھ تصرف نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں زمانے کی شکایت کرنا محض فضول ہے مندرجہ بالا عنوان کے علاوہ اس میں اسمائے باری، ذکر حکمت اشیا، اقسام حقوق عباد، تعریف شہود اور مشہود، فضیلت علم، ارکان حج، اہمیت وقوت عرفات، اقسام طواف اور واجبات حج وغیرہ مبحث پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۸) مغز المعانی :۔ اس کے جامع اور مرتب شیخ شہاب الدین عماد ہیں اس کو شیخ موصوف نے حضرت مخدومؒ کے ملفوظات سے استخراج کیا ہے اس کی ترتیب و جمع میں حتی الامکان ملفوظات کی عبارت بجنسہٖ نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن طوالت و تکرار سے بچنے کے لئے مرتب نے کچھ تبدیلی بھی کی ہے تو اس طرح کہ نفس مطلب میں فرق نہ آنے پائے اس میں ۱۲۹ اذکار لیتے ہیں جن میں چند یہ ہیں ذکر ذات و صفات، حل و حرمت سماع، ذکر مراقبہ، فکر تفکر، ذکر عبادت ظاہر و باطن، ذکر عشق و محبت، ذکر حمل ابیات، ذکر تاویل زلف و خال،

ذکر حال و مقام و وقت، ذکر روح، ذکر پیری و مریدی، ذکر شیخی و اہلیت شیخی

ذکر طاقیہ خرقہ مقراض قصر و حلق، ذکر مردان غیب معراج رسول وغیرہ

اب ہم مختصر طور پر مخدوم الملکؒ کے بعض ملفوظات کا خلاصہ جہاں تہاں سے پیش کر کے ان کی تعلیمات کو سامنے لانے کی کوشش کریں گے۔

کشف الہامی اور کشف روحانی پر اظہار خیال کرتے ہوئے خوان پر نعمت میں ایک جگہ حضرت مخدوم الملکؒ کرامت کے اظہار سے سختی کے ساتھ منع کرتے ہیں۔[1]

"کشف شہودی کے بعد سالک کو کشف الہامی ہوتا ہے جب کہ وہ تخلیق عالم کے اسرار اور اس کی ہر چیز کے وجود کی حکمت سے واقف ہو جاتا ہے کشف الہامی کے بعد کشف روحانی پیدا ہوتا ہے جبکہ اسکی نظروں سے زمان و مکان کا حجاب اٹھ جاتا ہے ازل اور ابد کا دائرہ اس کے سامنے ہوتا ہے وہ بہشت و دوزخ اور ملائکہ کو دیکھ سکتا ہے، ملائکہ کی باتوں کو سن بھی سکتا ہے۔ ماضی حال اور مستقبل کے واقعات سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے چنانچہ اسی مقام میں اس سے کرامت بھی صادر ہو سکتی ہے مثلاً وہ پانی یا آگ پر چل سکتا ہے ہوا میں اڑ سکتا ہے ایک لمحہ میں دوری اور مسافت کو طے کر سکتا ہے۔ مگر کرامت کوئی قابل اعتماد چیز نہیں ہے اسکا اظہار جائز نہیں

---

[1] خوان پر نعمت صفحہ ۲

بلکہ اس کو پوشیدہ رکھنا فرض ہے کیونکہ اظہار سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔"

ایک جگہ معدن المعانی میں حضرت مخدومؒ نے ترکِ دنیا اور ترک خلق اللہ کے سلسلے میں اپنے زاویہ نگاہ کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے:۔

" طالب حق حتی الوسع دنیا اور دنیا کے لوگوں کی صحبت سے گریز کرے وہ دنیا کے لوگوں میں صرف جمعہ کی نماز یا نماز با جماعت ادا کرنے کیلئے آئے اگر اس سے بھی اس کو حق کی راہ میں خلل پیدا ہو تو کسی پہاڑ یا جنگل میں چلا جائے جہاں یہ چیزیں اس کے لئے فرض باقی نہ رہتی ہوں مگر طالبانِ حق میں اگر کوئی ایسا شخص ہو جس کے رشد و ہدایت، وعظ و نصیحت کی دنیا والوں کو ضرورت ہو تو پھر اس کا عزلت نشینی قبول کرنا کارِ ثواب نہیں بلکہ اس کو لوگوں کے درمیان میں رہ کر ان سے الگ رہنا چاہیئے یعنی ان کی مدح و ذم سے بیگانہ رہے اور اپنی مضرت و منفعت کو ان کے معیار کے مطابق نہ سمجھے۔"

ایک اور جگہ معدن المعانی میں ذکر کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں:۔

" ذکر سے مراد خداوند تعالےٰ کی یاد ہے اس کی چار قسمیں ہیں (۱) زبان پر ہو لیکن دل میں نہ ہو (۲) زبان اور دل دونوں میں ہو مگر دل کسی وقت اس سے غافل ہو جاتا ہو لیکن زبان جاری ہو (۳) زبان اور دل میں برابر ہو

۱؎ معدن المعانی صفحہ ۲۲۲ ۲؎ " صفحہ ۱۴۷

(۴) دل میں ہو اور زبان خاموش ہو۔"

آگے چل کر معدن المعانی ہی میں ایک جگہ فکر کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں:۔

"فکر[1] سے مراد خداوند تعالےٰ کی آفرینش زمین و آسمان ازل و ابد کے متعلق غور و خوض ہے۔ فکر میں مرید کو خدا کے متعلق سوچنا خطرہ سے خالی نہیں کیونکہ تفکر کا مرجع محصور اور محدود ہوتا ہے اور خداوند تعالیٰ کی ذات محصور و محدود نہیں۔ اس لئے اس کے متعلق سوچنا گویا تعلیل و تشبہ میں اپنے کو ڈالنا ہے۔ اس لئے سالک کو صرف اللہ تعالےٰ کی قدرت حکمت اور اس کے ساتھ کنہیات غیب کے متعلق فکر کرنا چاہیے اور اپنے تمام پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ دینا چاہیے۔ اس طرح کی ایک ساعت کی فکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔"

مخ المعانی میں بھی حضرت مخدوم نے ایک جگہ فکر پر بحث فرمائی ہے۔ اور اس موقع پر فکر کی تین قسمیں بتائی ہیں:۔

"(۱) ازل[2] میں کیا ہوا (۲) ابد میں کیا ہوگا (۳) اوامر کی کیا پابندی ہوئی اور نواہی کا کیا ارتکاب ہوا۔"

معدن المعانی میں جگہ جگہ ظاہری اخلاق کی بھی تعلیم دی گئی ہے:۔

"طہارت[3] کی چار قسمیں ہیں (۱) طہارت جسم یعنی بدن اور کپڑے

---

[1] معدن المعانی صفحہ ۲۴۷ [2] مخ المعانی صفحہ ۱۴۹ [3] معدن المعانی صفحہ ۹۴

پاک ہوں۔ (۲) طہارت حواس یعنی زبان سے جھوٹ بات نہ نکلے نظر محرمات پر نہ پڑے، کان ایسی آواز نہ سُنے جس کو نہ سننا چاہیے۔ (۳) طہارت دماغ از تخیلات یعنی خدا کے سوا کسی کا تخیل دماغ میں نہ آئے

(۴) طہارت دل یعنی محمودات اور مذمومات سے دل پاک ہو۔ محمودات کی پاکی سے مراد یہ ہے کہ سالک کو اپنی عبادت اور ریاضت پر گھمنڈ نہ ہو مذمومات کی پاکی سے مراد یہ ہے کہ بخل، ریا، حسد، رشک وغیرہ سے دل صاف ہو۔"

"انسان کو[1] متواضع ہونا چاہیے کیونکہ خدا کے بندوں سے تکبر گویا خدا سے لڑائی ہے۔ حالت انبساط و قرب میں بیہودہ بات منہ سے نہ نکالنا چاہیے۔ کیونکہ خدا کی شان میں سراسر یہ گستاخی ہے۔ کسی حال میں پوشیدہ اسرار کو ظاہر نہ کرنا چاہیے۔"

"سالک[2] کو پیر کی تعظیم و تکریم ضروری ہے خدا تک پہنچنے کی علت مشیت حق ہے۔ پیر اس کا سبب ہے۔ گو بغیر علت کے صرف سبب کے ذریعہ سے منزل مقصود تک کوئی سالک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن پھر بھی سالک کے لئے پیر کا احترام ضروری ہے اس کو اپنے پیر کی متابعت قولاً فعلاً قلباً اور قالباً کرنا چاہیے۔"

---

[1] معدن المعانی صفحہ ۲۸۸-۳۶۲ [2] معدن المعانی صفحہ ۱۵۶

خوانِ پرنعمت میں ایک جگہ مخدوم الملکؒ علم اور شریعت کو تصوف کے لئے ضروری قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"کسی سالک[1] کو بغیر علم کے اس راہ میں قدم نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ علم کے بغیر یا تو وہ کافر یا مجنوں ہو جاتا ہے۔ بعض اولیاء ناخواندہ گذرے ہیں مگر ان کو رحمتِ خاص سے فیض ملا تھا۔ جس کی مثالیں بہت کم ہیں اسی طرح راہ سلوک کے لئے شریعت بھی ضروری ہے اس کے بغیر راہ سلوک میں جہالت اور ہلاکت ہے۔"

ایک جگہ راحت القلوب میں ذکر اور ذاکر پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"اصل[2] ذاکر وہ ہے کہ اس کی زبان ذکر میں مشغول ہو۔ دل خدا کی طلب میں ہو، روح خدا کی تجلیات کو دیکھتی ہو اور اس کا سارا اندرونی راز ذکر کرنے والے کے ساتھ مدغم ہو جاتا ہو تاکہ وہ کل "منظورات" کو سن سکے اور اس کا ہر بن مو زبان ہو جائے۔ اس کے بعد ذاکر فنا فی اللہ ہوتا ہے اور اس کو اپنی ذات کا مطلق احساس نہیں ہوتا اور اپنے غم اور خوشی، بیماری اور تندرستی افلاس اور کشادگی خالق عالم کی محض مشیت سمجھتا ہے اور اس کے احوال واقوال اور فعال میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو۔ اس طرح وہ

---

[1] خوانِ پرنعمت صفحہ ۶-۷ [2] راحت القلوب صفحہ ۳

غیراللہ سے منقطع ہو کر مقام الا اللہ کو پہنچ جاتا ہے اور خدا کے جمال اور جلال کو اپنے دل کے اندر محسوس کرتا ہے اور اس کی ذات کو اپنی ذات میں دیکھتا ہے۔ اسی کے بعد اس پر ارادت عینی مکشوف ہوتی ہے"

عرس کے جواز پر حضرت مخدوم الملکؒ نے مخ المعانی کی انتیسویں مجلس اور خوانِ پر نعمت کی چالیسویں مجلس میں وضاحت سے روشنی ڈالی ہے فرماتے ہیں:

"حضرت رسالت پناہ صلعم[1] کا وصال یکم ربیع الاول کو ہوا بعض ظاہری اختلاف اور باطنی معاملات کی وجہ سے تجہیز و تکفین تیسری تاریخ ہوئی۔ پھر دو روز (اس) اختلاف میں گذرے کہ خلیفہ کون ہو اس کے بعد فیصلہ ہو گیا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ مان لئے گئے۔ تیسری تاریخ سے گیارہ تاریخ تک ازواج مطہرات کا یہ معمول رہا کہ ہر محل سے ایک ایک دن بنام رسول علیہ السلام بقدر وسعت طعام داری کی گئی بارہویں تاریخ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بخیال ایصال ثواب روح پر فتوح رسول علیہ السلام کھانا پکوایا اور اس مقدار سے پکوایا کہ تمام اہل مدینہ کے لئے کافی ہوا۔ طعام داری کا یہ رنگ دیکھ کر ادھر ادھر لوگ پوچھنے لگے کہ اس کا سبب کیا ہے۔ کہا گیا کہ "الیوم عرس رسول اللہ" کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ آج حضور پر نور صلعم کا

---

[1] مخ المعانی مجلس ۲۹

عرس شریف ہے"

مخدوم عظمۃ اللہ[۱] نے فرمایا کہ شیخ رکن الدین فردوسی قدس سرہٗ دہلی میں بڑے مشہور و معروف بزرگ گذرے ہیں۔ پیران طریقت کا عرس یہ کیا کرتے تھے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ دہلی میں عرس کی ابتدا آپنے کی۔"

چنانچہ فردوسیہ خاندان کے تمام بزرگان اپنے پیروں کے عرس کو بڑی شان و شوکت، پابندی اور حسن عقیدت سے انجام دیتے رہے ہیں۔ حضرت مخدوم الملک رح کا عرس بلخیوں کے دور خلافت میں ضرب المثل کروفر سے انجام پاتا رہا۔ پھر جب مخدوم زادوں کی سجادگی کا دور شروع ہوا تو اس میں مخدوم الملک رح کا عرس اور بھی دھوم دھام اور کشادہ دلی سے انجام پانے لگا اور آج تک کسی نہ کسی حد تک جاری ہے پہلے جس شان و شوکت سے مخدوم الملک رح کا عرس انجام پاتا تھا اس کی ایک جھلک تو ہمیں حضرت ابوالفیاض جونپوری رح کی تصنیف گنج ارشدی میں ملتی ہے۔ اس میں حضرت مخدوم وجیہہ الدین قدس سرہٗ کے دور سجادگی میں حضرت مخدوم الملک رح کے عرس کی شان و شوکت اور اہتمام پر اظہار خیال اس طرح کیا گیا ہے:۔

"فرزندان او محترم و مکرم اند و عرس شریف وے می نمائند روشنی فانوسہا از خانقاہ وے تا روضہ مبارک وے می نمائند۔ قریب یا دگرہ خواہد بود"

---

[۱] خوان پرنعمت مجلس ۴۰

لیکن حضرت مخدوم الملکؒ کے عرس کا تفصیلی اور توضیحی نقشہ حیات ثبات کے مصنف کی تحریر سے ہمارے سامنے پیش ہو جاتا ہے۔ ان کے دادا جان جناب حضور حضرت سید شاہ امین احمد قدس اللہ سرہٗ کے دور سجادگی میں عرس مخدوم الملکؒ جس اہتمام سے انجام دیا جاتا تھا اس کے چشم دید حالات بڑے دلکش انداز میں جناب سید شاہ نجم الدین نجم فردوسی مدظلہٗ نے اپنی تصنیف حیات ثبات میں لکھے ہیں، وہ درج ذیل ہے :—

"رجب[1] ہی کے مہینے سے عرس شریف کی تیاریاں شروع ہو جاتیں مہمانوں کے لئے مکانات کی صفائی، خانقاہ معظم کی مرمت چونہ گردانی بھنڈارخانہ کا انتظام یعنی چاول، گھی، تیل، کھی، ظروف گلی وغیرہ کے حکم نامے عملگان دہی کے نام پہلے ہی روانہ ہو جاتے تھے۔ دیوان منصدی اور شاہ الٰہی بخش صاحب وغیرہ آخر رمضان المبارک تک کل سامانوں اور انتظاموں سے فراغت پا جاتے تھے یکم شوال سے زائرین اور حاجتیوں کی آمد شروع ہوتی اور پانچویں تاریخ تک پورا بہا شریف مہمانوں سے بھر جاتا۔ ادنیٰ اعلیٰ ہر گھر میں دو چار دس مہمان آجاتے اور درگاہ کی ندی سے آستانہ علیا تک بازار لگ جاتا نقارخانہ سے اتر مینا بازار اور دکھن ضرورت کی کل چیزیں فراہم ہو جاتیں

---

[1] حیات ثبات جلد دوم صفحہ ۴۷-۵۴

کالا پتھر، عیدگاہ درگاہ شریف کا حصہ زائرین سے معمور ہو جاتا۔ جن حضرات کو حاضری کا اتفاق ہوتا ان کے جذبات و انبساط کا کیا کہنا:۔

منم کہ دیدہ بدیدار دوست کردم باز چہ شکر گویمت لے کارساز بندہ نواز۔

پانچویں تاریخ جس سے پوچھئے میاں کدھر سے آتے ہو؟ تو یہی جواب ملتا درگاہ شریف سے آرہا ہوں اگر جانے والے سے پوچھئے تو برملا جواب ملتا ہے درگاہ شریف جارہا ہوں:۔

دیوانگی ربود چو در ہر طرف مرا
در ہر طرف نمود جمال شرف مرا

غرض جس کو دیکھئے اسی کے جلوہ جانانہ کا پروانہ ہے۔ کشمیر، پنجاب راجپوتانہ، اودھ، بنگال وغیرہ سے زائرین کی آمد اور ہر سلسلہ کے فقرا کا دور دور سے جمع ہونا۔ نامور قوالوں کی جماعت، مشائخ عظام اور سجادگان، رؤسا و امرا کی کثیر تعداد عرس کو شاندار بنانے میں مصروف ہوتی چادر، شیرینی، تھال، نذرات کی مزار شریف پر آمد ہوتی کہ دیدہ شنید جس خادم پر توجہ ہو گئی ایک اجنبی شخص آیا۔ اور سیکڑوں روپئے دے گیا کسی کو اشرفیاں مل گئیں۔"

پانچویں تاریخ صبح سے جھمن مراثی خانقاہ کے پھاٹک پر شہنائی کے زمزموں سے اور نوبت کی دلکش صدا سے دلوں کو مست کیا کرتا تھا

باجے کے ہر گت پر لٹا دیتا تھا ۔"

"بعد ظہر اور قریب عصر بہار و صوبہ بہار کے معزز مہمان کمرے پر جمع ہوتے اور جناب شوال شاہ صاحب رحمت بر جان پاکش، فقرا رفاعی قلندریہ، سدا سہاگ، ملنگ وغیرہ کے ساتھ" لطف انبیا کرم اولیا بفضل پنجتن یا علی" کا نعرہ لگاتے ہوئے پہنچتے۔ حضرت کو اطلاع دی جاتی۔ آپ کی تشریف آوری پر بھری مجلس اٹھ کھڑی ہوتی۔ فقرا وہی نعرہ دہراتے اور اصطلاح میں (سلام علیک کے بدلہ) عشق اللہ فقر اللہ کہتے اور جواب میں "سدا را عشق" پاتے ہوئے بیٹھ جاتے۔ جناب حضور پہلے مہمانوں کی طرف مخاطب ہوتے پھر فقرا کی طرف متوجہ ہوتے۔

بعد نماز عشا درگاہ شریف جانے کو تیار ہوتے اس وقت آپ کی خاص حالت من رآنی المخدوم کی شان نظر آتی۔ چادر وغیرہ پہلے ہی بھیجدی جاتی بعدہٗ آپ پالکی پر تشریف لے جاتے آگے آگے گنج و ماہتاب کی روشنی پھر شہنائی اور نقیب صدا دیتے ہوئے عزیزان و مریدان پیادہ پا اور کچھ سواری پر پیچھے پیچھے شامل روانہ ہوتے اس وقت خانقاہ سے درگاہ شریف تک جا بجا چراغاں۔ بالس دروازہ جیسے برات عاشقاں بر شاخ آہو۔ درگاہ شریف میں قندیلوں کی روشنی غرض اس چراغاں سے کچھ عجب نور کا عالم چھا جاتا تھا۔ فاتحہ و چادر و شامیانہ سے

فرصت کر کے اکابرین اجداد کے مزارات پر چادر اور پھول چڑھائے جاتے پھر مزار اقدس کے سامنے حجرا بیض کے متصل تشریف رکھتے اور قل شروع ہوتا بعد قل آپ گل مراد سے اپنا دامن بھر کر اور انوار و تجلیات سے مالا مال خانقاہ معظم میں تشریف لاتے اس وقت سے مجلس سماع شروع ہوتی پھر تو فردوسیہ فیضان کا دریا موجزن ہوتا ۔ خصوصاً جس وقت حضرت مخدوم الملکؒ کی شان میں یہ ٹھمری : ؎

میرے پیر شرف توری نگری سلامت ارج کرے ایک ناری
گھر وا سے نکسی برج تلے ٹھاری انسواں بیبھجے موری ساری

میرے پیر شرف

سب پنہاریاں بھر بھر گیلین میں تورا اور یہوا ٹھاری
مرے پیر شرف توری نگری سلامت ارج کرے ایک ناری

گائی جاتی اس وقت خانقاہ معظم کے در و دیوار انوار و تجلیات سے منور ہو جاتے ۔

قریب طلوع آفتاب عزیزان خاص دیوانہ خانہ سے حلوا چپاتی شربت اپنے اپنے سروں پر لیکر حاضر ہوتے اور قل ہوتا ۔ بعد قل وہ چیزیں تبرکاً تقسیم کی جاتیں ادھر چند آدمی حضرت مخدوم جہاں کی چار دیواری پر مستعد ہو جاتے اور گا کر تقسیم کرتے ہر گاگر میں

پھولوں کا ہار بندھا رہتا تھا جب گاگر تقسیم کر چکتے تو آگے آگے شہنائی پھر قوالوں کی جماعت گاتے ہوئے جناب حضور کے ساتھ گاگر والے چاہ راہٹ (جو خلوت کے جنوب میں کنواں واقع ہے) پر جاتے اس وقت کا سماں بھی بہت گہرا اور تیز ہوا کرتا تھا۔ قدم قدم پر لوگوں کا ذوق اور کیفیت نور علی نور۔ بہر کیف گاگر بھر کر پھر اسی طرح ذوق و شوق میں واپس ہوتے اس وقت یہ ٹھمری گائی جاتی تھی :-

شاہ شرف جی میں توسے مانگوں

انند سکھ سمپتی اور ایمان ۔ میں توسے

شاہ شرف جی میں توسے مانگوں وغیرہ وغیرہ

خانقاہ ہوتے ہوئے حجرہ شریف کے پچھم اور دکھن دیوان خانہ آکر حضرت کے بعد کل حضرات گاگر کا پانی دیگ میں انڈیل دیتے تھے اس پانی سے خاص نیاز کا کھانا پکتا تھا۔ بریانی، میٹھا، فرنی، قورمہ قلیا، سمبوسہ، کباب، خمیری، روغنی روٹیاں، جلابی، عطر، پان وغیرہ کا اضافہ ہوتا بعد ظہر دیوان خانہ کے دکھن سائبان میں کل چیزیں ایک چوکی پر رکھی جاتیں۔ حضرت بھی تشریف لاتے اور اکثر لوگ قل میں شریک ہوتے اور وہ کھانا تبرک کا خاص طور پر تقسیم ہوتا۔

۶ر دن گزار کر سب کو بکثرت لوگ مرید ہوتے چونکہ عرس کی

شب والی مجلس میں کثرت زیادہ رہتی تھی۔ اس لئے سماع سے
دل کی بھڑاس پوری طرح نکلنے نہیں پاتی۔ اور خاص لوگ روک لئے
جاتے۔ ساتویں کو ایک مجلس دعوت ترتیب دی جاتی جس میں خوب ذوق
وشوق کا لطف ملتا۔ بعد مجلس ماحضر پیش کیا جاتا۔ مہمان وارکین شہر
کی شرکت ہوتی اور بعد فراغت لوگ واپس جاتے۔

۸ر تاریخ سے بہار شریف میں گھر گھر کھانا تقسیم ہونا شروع ہوتا
پلاؤ، قلیہ، فرنی، نان، جلابی، سبنوسہ وغیرہ کا سلسلہ ۱۴ر۱۵ر تک
رہتا تھا۔

۷ر تاریخ کو وہی فقرا سر گروہ بے نوائی کی حیثیت سے پہنچے
اس روز دو روپئے دے کر رخصت کئے جاتے اور وہ تمام شہر میں گھومتے۔

۹ر تاریخ یعنی حضرت مخدوم جہاںؒ کے چہارم کے روز چھ من چاول
ایک مسلم گاؤمیش کا گوشت دیگر زرد رنگ کا کھانا پکوا کر فقرا کو بھیجدیا جاتا

۱۹ر شوال کو جب بہار کے کل عرائس سے فقرا کو فرصت ہو جاتی
تو پھر خانقاہ آتے اس روز کھانے میں قبولی ملتی تھی اور درگاہ شریف کی
ایک چادر اور ایک روپیہ حضرت مخدوم جہان کے فاتحہ کرنے کو۔ اور بھی
۱۹ر تک جتنی نذریں ان فقرا کو ملتی تھیں جمع رکھی جاتیں وہ اسی تاریخ کو
خانقاہ آکر حسب معمول علی قدر مراتب تقسیم کی جاتیں۔"

اب ہم مخدوم الملکؒ کی تصانیف پر کچھ سرسری تبصرہ کریں گے -

آپ کی تصانیف میں (۱) ارشاد الطالبین (۲) ارشاد السالکین (۳) رسالہ مکیہ و ذکر فردوسیہ (۴) شرح آداب المریدین (۵) فوائد المریدین (۶) اجوبہ (۷) لطائف المعانی (۸) عقائد اشرفی (۹) اوراد کلاں (۱۰) اوراد اوسط (۱۱) اوراد خورد (۱۲) رسالہ اشارات مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شکل میں موجود ہیں -

۱ - ارشاد الطالبین - یہ سولہ صفحات کا ایک مختصر سا رسالہ ہے . جس میں حضرت مخدوم الملکؒ نے طالب حق کو مختلف قسم کی ہدایتیں دی ہیں - یہ مطبع منعمیہ رام ساگر گیا میں طبع ہو چکا ہے -

مولف بزم صوفیا نے لکھا ہے کہ انڈیا آفس کی فہرست میں اس کا نام برہان العارفین مرقوم ہے -

۲ - ارشاد السالکین - یہ چار صفحات کا مسئلہ توحید پر رسالہ ہے - یہ بھی ارشاد الطالبین ہی کے ساتھ مطبع منعمیہ میں چھپ گیا ہے - اس رسالہ میں مخدوم الملکؒ نے بتایا ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں ایک ہی نور کی مختلف صورتیں ہیں - نور عالم لاہوت سے جبروت میں آیا تو روح ہوا اور جبروت سے ملکوت میں منتقل ہوا تو قالب کہلایا - اور ملکوت سے ناسوت میں پہنچا تو جسم کے نام سے موسوم ہوا - اسی طرح نور عالم کثیفہ میں

آیا تو نار ہوا - نار کثیف ہو کر باد ہوئی اور باد کثیف ہو کر آب ہوئی -
اور آب کثیف ہو کر خاک ہوا - بس انسان اور عناصر اربعہ ایک ہی چیز کی
مختلف صورتیں ہیں -

۳ - رسالہ مکیہ و ذکر فردوسیہ :- یہ سات صفحات کا ایک غیر مطبوعہ رسالہ ہے
جس میں اذکار کے اقسام اور طریقے بتائے گئے ہیں -

۴ - شرح آداب المریدین :- یہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب
عبد القادر سہروردیؒ کی مشہور عربی تصنیف آداب المریدین کی شرح ہے
اسی کے بارے میں مولف مناقب الاصفیا نے لکھا ہے کہ حضرت
ضیاء الدین ابو النجیب سہروردیؒ نے بشارت دی تھی کہ اس کی شرح
میرے ہی فرزندان معنوی میں سے ایک شخص کرے گا - حضرت ضیاء الدین
ابو النجیب سہروردیؒ حضرت نجم الدین کبریٰؒ کے پیر تھے - اس طرح
حضرت مخدوم الملکؒ نے اس کی شرح کر کے اس بشارت کو صحیح ثابت کیا -
یہ مطبوعہ ہے -

۵ - فوائد المریدین :- یہ ایک مختصر سا غیر مطبوعہ رسالہ ہے - جس میں
مریدوں کے لئے کلمہ طیبہ کی فضیلت ، نماز با جماعت کی برکت
بعض آیتوں کے فیوض ، گورستان ، منکر نکیر ، بہشت دوزخ
قیامت ، ایمان ، حقوق الوالدین ، حقوق ہمسایہ ، حقوق زوجین

جیسے مبحث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۶۔ لطائف المعانی:۔ یہ کتاب میری نظر سے نہیں گذری۔ لیکن مولف بزم صوفیا نے اس کو معدن المعانی کا خلاصہ لکھا ہے۔

۷۔ رسالہ اشارات:۔ یہ غیر مطبوعہ رسالہ ہے۔ اس میں کل ۳۹ اشارات ہیں۔ جو حضرت مخدوم الملکؒ نے شیخ محمد شہباز عرف گورکھ، شیخ لامع شیخ مرداد اور شیخ ہادی اللہ وغیرہ کے نام لکھے ہیں۔ ان اشارات میں عارفانہ مسائل کی طرف خالص فلسفیانہ نقطہ نگاہ سے اشارے کئے گئے ہیں مثلاً "عالم کا اول و آخر نہیں ہے۔ موج عین دریا اور دریا عین موج ہے دنیا میں ایسے لوگ کم ہی ہیں جو خود شناس واقع ہوئے ہیں اس ضمن میں حضرت مخدومؒ نے خود شناسی ہی کو کائنات شناسی یا خدا شناسی قرار دیا ہے

۸۔ رسالہ اجوبہ:۔ یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔ اس کی ضخامت ۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ حضرت مخدوم الملکؒ کے ان جوابوں کا مجموعہ ہے، جو انہوں نے اپنے بعض دوستوں، عزیزوں اور مریدوں کے سوالات پر تحریر فرمایا ہے۔ اس میں سوالات کا یہ انداز ہے۔ مثلاً "مردان غیب کون لوگ ہیں اور کس قدر ہیں؟" "خدائے عزوجل تک پہنچنے کی راہ کیا ہے؟" "مسلمانوں کی بنیاد کن چیزوں پر ہے؟" "اہل سلوک کی اصطلاح میں بت و زنار کا کیا مطلب ہے؟" رویت حق خدا کے فضل کی

بناپر ہوگا یا عمل کی جزا کے طور پر" "اللہ تعالےٰ کی معرفت کی انتہا کیا ہے"
وغیرہ وغیرہ -

بقیہ چار رسالے عقائد شرفی ، اوراد کلاں ، اوراد اوسط ، اوراد
خورد جن میں سے اوراد کلاں غیر مطبوعہ ہے بقیہ مطبوعہ ہیں - یہ سب ورد د
وظائف سے متعلق ہیں -

حضرت مخدوم الملکؒ کی تمام تالیفات وتصنیفات اور ملفوظات کا مطالعہ
کرنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت مخدوم نہ صرف عالم اور صوفی
تھے بلکہ انسانیت کے سب سے بڑے علمبردار تھے - آپ انسان کی نفسیاتی گہرائیوں
کا مطالعہ کرنے کے بعد زندگی کو نئے صحت مندانہ سانچے میں ڈھال دینا
چاہتے تھے -

مصنف مناقب الاصفیا نے لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ حضرت
مخدوم الملکؒ وہ پہلے صوفی بزرگ ہیں جنھوں نے ہندوستان اور بالخصوص
بہار میں امام احمد غزالیؒ، امام محمد غزالیؒ، ابن عربیؒ، قاضی عین القضاۃ، خواجہ
فریدالدین عطارؒ، شیخ عراقیؒ اور مولانا رومیؒ کے صوفیانہ عقائد خیالات اور
اخلاقی تعلیمات کو عام کیں - اس سے پہلے ہندوستان میں لوگ تصوف کے
ان رموز ونکات سے بے بہرہ تھے - اور اگر بعض مشائخ کچھ واقف بھی تھے تو

ان میں ان تعلیمات کو عوام کے سامنے پیش کرنے کی صلاحیت اور جرأت نہ تھی بعض ایسے بھی تھے جو عین القضاۃ کے خیالات پر منہ آتے تھے۔ اور تصوف کے نازک مسئلے جیسے وحدت الوجود وغیرہ کو پیش کرنے سے گھبراتے تھے۔ حضرت مخدوم الملکؒ نے نہ صرف قاضی عین القضاۃؒ، امام غزالیؒ اور مولانا رومیؒ کا مقام لوگوں کو بتلایا بلکہ ان کی تعلیمات کو ایسے سلیقے اور ستھرے انداز میں پیش کیا کہ لوگوں کے دل میں اتر گئیں۔

مخدوم الملکؒ کی تصانیف کے اوپر دئے گئے اقتباسات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی کتابوں میں صرف تصوف ہی کے اسرار و معارف اور رموز و نکات نہیں بیان فرمائے بلکہ علم کلام کی پیچیدہ گتھیوں کو بھی سلجھایا غور سے دیکھا جائے تو آج کے فلسفہ اور حکمت کو جن مغربی مفکرین پر ناز ہے وہ بھی حضرت مخدوم الملکؒ ہی کے خوشہ چین نظر آتے ہیں۔ بقول مولانا عبدالباری ندوی:-

"حیرت ہوتی ہے[1] کہ اس شخص (مخدوم الملکؒ) کے کلام میں سطر دو سطر نہیں صفحے کے صفحے ایسے نظر آتے ہیں کہ گویا موجودہ زمانے کے مغربی مفکرین کی کتابوں کا لفظی ترجمہ ہے۔ کانٹ، ہیگل برکلے، ہیوم از ین قبیل فلاسفہ جدید کے نظریات جن پر موجودہ فلسفہ کو

---

[1] نظام تعلیم و تربیت ج ۲ صفحہ ۲۰۵

نازہے۔ شاہ صاحب (مخدوم الملکؒ) کی کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں"۔

آپ کی تصانیف کی سب سے بڑی خصوصیت جو ایک اور نظر آتی ہے وہ آپ کا تفسیر و حدیث کو اپنی تحریر میں ہمیشہ پیش نظر رکھنا ہے آپ نے حدیث و تفسیر کے بیشمار حوالے دئے ہیں بلکہ آپ کی تصانیف کا اصل مقصد ہی احکام قرآنی اور سنت نبویہ کی اشاعت معلوم ہوتا ہے۔

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ حضرت مخدوم الملکؒ کی اولاد اور اعزاء کے بارے میں بھی اجمالاً کچھ لکھ دیا جائے۔

حضرت مخدوم الملکؒ کی شادی سنارگاؤں علامہ اشرف الدین توامہ کی صاحبزادی بی بی بھوباردام سے ہوئی۔ ان سے ایک صاحبزادے حضرت مخدوم ذکی الدین قدس سرہٗ اور دو لڑکیاں بی بی فاطمہ اور بی بی زہرا ہوئیں۔ صاحب سیرۃ الشرف نے آپ کے دو صاحب زادوں کا اور ذکر کیا ہے۔ جو ایام طفولیت میں قبل آنے منیر شریف کے سنارگاؤں میں انتقال کر گئے لیکن یہ محقق نہیں ہے کیونکہ کسی اور تذکرے میں اس کا ذکر نہیں آیا ہے۔

بی بی فاطمہ کی شادی حضرت مخدومؒ کے منجھلے بھائی مخدوم شاہ خلیل الدین کے صاحبزادے مخدوم اشرف سے ہوئی اور بی بی زہرا کی شادی حضرت شاہ قمرالدین بن میر شمس الدین ماژندرانی سے ہوئی۔ ان سبھوں کے مزارات منیر شریف میں ہیں۔

حضرت مخدوم ذکی الدین[۵] قدس سرہٗ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد بنگال ہی میں اقامت گزیں ہو گئے اور سید حسین قدس سرہٗ کی صاحبزادی سے بیاہے گئے۔ مخدوم الملک رح کی اہلیہ زیادہ تر منیر میں رہیں اور وہیں ان کا مزار اقدس ہے۔

حضرت مخدوم ذکی الدین رح کی صرف ایک ہی صاحبزادی بی بی بارکہ پیدا ہوئیں تھیں کہ آپ کا مقام شکر ڈیہہ من مضافات سیوڑھی ضلع بیربھوم انتقال ہو گیا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد آپ کی زوجہ محترمہ نے بھی رحلت کی دونوں کا مزار موضع شکر ڈیہہ ہی میں ہے جواب مخدوم نگر کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت ذکی الدین رح اور ان کی زوجہ محترمہ کے وصال کے وقت بی بی بارکہ جو محض شیر خوار تھیں، بنگال سے حضرت مخدوم الملک کے حضور میں پہنچائی گئیں۔ آپ نے اپنی پوتی کو اپنی والدہ ماجدہ (بڑی بوا) کی گود میں دیدیا۔ جہاں ان کی پرورش و پرداخت تعلیم و تربیت بہت خوش اسلوبی سے ہوئی۔ حضرت بی بی بارکہ جب سیانی ہوئیں تو آپ کی شادی حضرت وحید الدین سے ہوئی۔

---

[۵] صاحب وسیلہ شرف حضرت فرزند علی صوفی رح نے ایک عجیب بات لکھدی ہے کہ حضرت مخدوم ذکی الدین رح کسی اور بطن سے تھے اور صاحبزادیاں بی بی فاطمہ اور بی بی زہرا علامہ اشرف الدین ابو توامہ کی صاحبزادی کے بطن سے۔ حالانکہ کہیں کسی تذکرے اور تاریخ میں مخدوم الملک رح کی دو شادی کا ذکر نہیں ملتا۔ اور تمام تذکروں میں یہی ہے کہ مخدوم ذکی الدین علامہ ابو توامہ کی صاحبزادی

جو حضرت علاؤ الدین جیوڑی کے لڑکے اور حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کے بھانجے تھے ۔ حضرت وحید الدین کا نسب نامہ مولف حیات ثبات نے یہ لکھا ہے :۔

" سید وحید الدین بن سید علاؤ الدین بن سید سلیمان ، بن سید سلطان سعید بن سید حسن ، بن سید عباس بن سید موسیٰ ، بن امام عسکری بن امام نقی بن سید امام نقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن امام باقر بن امام زین العابدین ، بن حضرت امام حسین بن سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ۔"

حضرت وحید الدینؒ کے شرف خاندان کے بارے میں خوان پر نعمت کی چالیسویں مجلس میں اس طرح درج ہے :۔

" سیدنا وحید الدین کا تذکرہ آگیا ۔ مولانا کریم الدین نے عرض کیا یا حضرت ! یہ سید جو حضور والا میں تشریف لاتے ہیں کون بزرگ ہیں حضرت مخدوم جہان نے فرمایا کہ ہمارے پیر و مرشدؒ کے بھانجے اور شیخ علاؤ الدینؒ کے لڑکے ہیں ۔ سید علاؤ الدینؒ ایک ایسے بزرگ تھے جو تمام اصناف علوم پر حاوی ، صاحب سجادہ اور نسب میں عالی رتبہ تھے ۔ ہمارے شیخ نے تفسیر وحدیث دونوں علم انہیں سے حاصل کیا ہے آپ نے پورے ہفتہ کو تقسیم کر لیا تھا ۔ ایک دن فقہ ، ایک دن نحو و منطق

ایک دن اصول وکلام ، ایک دن حدیث وتفسیر غرض اسی طرح ایک علم میں روزانہ درس دیا کرتے تھے ۔ دہلی کے علما، اور مشائخ بادشاہ کے یہاں جایا کرتے تھے ۔مگر سید علاؤالدین کبھی نہ گئے بعض وقت بادشاہ وقت نے منادی کرادی کہ جتنے بزرگان اس شہر میں ہیں، ہمارے دربار میں آئیں ۔مگر سید علاؤالدین نے ادھر نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا ۔حضرت زین بدر عربی (جامع ملفوظ) نے عرض کیا کہ سید وحیدالدینؒ کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ میری والدہ اور شیخ کبیر خواجہ سید نجیب الدین فردوسیؒ ایک ماں سے ہیں اور شیخ رکن الدین اور نظام الدین ایک ماں سے ۔حضرت مخدوم جہان نے فرمایا کہ بہت سچ ہے ۔"

حضرت سید وحیدالدینؒ عرصہ تک مخدوم الملکؒ کی خدمت میں رہ کر علوم باطنی اور ظاہری حاصل کر لینے کے بعد اپنی سکونت موضع سنہرا (من مضافات قصبہ اُرول ضلع گیا) میں اختیار کی ۔سلطان فیروز تغلق کو جب وہاں آپ کے قیام کا پتہ چلا تو اُس نے عقیدت مندی میں آپ کے لئے خانقاہ تعمیر کرادی ۔ اور خانقاہ کے اخراجات کے لئے سنہرا نذر کیا ۔حضرت مخدوم الملکؒ سنہرا اکثر اپنی عزیزہ پوتی کو دیکھنے جایا کرتے تھے ۔

حضرت وحیدالدینؒ کا مزار اقدس خانقاہ سنہرا سے تقریباً پانچ میل دور ایک

خاص جگہ میں ہے جہاں آپ اپنی زندگی میں اکثر چلہ کش ہوا کرتے تھے۔ وہ جگہ آج بھی مرجع خاص و عام ہے۔ اور بدر آباد کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۱ ذالحجہ کو آپ کا عرس ہوا کرتا ہے۔ آپ کے صاحبزادے کا نام سید علیم الدینؒ تھا۔ جو آپ کے وصال کے بعد خانقاہ سنہرا میں مسند خلافت پر بیٹھے۔ حضرت مخدوم الملکؒ کو غالباً اس وجہ سے بھی کہ آپ بی بی بارکہ کے لخت جگر تھے حضرت سید علیم الدینؒ سے بہت محبت تھی۔ آپ نے ایک مرتبہ مولانا مظفر بلخیؒ سے آپ کے لئے دعا کرنے کو بھی لکھا تھا۔ آپ کا مزار اقدس موضع سنہرا خاص میں اپنی والدہ ماجدہ بی بی بارکہ کے احاطہ میں ہے۔

آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت مخدوم امام الدینؒ خانقاہ سنہرا میں مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ بڑے پایہ کے بزرگ تھے آپ کے بارے میں بعض قلمی سفینوں کے اندر یہ الفاظ لکھے ملتے ہیں:۔

"او حضرت بدرجہ غوثیت رسیدہ بودند"

آپ کے دو صاحبزادے ہوئے ان میں سے ایک اپنی آبادی گدی پر خانقاہ سنہرا میں متمکن رہے۔ (مشائخ سنہرا، پلاسی اور اساس دیورا آپ ہی کی نسل سے ہیں) اور دوسرے صاحبزادے قطب عالم حضرت مخدوم سید شاہ محمد بھیکھ قدس سرہٗ حافظ درویش بلخی فردوسیؒ کی رضامندی سے حضرت مخدوم الملکؒ کے مسند خلافت پر بہار خانقاہ معظم میں متمکن ہوئے اور اس طرح ایک سو

تیس برس بلخیوں کی سجادگی کے بعد مخدوم الملکؒ ہی کے خاندان کے ایک بزرگ کو مخدوم الملکؒ کے خانقاہ معظم کی سجادگی تفویض ہوئی۔ (آپ کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا)

حضرت مخدوم الملکؒ کے معاصرین میں حضرت نصیرالدین محمود چراغ دہلویؒ، حضرت اخی سراج پنڈوا شریف (بنگال) سید جلال الدین بخاری سیوستان، سید علی ہمدانی کشمیر، شاہ راجو قتال اوجھ، سلمان ساوجی ساوہ شیخ صفی الموسوی جار شاہان صفویہ ایران آردبیل، علاؤالدولہ سمنانیؒ خانقاہ سکا کہہ سمنان، شیخ اوحدالدین اصفہانی اصفہان، امام یافی مکہ، سید امیر کلاں ممالک شام، خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخارا، سید احمد چرمپوش بہار شریف محلہ انبیر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

فصل ہفتم

ملک العشاق حضرت مخدوم مولانا مظفر بلخی فردوسیؒ

مولف[1] مناقب الاصفیا نے آپ کو سلطان جہاں تجرید اور قہرمان ایوان تفرید لکھا ہے ۔ آپ حضرت مخدوم الملکؒ کے چہیتے مرید اور خلیفہ تھے ۔

---

[1] حضرت مخدوم شاہ شعیب فردوسیؒ مصنف مناقب الاصفیا حضرت مخدوم جلال منیریؒ کے فرزند تھے ۔ مناقب الاصفیا کے ایک قلمی نسخے میں بطور ضمیمہ آپ کے کچھ حالات درج ہیں اس سے چند ضروری باتیں بطور تعارف درج ذیل کی جاتی ہیں ۔ یہ مخطوطہ جو حکیم سید شاہ قیم الدین صاحب کی مہربانی سے مجھے دیکھنے کو ملا ہے ۔ سنہ ۱۲۶۷ فصلی کا لکھا ہوا ہے ۔ اس کے کاتب جناب ظہیر حسن قادری ہیں ۔

حضرت امام تاج فقیہ کے تین صاحبزادے حضرت شیخ اسرائیل ، شیخ اسمٰعیل اور شیخ عبدالعزیز تھے ۔ حضرت شیخ اسرائیل کے پوتے (بقیہ دوسرے صفحہ پر)

مخدوم الملکؒ نے آپ ہی کے بارے میں ایک موقع پر " تن شرف الدین جان منظفر، جان شرف الدین تن منظفر، منظفر شرف الدین، شرف الدین منظفر" جیسا محبت سے بھرا جملہ فرمایا تھا۔ آپ کے والد ماجد سلطان سید شمس الدین بلخ کے حکمراں اور حضرت ابراہیم بن ادہم کی اولاد سے تھے۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ کا) حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ ہیں اور حضرت شیخ عبدالعزیز کے پوتے مخدوم شیخ شعیب بن جلال منیری ہیں۔ گویا مخدوم الملک اور مخدوم شعیبؒ ہم جد اور چچا زاد بھائی تھے۔

اس مخطوطہ میں حضرت امام تاج فقیہ کے نسب نامہ پر بھی بحث کی گئی ہے کہ آپ حضرت ابو دردا قریشی ہاشمی کی اولاد سے تھے (راقم الحروف کا بھی نسبی تعلق حضرت ابو درداہی سے ہے اور اسی بنا پر دردائی لکھتا ہے) حضرت ابو دردا کے والد ابی صعب ان کے والد حضرت عبدالمطلب ان کے والد ابوالہاشم ان کے والد عبدالمناف تھے۔ اسی طرح حضرت ابو دردا قریشی ہاشمی اور رسول عربی کے چچا زاد بھائی ہوئے بعض مورخین نے حضرت ابو دردا کو انصاری لکھا ہے اور ان کے قریشی ہونے سے انکار کیا ہے لیکن حضرت مخدوم شیخ علا عرف شیخ فاضن نے اپنے دستخط سے اپنا نسب نامہ لکھتے ہوئے حضرت ابو دردا کو بن ابی صعب بن عبدالمطلب لکھا ہے۔ رسالہ معدن الاسرار کے مصنف نے بھی اس کی تائید کی ہے غرض اجماع اسی پر ہے کہ حضرت تاج فقیہ جو حضرت ابو دردا کی اولاد سے ہیں ہاشمی قریشی النسب ہیں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تغلق سلاطین کے دور میں آپ دربار دہلی میں کسی ممتاز عہدے پر فائض تھے۔
ایک مرتبہ دربار کی کسی حرکت سے ایسا منغض ہوئے کہ تارک الدنیا ہو گئے۔
اس زمانہ میں شیخ احمد چرمپوشؒ کی شہرت بھی بہار میں بہت زیادہ تھی ۔آپ بہار
کی طرف روانہ ہوئے۔ بہار کے قریب پہنچے تو شیخ احمد چرمپوشؒ (خانقاہ منیر نے

(بقیہ گذشتہ صفحہ کا) حضرت ابو درداکے انصاری مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت
ابی صعب عم رسول اللہ کی شادی قبیلہ انصاریان میں ہوئی تھی۔ اور حضرت ابو دردا
کی پیدائش کے بعد حضرت ابی صعب کا فوراً ہی انتقال ہوا اور ان کی پرورش ناہنال میں
قبیلہ انصاریان ہی کے اندر ہوئی اور اسی لئے تواریخ میں ان کو ابو دردا انصاری بھی
لکھا گیا ہے۔

حضرت امام تاج فقیہ جب منیر فتح کر کے بیت المقدس کو واپس جانے لگے تو اپنے
دو لڑکوں حضرت شیخ اسرائیل اور حضرت شیخ اسمٰعیل کو صوبہ بہار اور سرکار زیر ہٹ سپرد کیا
اور کہا کہ یہ ملک تم لوگوں کے سپرد ہے۔ تم لوگ یہاں کے لوگوں کی نگہبانی حفاظت
اور خدمت خالصتہً للہ کرو۔ اور چھوٹے بیٹے شیخ عبدالعزیز کو اپنے ہمراہ لیتے گئے اور
وہیں بیت المقدس میں ان کی شادی کی۔ ان سے دو لڑکے حضرت شیخ جلال الدین
اور شیخ سلیمان پیدا ہوئے۔ اپنے دادا تاج فقیہ اور والد شیخ عبدالعزیز کے وصال کے
بعد شیخ جلال الدین اور شیخ سلیمان دونوں بھائی اپنے چچا کے پاس منیر آ گئے۔ اور وہیں
متمکن ہو گئے۔ یہاں حضرت شیخ جلالؒ کی شادی شیخ ابوبکر بن شیخ ابراہیم (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اپنے مریدوں سے کہا کہ میرا ایک دوست آرہا ہے اور سب کو ساتھ لیکر استقبال کیا۔ ملاقات کے بعد شیخ شمس الدین بلخی مرید ہوئے اور اپنے پیر شیخ احمد چرم پوش ہی کی خانقاہ میں ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ دہلی میں جب ان کی بیوی اور بچوں کو اس کی خبر ملی تو وہ لوگ بھی اپنا سارا سامان خدا کی راہ میں لٹا کر

بن شیخ اسمٰعیل ساکن موضع کجا نوہ کی صاحبزادی سے ہوئی ان سے حضرت مخدوم شعیبؒ پیدا ہوئے۔ حضرت مخدوم شعیبؒ جب چھ سات سال کے تھے آپ کے والد ماجد شیخ جلال کا انتقال ہو گیا (آپ کا مقبرہ منیر میں ہے) اس وقت سے آپ کے نانا حضرت شیخ ابوبکر نے آپ کی پرورش و پرداخت کی۔ اور وہ کجا نوہ ہی میں رہنے لگے۔

حضرت مخدوم شعیب جب جوان ہوئے اور عشق الٰہی کی آگ دل میں بھڑکی تو انہوں نے داناپور کے قریب ایسے جنگل میں اقامت اختیار کر لی جہاں سوائے درندوں کے آدمی کی گذر نہ تھی۔ اور عرصہ تک اسی جنگل میں عبادت و ریاضت کرتے رہے۔

تذکروں میں ہے کہ اپنے آخری وقت میں حضرت مخدوم الملکؒ نے اپنا پیرہن دستار، بیٹی اور قینچی حضرت مولانا مظفر بلخی فردوسی کو سپرد کر کے بطور وصیت فرمایا تھا کہ برادرم شعیب ان دنوں جنگل میں مقیم ہیں مگر میری طرف سے یہ چیزیں جو ان کے حصہ کی ہیں ان کو حوالہ کر دینا۔ مخدوم الملکؒ کے وصال کے بعد وہ سامان حضرت مولانا کے پاس تھا۔ وہ جب اپنے مرشد کی ہدایت کے مطابق عدن جانے لگے تو وہ سب سامان حضرت نوشہ توحیدؒ کو سپرد کر کے تاکید فرمایا کہ ان کو مخدوم شعیب تک موقع سے پہنچا دینا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بہار ہی چلے آئے اور دولت و حشمت پر فقر کو ترجیح دیا۔ مصنف ذریعہ دولت نے نسخہ مطلوب المبارک ملفوظ مولانا شیخ آموںؒ کے حوالہ سے حضرت مولانا مظفر بلخی کا نسب نامہ مندرجہ ذیل لکھا ہے :۔

"مولانا مظفر بن سلطان شمس الدین بن سید علی بن سید حمید الدین بن سید سراج الدین بن سید بزرگ بن سید محمود بن سلطان ابراہیم بن سید ادہم بن سید سلیمان بن سید ناصر الدین، بن محمد بن یعقوب بن احمد بن اسحاق بن زید بن محمد بن قاسم بن امام زین العابدین بن امام حسین شہید کربلا بن شاہ مردان علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔"

(بقیہ گذشتہ صفحہ کا) وہ سامان عرصہ تک حضرت نوشہ توحید کے پاس رکھا رہا یہاں تک کہ ایک بار انہوں نے خواب میں حضرت مخدوم الملکؒ کو دیکھا کہ وہ اب تک سامان مخدوم شعیبؒ تک نہ پہنچانے پر باز پرس کر رہے ہیں۔ صبح کو انہوں نے فوراً اپنے صاحبزادے حسن دائم جشن کو وہ سب سامان دے کر شیخپورہ مخدوم شعیب کے پاس روانہ کیا۔ جہاں جاکر انہوں نے وہ چیزیں مخدوم شعیب کے سپرد کیں۔ لیکن حضرت مخدوم شعیبؒ نے ان چیزوں کو قبول کرنے سے پہلے درخواست کی کہ حضرت مخدوم الملکؒ کے سجادہ سے پہلے مجھکو خلافت اور اجازت مل جائے تو اسے قبول کروں چنانچہ خلافت اور اجازت کے بعد ہی انہوں نے اسے قبول کیا اور اس طرح تیسرے سلسلے میں حضرت مخدوم الملک کے خلیفہ ہوئے۔ حضرت مخدوم شعیب کی شادی تورا میں فاروقی خاندان میں ہوئی تھی۔ آپکے چار صاحبزادے حضرت شیخ بہاؤ الدین، شیخ منصور، شیخ مظفر اور شیخ شمس الدین ہوئے۔ (دردائی)

حضرت مولانا مظفر بلخی تین بھائی تھے۔ مولانا مظفر بلخی بڑے تھے۔ منجھلے شیخ معز الدین اور چھوٹے شیخ قمر الدین۔ ان تینوں بھائیوں میں بڑی محبت تھی۔ ایک مرتبہ شیخ احمد چرمپوش نے کسی موقع سے مولانا مظفر کو لاولد کہہ دیا تو مولانا بہت آزردہ اور ملول ہو گئے۔ حضرت مخدوم الملکؒ کو خبر ہوئی تو انہوں نے فرمایا۔ "مظفر ملول نہ ہو معز الدین کی اولاد تمہاری ہی اولاد کہلائے گی۔" اور یہی ہوا بھی کیونکہ شیخ حسین بن معز الدین بچپن ہی سے حضرت مولانا مظفر بلخی کے کنار شفقت میں پلے اور آپ کے کہلائے۔ اور مولانا کا فیضان سلسلہ شیخ حسینؒ ہی سے جاری ہوا اور آج تک جاری ہے۔

گنج لایخفی ملفوظ شیخ حسین معز بلخی میں ہے کہ سمندر کے گھر ایک بار مجلس ہو رہی تھی۔ حضرت مولانا مظفر بلخی بھی شریک تھے۔ حضرت مخدوم الملکؒ کے اور مریدین بھی تھے۔ سماع ختم ہونے کے بعد آپ نے سب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: ؎

گروہ نفس پرستان سماع اگر دانند ۔۔۔ یکے دو حرف بگویم من از زبان سماع

بزیر پائے بکوبید ہر چہ غیر سماع ۔۔۔ سماع ازان شما و شما ازان سماع

غلہ کو ٹھیوں میں ویسا ہی بھرا ہے، کپڑے گٹھریوں میں اسی طرح رکھے ہوئے ہیں تم نے ان میں سے کس چیز کو خدا کی راہ میں لٹایا کہ پائے کوبی اور دست افشانی کو اپنا شیوہ بنایا ہے۔"

مناقب الاصفیا[1] میں ہے کہ جب سلطان شمس الدین شیخ احمد چرم پوش
سے مرید ہو کر بہار میں پیر کی خدمت میں رہنے لگے اور ان کے تینوں لڑکے
اور اہلیہ بھی دہلی سے بہار چلی آئیں تو دو لڑکے شیخ معز الدین اور شیخ قمر الدین
تو شیخ احمد چرم پوش سے مرید ہوئے لیکن شیخ مظفر بلخیؒ کی طبیعت حضرت
مخدوم الملکؒ کی طرف مائل تھی اس لئے وہ اپنے والد ماجد کے ایک دو بار
اشارہ کرنے پر بھی خاموش رہے۔ شیخ شمس الدین کو بعد میں جب معلوم ہوا کہ مولانا
مظفر بلخیؒ کی طبیعت کا میلان حضرت مخدوم الملکؒ کی طرف ہے، تو انہوں نے
بخوشی اس کی اجازت دی اور فرمایا کہ جہاں تمہارا میلان ہو وہیں بیعت لو۔

مولانا مظفر بلخیؒ اپنے والد کی اجازت کے بعد حضرت مخدوم الملکؒ کی
خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ مشکلات علمی کے بارے میں اپنی تشفی کرنی چاہی۔
مخدوم الملکؒ نے ان کے جواب دیئے۔ مولانا مظفر کو ظاہری علوم دانی کا ایسا
گھمنڈ تھا کہ اکثر و بیشتر مشائخ سے بحث میں الجھ چکے تھے۔ حضرت مخدوم الملکؒ
سے بھی گرم گفتار ہوئے اور "لا نسلم" کی جھڑ لگا دی لیکن بارش کا قطرہ
سمندر پر کتنا ضرب لگا سکتا تھا۔ حضرت مخدوم الملکؒ کی توجہ اور انداز گفتگو سے
ایسا متاثر ہوئے کہ قدم پکڑ لیا اور اپنی گرم گفتاری پر پشیمان ہوئے۔ حضرت
مخدوم الملکؒ ان کے ساتھ ملاطفت اور شفقت سے پیش آئے۔ حضرت مولانا

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۴۸

مظفر نے مرید ہونے کی درخواست کی۔ حضرت مخدوم الملکؒ نے ان کو شرف ارادت سے مشرف کیا مگر فرمایا کہ مولانا راہ طریقت کی مشغولی بغیر علم کے نہیں ہوتی اور آپ نے اس وقت تک جو علم پڑھا ہے وہ جاہ اور نفس پروری کے لئے پڑھا ہے اب خلوص نیت سے اللہ کے واسطے پھر علم پڑھئے تاکہ ترقی سلوک کا سبب ہو۔ اپنے مرشد کے حسب الحکم حضرت مولانا فوراً طلب علم کی غرض سے دہلی روانہ ہو گئے اور دو سال تک وہاں خالصتہً للہ حصول علم میں مشغول رہے۔ سلطان فیروز نے ان کی علمیت اور اخلاق کی شہرت سُن کر ایک کوشک میں درس و تدریس کی خدمت سپرد کی۔ کچھ دن تک وہاں رہے ہوں گے کہ ایک روز ایک قوال کے گانے پر ایسی کیفیت ہوئی کہ بالاخانے سے نیچے کود گئے، اور بہار شریف اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مخدوم الملکؒ نے ان کے نفس کو مزید کچلنے کے لئے خانقاہ کے درویشوں کی خدمت پر ان کو مامور کیا آپ اس میں مگن تھے۔ اور فقرا چھوٹے سے چھوٹا جس کام کو کہتے بخوشی بجالاتے۔ کپڑے جسم پر تار تار ہو گئے تھے۔ آپ ان میں گرہیں دے ڈالتے اور اکثر مستی کے عالم میں یہ شعر پڑھتے؛ ؎

خوشم بدولت خواری و ملک تنہائی

کہ التفات کسے را بروزگارم نیست

مخدوم الملکؒ کو جب اس حال کی خبر ہوئی تو آپ نے ان کی خدمات بدل دیں۔

اور اچھے کپڑے اور کھانے دئے۔ لیکن مولانا مظفر بلخیؒ پر فقر کا بھید روشن ہو چکا تھا۔ آپ کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور اکثر یہ شعر پڑھتے۔ ؎

جانِ آدم چوں بہ سرِّ فقر سوخت
ہشت جنت را بہ یک گندم فروخت

ذریعہ دولت[1] میں ہے کہ ایک دن شیخ مظفرؒ دہلیز پر ہاتھ اونچا کئے ہوئے کھڑے تھے، مخدوم الملکؒ کی نظر ان پر پڑی دیکھا کہ صرف ہڈی کا ڈھانچا کھڑا ہے۔ پوست استخواں سے چپیدہ ہے، قاضی زاہد سے مسکرا کر فرمایا "زاہد دیکھتے ہو یہ "لا نسلم" کا کہنے والا سلوک کی منزل کو کتنی تیزی سے طے کر گیا۔" پھر عنایت خاص کے بعد خلیفہ اور مجاز بنا کر خلق اللہ کی خدمت کے لئے عدن روانہ کیا۔

مناقب الاصفیا[2] میں شیخ الاسلام شیخ حسین معز شمس بلخیؒ سے مروی ہے کہ حضرت مخدوم جہاںؒ کے مریدان ایک لاکھ سے زیادہ تھے۔ ان سبھوں میں چالیس حضرات واصل بحق کے درجہ پر تھے۔ اور ان چالیس حضرات میں تین بزرگ یعنی حضرت مولانا مظفر بلخیؒ اور دو اور بہت اہم تھے۔ حضرت مولانا مظفر بلخیؒ کو عشق کی آگ ودیعت ہوئی تھی اور بقیہ دو کو اس کا دھواں۔

حضرت مخدوم الملکؒ کو اپنے دو خلیفہ شیخ نصیر الدین اور شیخ مظفرؒ سے

---

[1] ذریعہ دولت صفحہ ۹۴ [2] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۳۹

بڑی محبت تھی لیکن ان دونوں میں بھی جو محبوبیت کا مقام مولانا مظفر بلخیؒ کو حاصل تھا وہ ان کو نہ تھا۔ بعض تذکروں میں ہے مولانا مظفر بلخیؒ جب حضرت مخدوم الملکؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت مخدومؒ دروازہ تک بڑھ کر ان کا استقبال کرتے۔ اور جب شیخ نصیر الدینؒ آتے تو حضرت مخدوم الملکؒ دو زانو ہو بیٹھتے۔ ایک مرتبہ قاضی زاہدؒ نے حضرت مخدوم الملکؒ سے اس کا سبب پوچھا تو جواب ملا:—

"کیا کروں[1] جب مولانا مظفرؒ آتے ہیں تو یہ کہتا ہوا بڑھتا ہے ماہ آتا ہے' شاہ آتا ہے' اور جب شیخ نصیر الدینؒ آتے ہیں تو دل کہتا ہے مولانا آتا ہے۔"

اس مقام محبوبیت کے باوجود بھی حضرت مخدوم الملکؒ دو مرتبہ اپنے چہیتے مرید سے بہت زیادہ خفا ہو گئے تھے ایک مرتبہ تو کرامت دکھلانے پر اور دوسری مرتبہ مولویانہ مناظرہ کرنے پر یہ دونوں واقعات آئندہ آئیں گے۔

مناقب الاصفیا[2] میں ہے کہ جس زمانہ میں حضرت مخدوم الملکؒ راجگیر میں ریاضت اور مجاہدہ میں مشغول تھے مولانا مظفر کو بھی اپنے ہی ساتھ راجگیر میں رکھا تھا۔ اور ایک حجرہ ان کے لئے علحدہ متعین کر کے اربعین میں بٹھلا دیا تھا۔ ابھی تیس ہی گذرے ہوں گے کہ اتفاق سے امیر شیخو قوال نے یہ اشعار

---

[1] مونس القلوب قلمی صفحہ ۳۳ [2] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۵۰

حجرہ سے باہر گایا: ؎

کیش ما رسم شکستن نہ بود عہد وفا را
اللہ اللہ تو فراموش مکن صحبت ما را

دریں دیار گذشتی و سالہا گذشت
ہنوز بوے تو می آید از منازلہا

آپ کو ضبط کا یارا نہ رہا چلہ توڑ کر سرمستی و تواجد کی حالت میں باہر نکل آئے۔

ذریعہ دولت[1] میں ہے کہ ایک دن مولانا مظفر بلخیؒ ورد و وظائف سے فارغ ہو کر باہر آئے تو حضرت مخدوم الملکؒ سے فرمایا کہ جب میں ذکر و فکر میں مشغول ہوتا ہوں تو مجھے اپنی منکوحہ کا خیال سامنے آجاتا ہے ایسی حالت میں میری مشغولیت کیا فائدہ دے گی۔ مخدوم الملکؒ خاموش رہے تھوڑی دیر بعد پھر مولانا مظفر بلخیؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنی منکوحہ کو طلاق دیا۔ مخدوم الملکؒ نے جب یہ سنا تو فرمایا تم کو خلوت کی ضرورت نہیں جہاں رہو اور جس حال میں رہو برابر ہے آپ نے کئی نکاح کیا۔ لیکن آپ کا یہ عجب طریقہ تھا کہ جب آپ کو کسی منکوحہ سے محبت ہونے لگتی آپ فوراً طلاق دیدیتے اس طرح پانچ منکوحہ کو آپ نے طلاق دیا۔ آپ کی کئی لونڈیاں بھی تھیں لیکن جس لونڈی سے بھی آپ کو کچھ محبت محسوس ہوتی آپ فوراً اسے آزاد کر کے اس کی شادی کر دیتے۔ اور شوہر کے

---

[1] ذریعہ دولت صفحہ

حوالہ کر دیتے مگر بی بی ضیا کہ جب ان کو آزاد کر کے کسی کے ساتھ شادی کے بعد حوالہ کرنا چاہا تو آپ نے مولانا کا قدم پکڑ لیا اور کہا مجھ کو آزاد نہ کیجئے مجھکو آپ کے ساتھ خلوت خیر کی محبت ہے۔ خدمت میں رہنے دیجئے کہ دولت خدمت سے محروم نہ رہوں۔ حضرت مولانا نے آپ کی بات مان لی اور وہ ساتھ رہیں۔

مناقب الاصفیا[1] میں ہے کہ حضرت مولانا بلخیؒ اپنی بلندی ہمت کے سبب درباخت و برخاست میں پیر کے دل میں محبوب ہوئے اور پیر کی رہبری سے عقبات سے ترقی کی اور احوال کے غلبوں سے مقامات تمکین میں پہنچے باوجود اس کے کہ مقام تمکین میں تھے آپ کا شور اور غلبۂ حال حد سے زیادہ تھا۔ متاع دنیوی کو اپنے پاس رکھنا جائز نہیں رکھتے تھے جب کچھ مال و متاع جمع ہو جاتا تو خود کھڑے ہو کر گھر کو لٹوا دیتے اس طرح چالیس بار آپ نے اپنے گھر کو لٹوایا۔ مخدوم شیخ حسین نوشہ توحید فرماتے ہیں کہ جب آپ اپنا گھر لٹواتے تھے تو میں چھوٹا سا تھا کبھی میرا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آتے تھے اور کبھی مجھ کو بھی بھول جاتے تھے۔ کوئی دوسرا آدمی میرا ہاتھ پکڑ کر ہجوم سے باہر لاتا تھا۔ آپ عوام سے فرما دیتے کہ گھر میں جو کچھ ہے لے لو۔ اس طرح اکثر پڑھنے کی کتابیں بھی چلی جاتیں۔ جن کو پھر حضرت حسین نوشہ توحیدؒ قیمت دیکر واپس لیتے

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۴۹

متاع دنیوی سے بے نیازی اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دینے کا ان کو ایسا چسکا پڑ گیا تھا کہ ایک مرتبہ کوئی سائل آیا حضرتؒ نوشہ توحیدؒ کا بقچہ سامنے رکھا ہوا تھا۔ آپ نے سائل کو وہی اٹھا کر دے دیا۔ دو تین دن بعد مخدوم شیخ حسین نوشہ توحیدؒ ضرورت سے اس بقچہ کو ڈھونڈھنے لگے تو آپنے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں بے دیانت ہوں پھر میرے پاس کیوں کوئی چیز رکھتے ہو۔ انہوں نے ادب سے فرمایا۔ "حضرت سعادت میری ہے اگر آپ مجھے بھی کسی کو بخش دیں۔

ایک مرتبہ کا اور واقعہ ہے کہ صحیح مسلم شریف کا ایک نادر نسخہ جو حضرتؒ حسین نوشہ توحید کے برابر مطالعہ میں رہتا تھا۔ مولانا مظفرؒ نے اسکو دیکھنے کے لئے حضرت حسین نوشہ توحیدؒ سے مانگا۔ وہ کتاب مولانا کے سامنے رکھی ہوئی تھی۔ اسی وقت ایک سائل آگیا۔ مولانا کے پاس سائل کو دینے کو کچھ نہ تھا آپنے وہ صحیح مسلم شریف کا نسخہ ہی اُٹھا کر اسے دے دیا۔ شیخ حسینؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ حضرتؒ وہ نسخہ تو آپ نے مجھ کو عنایت فرمایا تھا اور وہ میرے پاس آپ کی یادگار تھی۔ مولانا نے فرمایا جب میں نے دیا تم بھی دیدو بعد میں شیخ حسینؒ نے تین سو ٹنکے دیکر اس سائل سے خرید کیا۔

ایک اور واقعہ اسی طرح کا مناقب الاصفیا[1] میں مرقوم ہے کہ کوئی مالدار

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۵۰

مرید مولانا مظفر بلخیؒ سے ملنے کے لئے آیا تو بہت کافی ٹنکے نقرئی لاکر نذر کیا۔ آپ نے اسی وقت وہ سارے ٹنکے حاضرین میں تقسیم کر دیئے۔ اتفاق سے دو ٹنکے بچ گئے۔ ان کے خادم نے اٹھا کر طاق پر رکھ دیا۔ آپ اپنے معمول پر نماز میں مشغول ہوئے۔ جب تحریمہ نماز کے واسطے باندھتے تو طبیعت اچٹ جاتی۔ آپ نے خادم کو بلا کر فرمایا کہ تلاش کرو کچھ آلائش دنیا گھر میں رہ گئی ہے جو ہر بار نماز میں مزاحمت کرتی ہے۔ خادم نے بہت تلاش کے بعد وہ دونوں ٹنکے لاکر حاضر کئے کہ اس کے علاوہ اور تو کچھ نہیں۔ آپ نے خادم کو حکم دیا کہ اس کو کسی کو دے دو اور اس کے بعد الحمد للہ والمنۃ کہہ کر پھر نماز ادا کی۔

صاحب مناقب الاصفیا[1] نے لکھا ہے کہ حضرت مولانا مظفر بلخیؒ سے کرامات اور خوارق عادات کا بہت کم اظہار ہوتا تھا۔ اس لئے کہ حضرت مخدوم الملکؒ اسے بہت زیادہ ناپسند کرتے تھے پھر بھی کبھی کبھی طبیعت سے مجبور ہو کر کرامات کر ہی بیٹھتے تھے۔ اور اس کے لئے اپنے پیر سے معتوب ہوتے ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت مخدوم الملکؒ کے ساتھ کسی مجلس میں حاضر ہوئے شیخ منہاج الدین جنھوں نے کئی حج ادا کئے تھے اس مجلس میں موجود تھے۔ بات فرضیت حج میں چلی۔ شیخ منہاج الدین نے بطور اعتراض آپ کے پیر کی طرف

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۵۱

دیکھ کر کہا کہ حج سب مسلمانوں پر فرض ہے اور ایک طرح کا فخر فعل حج سے ظاہر کیا۔ آپ کو شیخ منہاج الدین کی باتیں بڑی ناگوار گذریں چہرہ تمتما اٹھا حرارت باطنی سے مغلوب ہو کر اپنی آستین شیخ منہاج الدین کو دکھلائی اور بولے کتنا حج حج کا ذکر کروگے غلامان شیخ شرف الدین کی آستین میں دیکھو شیخ منہاج الدین نے جو نگاہ کی کعبہ مبارک کو آپ کی آستین میں دیکھا تعجب میں رہے لیکن حضرت مخدوم الملک کو یہ بات پسند نہ آئی۔ اور انہوں نے برہمی کے ساتھ فرمایا جتنا تم اپنی کرامات کا اظہار کروگے اتنا ہی کرامات بخشنے والے سے دور ہوتے جاؤگے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا اگر میں نہ ہوتا تو تمہارا حشر بھی منصور ہی جیسا ہوتا۔ [۱]

گنج لا یخفی اور مونس القلوب دونوں میں ہے کہ حضرت مولانا مظفر بلخیؒ کو ایک مرتبہ بہار کے علماء کے ساتھ بحث کا اتفاق ہوا۔ آپ فرماتے تھے کہ مسموع یعنی جو کچھ سننے میں آتا ہے اور مقروء یعنی جو کچھ پڑھا جاتا ہے اور مکتوب یعنی جو کچھ لکھا جاتا ہے اور محفوظ یعنی جو کچھ دلوں میں یاد ہے حقیقتاً وہی کلام نفسی ہے بغیر حلول کے اور علماء بہار کہتے تھے کہ یہ سب کلام نفسی نہیں ہے بلکہ کلام نفسی پر دال ہے۔ جب بحث بہت طول کھینچ گئی تو مولانا مظفرؒ نے فرمایا کہ تم لوگ کیا سمجھو گے تمہارے استادوں کی سمجھ سے بھی یہ باہر ہے

---

[۱] مونس القلوب صفحہ ۱۷۴

یہ بات ان لوگوں کو گراں گذری۔ محضر لکھا اور مولانا مظفرؒ نے بھی ایک
رسالہ لکھا جس میں دلائل منقول اور معقول بہت لائے صبح کو حضرت مخدوم
الملکؒ کے حضور میں اس رسالہ کو پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ علمائے بہار نے
محضر لکھا ہے اگر حکم ہو تو میں بھی ان کا جواب دوں مخدوم الملکؒ اس رسالہ کو
دیکھ کر بہت برہم ہوئے اور فوراً اس کو چاک کر کے فرمایا۔

"مولانا تم میرے پاس مسلمان ہونے کو آئے ہو یا بحث و مناظرہ
کرنے کو۔ یہ جو تم نے لکھا ہے اسے کون سمجھے گا۔"

مولانا مظفرؒ نادم ہو کر بیٹھ گئے جب دیر ہوئی تو علمائے بہار نے دو طالب علموں کو
مولانا کو بلانے کے لئے بھیجا۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ مولانا حضرت مخدوم
الملکؒ کی خدمت میں گئے ہیں تو وہ لوگ بھی وہاں پہنچے لیکن باہر ہی ہیں لوگوں سے
یہ معلوم کر کے کہ مخدوم الملکؒ مولانا مظفرؒ کے ہم خیال ہیں واپس چلے گئے۔ اور اس
محضر کو دہلی کے علماء کے پاس بھیجا۔ وہاں کے علمائے نے بھی وہی باتیں ثابت کیں،
جو مولانا مظفر بلخیؒ فرماتے تھے۔[1]

ذریعہ دولت میں ہے کہ حضرت مولانا مظفر بلخیؒ نے ایک مرتبہ حضرت مخدوم
الملکؒ کو لکھ بھیجا کہ میں جب وضو کرنے کو نکلتا ہوں تو راستہ میں درخت مجھ سے
بولتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ مجھ سے چاندی بن سکتی ہے کوئی کچھ کوئی کچھ۔ حضرت

---

[1] ذریعہ دولت صفحہ ۵۵

مخدوم الملکؒ نے جواب دیا، آزمائش کرو اگر جھوٹی ہو تو شیطانی وسوسہ سمجھنا اور لاحول پڑھنا اور اگر سچ ہو تو مجھے دکھلانا۔ حضرت مولانا مظفر بلخیؒ نے رانگے کے کنگن پر ایک درخت کے پتے کا عرق ٹپکایا اور وہ چاندی ہو گیا۔ مولانا نے وہ کنگن ثبوت میں حضرت مخدوم الملکؒ کی خدمت میں بھیجدیا تو آپ نے فرمایا :۔

"برادرم ! ایسی چیزیں تمہیں بہت دکھلائی جائیں گی لیکن تم کو چاہئے کہ ان کی طرف توجہ نہ کرو۔ کیونکہ تمہاری منزل اس سے بہت آگے ہے۔"

حضرت مولانا نے پھر اس طرح کی باتوں پر کبھی توجہ نہ کی۔

حضرت مخدوم مظفر بلخیؒ کی زندگی اپنے مرشد ہی کی طرح حد درجہ درویشانہ اور فقر کی تھی۔ آپ نے کبھی دو وقت کھانا نہیں کھایا صرف ایک مرتبہ بعد نماز عشا کے روکھی سوکھی جو کچھ غذا سامنے لاکر رکھ دی جاتی وہ کھا لیتے۔

ذریعہ دولت[1] میں ہے کہ آپ برابر اپنے مریدوں سے فرماتے کہ میرے ساتھ اگر تمہیں گرسنگی اور تشنگی برداشت ہو تو رہو ورنہ پھر میرے ساتھ رہنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا

مونس القلوب[2] میں ہے کہ جب حضرت مخدوم الملکؒ کا وصال ہوا تو مولانا مظفر بلخیؒ عدن میں تھے جب تک آپ وہاں سے بہار تشریف لائیں۔ حضرت مخدوم الملکؒ کی خانقاہ میں ان کے بعض مریدوں نے کلاہ دینا شروع کر دیا تھا

---

[1] ذریعہ دولت صفحہ ۵۵ [2] مونس القلوب قلمی صفحہ ۵۰

مشائخ کے اجتماع پر مولانا مظفرؒ نے ان لوگوں کے کلاہ دینے کا سبب پوچھا۔ مولانا شہاب الدین مانک پوری بولے میرے پاس حضرت مخدومؒ کی ٹوپیاں تھیں۔ بعض نے کہا کہ حضرت مخدوم الملکؒ نے مجھ کو اپنا غلاف دیا تھا اس سے دیتا تھا۔ پھر ان لوگوں نے مولانا مظفر بلخیؒ سے پوچھا کہ آپ کیا حجت رکھتے ہیں۔ مولانا نے فوراً حضرت حسین نوشہ توحیدؒ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"میاں حسین جاؤ اور حضرت مخدوم الملکؒ نے مجھ کو جو اجازت نامہ خاص مرحمت فرمایا تھا وہ لے آؤ۔"

تھوڑی دیر توقف کے بعد آپ نے فرمایا:۔

"صاحبو! میں نے ایسا پیر نہیں کیا ہے جو مر جائے۔ آؤ ہم سب لوگ خود شیخ ہی سے پوچھ لیں۔ وہ جس کو فرمائیں وہی خلیفہ ہو۔"

یہ کہہ کر وہ مزار اقدس کی طرف بڑھے۔ لیکن قاضی مخدوم عالم نے فوراً روکا اور فرمایا تم لوگ کیا چاہتے ہو کہ فتنہ قائم ہو۔ میں جانتا ہوں کہ جب یہ مزار اقدس پر کھڑے ہو کر عرض کریں گے تو حضرت مخدوم الملکؒ ان کو ضرور جواب دیں گے یہ سن کر سب نادم ہوئے اور مولانا مظفر بلخیؒ کو بالاتفاق مسند سجادگی پر بٹھلایا۔[1]

مونس القلوب میں ہے کہ کسی شخص نے حضرت مولانا سے عرض کیا کہ آپ اپنے وقت خاص میں بندہ کو یاد کریں اور دعا فرمائیں۔ مولانا نے جواب دیا

---

[1] مونس القلوب قلمی صفحہ ۸۱

کہ لعنت ہے اس وقت پر جس میں تو یاد آئے ۔

حضرت صوفیا کا خیال ہے کہ انسان کا دل جس قدر اوصاف ذمیمہ یعنی کبر و کینہ حب جاہ اور حب دنیا وغیرہ سے پاک ہوگا اسی قدر اس کو مرتبہ یقین اور معائنہ حاصل ہوگا ۔ اور جتنا اس کا رابطۂ قلب مستحکم ہوگا اتنا ہی ابھی فائدہ ہوگا ۔ یہاں تک کہ اگر ایک مومن دوسرے مومن کی ملاقات کا ارادہ کرے گا تو اس کو بھی ربط قلب ہم آگاہی دل اور کشش محبت کے باعث اس کی ملاقات کی خواہش پیدا ہوگی ۔ اور جو جیتے جی مر گئے ان کا عالم یہ ہے کہ ابدانھم فی الدنیا و قلوبھم فی الاخرۃ یعنی ان کا بدن دنیا میں اور دل عقبیٰ میں ۔ ے

بوالعجب قومے کہ پیش از مردن خود مردہ اند

پیش ازاں کاید لو یدے رخت انجا بردہ اند

اس سلسلے میں مونس القلوب[1] میں ہے کہ حضرت مولانا مظفر بلخی رح کو جو حاجت اور مشکل پیش آتی تھی اور جہاں کہیں بھی ہوتے اپنے مرشد کی طرف توجہ کرتے تھے ۔ اور رابطہ قلب سے ان کو مدد پہنچتی تھی ۔ اور وہ مشکل حل ہوجاتی تھی ۔ چنانچہ جس زمانہ میں آپ مکہ معظمہ میں تھے ، آپ کو کوئی حاجت پیش آئی آپ نے فوراً اپنے مرشد کی طرف توجہ کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا ۔ کچھ پریشان ہوئے

---

[1] مونس القلوب قلمی صفحہ ۸۹

شب کو سرورِ کائنات صلعم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں :۔

"مظفرؒ یہ زمین پیغمبروں کی ہے شرف الدین ادب کی بنا پر جوان کو ہے اس زمین میں تصرف نہیں کرتے۔ تمہاری جو حاجت ہو مجھ سے کہو پوری کروں۔ اور اگر شرف الدین ہی سے کہنا ہو تو یہاں سے دور ہو کر کہنا چاہئیے۔"

حضرت مولانا وہاں سے اٹھ کر کئی کوس مکہ معظمہ سے باہر چلے گئے اور وہیں اپنے شیخ کی طرف توجہ کی۔ اور ان کی مشکل حل ہو گئی۔[۱]

اسی زمانہ کا ایک اور واقعہ مصنف ذریعہ دولت[۲] نے لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کے قیام کے دوران میں مولانا مخدوم اکبرؒ غار حرا کے قریب دامن کوہ میں ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے۔ مولانا بہاؤ الدینؒ بھی آپ کے قریب ہی ایک جگہ مشغول تھے۔ مولانا بہاء الدینؒ کے دل میں یکایک وسوسہ آیا کہ اس وقت مجھ کو حضور حاصل ہوا ہے جو کسی چیز کی طرف التفات نہیں رہا اتنے میں ایک پتھر پہاڑ کے اوپر سے الگ ہوا اور زور سے لڑھکتا ہوا نیچے کو چلا۔ آپ سے وہ پتھر قریب تھا اور مولانا بہاء الدینؒ سے دور۔ مولانا بہاء الدین کو دہشت طاری ہوئی اور اٹھ کر بھاگے۔ اور مولانا مظفرؒ بلخی نے اس طرف التفات بھی نہ کیا۔ جب پتھر نیچے گر گیا۔ آپ نے فرمایا مولانا بہاؤ الدین

۱؎ مونس القلوب قلمی صفحہ ۸۹ ۲؎ ذریعہ دولت صفحہ ۵۷۔۵۸ و مونس القلوب قلمی صفحہ ۹۰

آپ کو خوب حضور حاصل ہوا ہے۔ مولانا بہاء الدین شرمندہ ہوئے اور اس خطرہ سے توبہ کی۔

مناقب الاصفیا[1] میں لکھا ہے کہ مولانا مخدوم کے بھائی شیخ معز الدین کی موت کا حادثہ مکہ ہی میں ہوا تھا۔ دمِ واپسیں کے وقت مولانا مخدوم شیخ معز الدین کے سرہانے کھڑے تھے اس وقت افسردگی کے ساتھ فرمایا:۔

"معز الدین مناسب تھا کہ پہلے مجھ کو جانے دیتے اس لئے کہ میں تم سے بڑا تھا۔"

پھر پیراہن کا گریبان ہاتھ میں لیکر اشارہ فرمایا کہ میرا اور تمہارے درمیان بس یہی پیراہن ہے۔ ۹ر شوال کو شیخ معز الدین کا وصال ہوا اور وہیں مقام بی بی خدیجہؓ اور فضیل عیاضؒ میں مدفون ہوئے۔ تجہیز و تکفین کے بعد مولانا مخدوم مکہ معظمہ سے واپس ہوئے۔ عدن کے راستہ میں پیراہن مبارک پھٹ گیا۔ خیاط کو اشارہ کیا کہ پیوند لگا دے۔ حضرت شیخ حسین نے جو ان کے ہمراہ تھے عرض کیا کہ نیا کپڑا موجود ہے، اجازت ہو تو لاؤں۔ مولانا مخدوم نے جواب دیا وہ تم پہنو۔ پھر دستار کے لئے اصرار کیا وہ بھی نہ باندھا۔ تو شیخ حسین نے عرض کیا آپ ایسا نہ فرمائیں۔ جاں نثاران امیدوار ہیں کہ آپ کی موجودگی میں ان لوگوں کو خدا بلالے کہ آپ ان لوگوں کی نماز جنازہ پڑھیں۔ حضرت مولانا مخدوم نے منہ

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۵۱

قبلہ کی طرف کیا اور ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر فرمایا اللہ تعالےٰ تمہاری دعا قبول نہ کرے۔

آپ کے مرض الموت کے بارے میں مناقب الاصفیا[1] نے لکھا ہے کہ آپ عدن میں تھے کہ مرض الموت میں گرفتار ہوئے۔ اکیس[21] روز کے قریب نہ کچھ کھایا نہ پیا، نہ کسی سے کوئی گفتگو کی اگر کوئی کچھ پوچھنا چاہتا تو فرماتے مجھے تشویش نہ دو، مجھے اپنے کام میں مشغول رہنے دو۔ شیخ حسین نوشہ توحیدؒ آپ کی خدمت میں برابر حاضر تھے۔ ان سے کبھی کبھی فرماتے، "میں اپنے شیخ کو دیکھتا ہوں لیکن وہ مجھ سے کچھ فرماتے نہیں" ایک دن صبح بشاش اٹھے اور شیخ حسینؒ سے بولے کہ مجھے اٹھاؤ اور تکیہ کا سہارا دو۔ آج کی رات میں نے اپنے شیخ کو اپنے مطلب کے مطابق دیکھا ہے اور ملاقات کی ہے۔ لیکن آج کی رات جو میں نے خواب دیکھا ہے وہ نہیں کہوں گا۔ شیخ حسینؒ بہت بضد ہوئے اور منت و سماجت کی تو بولے میں تمہیں اس خواب سے ایک رمز کہتا ہوں اور وہ یہ کہ من احب لقاء اللہ احب اللہ لقائہ (یعنی جو دوست رکھتا ہے اللہ کی ملاقات کو اللہ اس کی ملاقات کو پسند فرماتا ہے) پھر اپنے عالم میں مشغول ہو گئے۔

آخری روز جس روز سفر آخرت کرنا تھا آپ نے شیخ حسین نوشہ توحیدؒ کو ہر طرح کی اپنی اور اپنے پیر کی نعمتیں عطا فرمائیں۔ اور بہار کی مسند سجادگی پر اپنے قائم مقام کیا

---

[1] مناقب الاصفیا صفحہ ۱۵۲

اور کچھ نصیحتیں فرمائیں - اور پھر یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے اور اسی حالت میں سحر رمضان المبارک ۸۰۳ھ کو اپنے خالق سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون مزار اقدس عدن ہی میں ہے ۔ تاریخ وفات مصنف فریعہ دولت نے اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے : ؎

روح مولانا مظفر کرد چوں نقل مکان

از عدن دُر عدن شد تاریخ مخدوم زمان

مولانا مظفر بلخیؒ کی تصانیف میں ان کے مکتوبات بہت اہم ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کا ایک فارسی دیوان بھی مطبوعہ ہے ۔ آپ کے مکتوبات کے بارے میں مولف حیات ثبات نے مجھ سے ایک روز فرمایا کہ وہ دو سو کے قریب ہیں ۔ لیکن مجھے ان کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ سب مکتوب ملا کر ایک سو اٹھارسی حاصل ہوئے ۔ جو میرے پیش نظر ہیں - ان میں سے غیر مطبوعہ مجموعۂ مکاتیب کا قلمی نسخہ میرا ذاتی ہے ۔

مولانا کے مکتوب میں حضرت مخدوم الملکؒ کا ہی رنگ جھلکتا ہے وہی حدیث و قرآن سے حوالے ، فلسفہ اور علم کلام سے استدلال ، تصوف اور روحانیت کے ساتھ اخلاق ظاہری کی درستی پر زور مکتوب میں نمایاں ہے ہر مکتوب اس لائق ہے کہ ہر وقت پیش نظر رکھا جائے کہ اس میں رموز و نکات کے دفتر بے پایاں پوشیدہ ہیں ۔

مولانا مخدومؒ کے مکتوب کا ترجمہ اُردو میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب فضا مرحوم نے کیا تھا۔ اسی ترجمے سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:۔

"پہلا مکتوب توکل اور یقین کے بیان میں"

میرے نہایت عزیز بھائی مولانا ظہیر الدین سلام مطالعہ کرو۔ عرض یہ ہے کہ تم برادر عمر باقی ماندہ کو غنیمت شمار کرو۔ اور اس سے آخرت کا توشہ اور راہ خرچ بناؤ۔ عمر کا جس قدر حصّہ گذر چکا اسکی تدارک تو ممکن نہیں ہے۔ اب جو حصہ عمر کا باقی رہ گیا ہے کیا وہ بھی لایعنی باتوں میں ضائع ہو جائے۔ افسوس، ہزار افسوس، تم نے جب فقر کا راستہ اختیار کیا ہے تو فقیروں کے طور طریق پر چلو۔ اور ان کی باتوں کو اپنی پونجی بناؤ۔ سنو ان کا مقولہ یہ ہے کہ ہمیں یقین ہے کہ روزی جو کہ ازل ہی میں تقسیم ہو چکی ہے، ہماری محنت اور کوشش سے کم و بیش نہیں ہو سکتی تو پھر ایسی چیز کا طلب کرنا جو خواہ مخواہ ملنے والی ہے اور کسی طرح ٹلائے نہیں ٹل سکتی۔ اور نہ کم و بیش ہو سکتی ہے محض تحصیل حاصل اور ایک بے فائدہ بات ہے۔"

"مکتوب سوم ہمت بلند اور اس کے اندر قدم رکھنے میں"

بڑے عزیز بھائی قاضی شرف الدین! اللہ تعالےٰ نے تمہیں ہمت کیسا بخشا

مشرف کرے۔ فقیر حقیر مظفر شمس کی طرف سے سلام دعا مطالعہ فرماؤ۔

اے دوست ایک بات ہے جو کہ ہمیں اور تمہیں ابدی ماتم میں بٹھا دے آہ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس نے ابدی ماتم میں بٹھا بھی ہے۔ کیونکہ میں بدنصیب اس ماتم کی لیاقت نہیں رکھتا۔ یہ ماتم راہ اعلیٰ کے بدنصیبوں کی بدنصیبی کا ہے۔ اقبال مند تاجور لوگ ان بداقبالوں کے جوتیوں کی خاک کو سرمہ بنانے کے آرزومند ہیں۔ شیخ الاسلام شیخ شرف الحق والدین، قدس اللہ سرہ العزیز وصال کے وقت فرماتے تھے۔ "ہم لوگ وہی دیوانے ہیں، ہم لوگ وہی دیوانے ہیں" تیسرے بار فرمایا کہ "ہم لوگ دیوانوں کے جوتیوں کی خاک ہیں۔" یہ بداقبال لوگ وہی دیوانے ہیں جو تم نے سنا یہ ماتم ان ہی لوگوں کا ماتم ہے۔ اور خوشی ان ہی لوگوں کی خوشی ہے۔ ہمارے تمہارے جیسے ہوا و ہوس کے بندوں کو نہیں چاہیئے کہ ان لوگوں کا ذکر یا ان کے ماتم اور خوشی اور اد بار کا ذکر کریں۔ اور یہ جو میں نے اوپر میں لکھا ہے کہ ایک بات ہے۔ اے دوست وہ بات یہ ہے کہ فضلا علما حکما اور اولیا سب ہی اس ایک بات پر متفق ہیں کہ قیمت المرءِ ھمتہٗ یعنی مرد کی قیمت اس کی ہمت ہے اور آج جس کی ہمت کا گھوڑا دنیا کی حد سے آگے نہیں جاتا وہ آج بھی اندھا ہے اور کل بھی اندھا ہے اور آخرت سے بے نصیب ہے۔"

آٹھواں مکتوب بے خودی کے ذکر میں

فرمایا نبی علیہ السلام نے کہ الایمان عریان و لباسہٗ التقویٰ ۔ یعنی ایمان عریان ہے اور اس کا لباس تقویٰ ہے ۔ اے دوست ! تم یقین جانو کہ کسی خودی والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف راستہ نہیں ہے ۔ جب کوئی شخص اپنی خودی کے لباس کو اُتار کر رکھدیتا ہے اور اس خودی کے لباس سے ننگا ہو جاتا ہے ۔ تب ایمان کے جمال کا آفتاب اس پر روشن ڈالتا ہے ۔ الایمان عریان یہ ہوا ۔ جب وہ شخص اپنی خودی کے لباس سے ننگا ہو گیا تب بیخودوں کے لباس میں سے ایک لباس اس کو پہناتے ہیں لباسہٗ التقویٰ یہ ہوا ۔ سنو اے دوست ! جب تم خودی کے لباس سے ننگے ہو گئے تو تقویٰ کا لباس پہنو ۔ و ثیابک فطہر ۔ اور اپنے کپڑے کو چھوٹا کرو تاکہ ایسا نہ ہو کہ اپنی خودی کے لوث سے پھر آلودہ ہو جاؤ ۔ جب کہ تم خودی سے باہر آئے تو اب اپنے آپ سے پرہیز کرو ۔ ہوشیار ہو تاکہ پھر کسی جگہ اپنی خودی سے آلودہ نہ ہو جاؤ ۔ جو لوگ شیطانی مزبلہ کی نجاستوں کے ساتھ آلودہ ہیں ان کو ان کلمات سے واسطہ اور سروکار نہیں ہے ۔ "

مولانا کے کافی خطوط سلطان غیاث الدین بادشاہ ہندوستان اور خان ہمایوں دستور (وزیر اعظم) کے نام بھی ملتے ہیں۔ ان کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مولانا سے حد درجہ عقیدت رکھتے تھے اور مولانا اکثر و بیشتر ان لوگوں کو اپنے نصائح اور تصوف کے اسرار و نکات سے نوازا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ان دونوں کے نام ایک ایک خط درج ذیل کیا جاتا ہے۔

مکتوب[1] صد و شصت و دوم ۱۶۲ در عبارت کلمات دیوانگان و بیان بزرگی شیخ شرف الدین پانی پتی بجانب خان ہمایوں دستور

بسم اللہ الرحمن الرحیم سلام و دعا تعریفی کرده نموده آمد — در پانی پت شیخ شرف الدین پانی پتی بود کہ سی سال طعام نخورد وقتے یخنی و جغرات پیش او بردندے بارے یخنی در جغرات تر کردے بجوشیدے و بیروں انداختے گویند آں یخنی ہر کہ خوردے دیوانہ شدے۔ وقتے مکتوبے بر سلطان علاؤ الدین نوشتہ بود بریں عبارت کہ علاء خوطی این حکایت در زمین ما معروف و مشہور ست۔ بر کسے پوشیدہ نیست این غزل شیخ راست سہ بیت مرا یاد بود آں این ست ا۔ ابیات ؎

---

[1] یہ اور اس کے بعد والا مکتوب ایک قلمی مخطوطہ سے لیا گیا ہے جو راقم الحروف کے ذاتی کتبخانہ میں ہے یہ مکاتیب غیر مطبوعہ ہیں۔

روز با خوش پسران نرد و غا می بازم
شب ہمہ شب بشرابے و شمع می سازم

زملامت چہ گزیداست کہ عاشق بجهم
زجلاجل چہ گریز ست کہ من شهبازم

با زیر کوے شرنت مدعیان کور شوند
روز با خوش پسراں نرد و غا می بازم

اے دوست مردے سی سال طعام نخوردا ورا با خوش پسران
و نرد و شراب چہ نسبت است و ہم چنیں گویند کہ در مستیہاے عالم خود
دوات و قلم و کاغذ خادم دائم پیش داشتے قلم برگرفتے و ہم چنیں لے
نوشتے بعدہ کاغذ را پارہ کردے بہ شگاف دیوا رہا خلانید بے از آنجا
معتقدان بیرون می آوردند و نسخہ می کردند ہم چنیں چند غزل جمع شدے
چنانکہ غزلے دیگر می نویسند:

خراباتے شدم مستانہ جامے | نمی دانم حلالے یا حرامے
نمازے می گذارم در خرابات | کہ در وے نہ رکوعے نہ قیامے

اے دوست روح چوں از مضیق عالم ناسوت بہ علوے عالم
ملکوت ترقی کند اورا از بادیائے عشق و محبت مست کنند۔"

مکتوب صد و پنجاہ و یکم در شراب شوق و توجہ نمودن با اہل فوق

بہ جانب سلطان غیاث الدین بادشاہ ہندوستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فقیر حقیر مظفر شمس سلام و دعا رسانید۔
فرمان ہمایون رسید کاتب بر مضمون ملائم جواب نہ تواند نوشت کہ دست
و قلم زبون دل سودا زدہ شیدائی ست و در فرمان شاہ کہ مشحون و مملو بہ
انواع درو جواہر معانی بود ایں رباعی بود، ؎

اے مست شراب ذوق باطن — سرخوش نہ مدام شوق باطن
یک جرعہ بکام ایں گدا ریز — اے خسرو جوق جوق باطن

اگرچہ ہشیار بودم مرا ایں رباعی مست کرد اے دوست ایں مدام مدام
نہ بود۔ احیانا بعد اللتیا والتی۔ تا جرعہ ازیں کے دہند و بکہ
دہند۔ و ہرچہ روندہ از نہاد خود گامے بیشتر نہد و راہ سو تو اقبس
ان تموتوا پے سپر کند ایں جام و صراحی بدو قریب تر رسد ؎

عاشقان در رہت ہمہ سرمست — عقل در آستین و جان در دست
یک قدح خوردہ بر رخ ساقی — آنچہ آں نیست کردہ در باقی

اگر عبارت آسمانیان و زمینیان یک تن کند و بداند کہ علت یافت این ست
تمام بود در قوت القلوب شیخ ابو طالب بردا اللہ مضجعہ آوردہ است
کہ امام شافعی پیش شیبان راعی نشستے و از مشکلات خود سوال کردے،
درویش سلوک از و استفسار کردے و گفتے کیف یفعل ھذا و

کیف لا یفعل ھذا از خدمت شیخ سماع دارم کہ شیبان راعی

دانشمند گامیان مزبلہ بودے۔ امام حنبل آنجا برفتے وبزانوئے ادب

پیش او نشستے ازو تبرک گرفتے۔ رجب من بن شیخ بامداد آئینہ بدست

شیخ دادے شیخ روئے مبارک دراں بدیدے بعد از نقل شیخ آں

آئینہ نیک محبوب ومطلوب دل ایں بیچارہ بود پیدا نمی شد وہیں

روزہا بعد از سالہا آں آئینہ کسے بہ بیچارہ آورد نعمتے بس بزرگ و

تبرک عظیم بود۔ ہماں آئینہ بحضرت شاہ ارسال کردہ شد۔ ایں نعمت

وبرکت شاہ را ارزانی بود۔ وروشنائیہا در دنیا و دین اگر ان شاء

اللہ طفیل آں آئینہ ودستار وبارانیکہ روز جمعہ پوشیدہ بودم فرستادہ ام

حضرت مولانا مظفر بلخی فردوسیؒ کا فارسی دیوان مطبوعہ جسے سید

حفیظ الدین احمد بلخی نے مرتب کرکے مطبع حنفیہ بخشی محلہ پٹنہ سیٹی میں چھپوایا ہے اور

اس کا ایک نسخہ اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ حضرت مولانا غزلوں میں اپنا

تخلص برہان لکھتے تھے۔

حضرت مولانا کو جو محبت اور عشق اپنے پیر ومرشد حضرت مخدوم الملکؒ

سے تھا وہ ظاہر ہے اور اسی محبت وعقیدت کا اثر تھا جس نے ایک موقع پر

حضرت مخدوم الملکؒ سے "مظفر شرف الدین شرف الدین مظفر" کہلا دیا تھا

آپ کی اکثر غزلوں میں عقیدت ومحبت کا پرتو نمایاں ہے:

بعد چندیں گاہ جامے آمدہ است　　پس مے پختہ بہ خامے آمدہ است

سرِ آزادوم تمامست عذر من　　بندہ گر ناتمامے آمدہ است

بندۂ برہان پاکباز کوئے تست　　گرچہ خواجہ یا غلامے آمدہ است

من سلامت می روم در سوے دوست　　بندہ را زاں سو سلامے آمدہ است

دست کردہ جاں شنیدن می روم　　با سلام او پیامے آمدہ است

مہ توئی در شہر ما اے ماہ من　　ماہ را از شہر نامے آمدہ است

عیش ہا امروز برھان زاں بہ تست
بعد چندیں گاہ جامے آمدہ است

ایک غزل میں کھل کر اپنے پیر مرشد کی منقبت بھی لکھی ہے :

آں قدسی کہ نورِ جمال وجلال داشت　　ورلا تمام بود درالا کمال داشت

قطب زمان کہ بد شرف الحق دریں جہاں　　در آسمان بہ جمع ملائک جمال داشت

آں شہسوار گوے ز میدان صدق برد　　چوگان ہمتش بہ فرسگاہ حال داشت

از نار عشق سوختہ بُد پرد بال او　　از نور صرف وحدت او پرد بال داشت

او در فنا بہ حد نہایت رسیدہ بود　　ملک بقائے ایزد باقی نوال داشت

او بود بے عیال ولیک از علوے قدر　　جملہ جہاں ز مشرق و مغرب عیال داشت

بے ذلت و زلال قدم بر صراط بود
عصمت بذات پاک تن لایزال داشت

مولانا رومؒ اور تقریباً تمام صوفیا کے یہاں انسانی زندگی کی بے کیفی اور زبون حالی کی سب سے بڑی وجہ اس کا "عشق" پر عقل و خرد کو ترجیح دینا ہے ان لوگوں کے یہاں عقل و خرد عشقِ الٰہی کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ مولانا منظفر بلخی برہانؒ بھی "عشق و خرد" کے بارے میں وہی نظریہ رکھتے ہیں۔ اور اس تخیل کو انہوں نے طرح طرح سے اپنی شاعری میں پیش بھی کیا ہے۔ مولانا رومی اور شیخ عطار کی یہی بادہ محبت دو آتشہ ہو کر حضرت برہانؒ کے یہاں بڑی تیز و تند ہو گئی ہے! ؎

ہمہ کارہا حرام است جز کار یار برما
چوں فرض راہ است ایں کاروبار برما
و ز بوم عقل ہم چوں عصفور صید گشتم
عشقت چو پنجہ برزد سیمرغ وار برما

"عقل" راجز کارسازی بیش نیست ۔۔۔ "عشق" راجز پاکبازی بیش نیست

براہ عقل می رفتم کہ مارا عشق زخمم کرد ۔۔۔ شدم من بے خبر مدہوش عقلم نیک نام کرد
ہر آں افسوں کہ عقلم خواند اندر گوش من ماندہ ۔۔۔ کہ زہر عشق در سر رفت ہیچو دست برہم کرد
عمارت ہائے دار العقل شادم بود تا اکنوں ۔۔۔ کنوں سیلاب عشقش زد تمامی ہم دگر خم کرد

ز دست عقل چوں تن را بجنگ عشق آوردم　　ہزاراں پردہ را در تن کہ اندر پردہ رہم کرد

ہر آں وعظے کہ عقلم کرد عشق انجملہ را لازد
صدائے بیہودہ اکنوں زما دیوانگاں کم کرد

چوں بکوئے عشق دل چالاک شد　　عقل را دامن دو صد جا چاک شد
آتش عشقت بدل ناگہ فروخت　　سوخت و دفترہائے عقلی خاک شد
در دل برہاں چو عشقت شعلہ زد　　علم و عقلش چو کہہ و خاشاک شد

من جنوں را بندہ ام از عقل دور　　چیست ایں پندار ہستی و غرور
من زنم طبل جنوں در ملک عشق　　دُور دُور اے عقل از ما دور دور

"ایمان محکم" نہ ہونے کے بعد انسان کہیں کا نہیں رہتا۔ تذبذب اور تشکیک انسان کو قعر مذلت میں گرا دینے کیلئے کافی ہے۔ ایمان کے لئے سب سے بڑی چیز تذبذب اور تشکیک سے گلو خلاصی ہے: ؎

یقین مثل خلیل آتش نشینی　　یقین اللہ مستی خود گزینی (اقبال)

حضرت برہاں نے اس خیال کو اپنی غزلوں میں بہت واضح طور پر پیش کیا ہے ؎

در ایماں گر غمت پنہاں نہ باشد　　بایماں بس مرا ایماں نہ باشد

دراں خانہ نباشد ہیچ نورے — کہ ماہے ہم چوں تو مہماں نہ باشد
نمی خواہم شکایت پیشت آرم — کہ تو باشی و من برہاں نہ باشد

اقبالؔ نے ایک جگہ بے خطر اور راحت بخش زندگی پر ان الفاظ میں حسرت وافسوس کا اظہار کیا ہے : ؎

ولے آں قافلہ کز دونی ہمت نخواست — رہگذارے کہ درو ہیچ خطر پیدا نیست

(اقبالؔ)

حضرت برہاںؔ کے یہاں بھی یہ بے خطری کی زندگی پسندیدہ نہیں۔ "عشق بے خطر" ان کے یہاں پست ہمتی کی دلیل ہے : ؎

نگارا بازی عشق تو سر در باختن باشد — دل وجاں خانماں را در خطر انداختن باشد
چو من پرداختم با تو شدم در خویشتن باقی — کہ درباقی شدن از خود بہ تو پرداختن باشد
زجاں برخاستم اول پس آنگہ ساختم باتو — کہ از جاں خاستم جاناں بہ تو در سلختن باشد

بسر بازی ہمی آید بکوئے عشق تو برہاںؔ
نگارا بازی عشق تو سر در باختن دارد

عاشقاں جاں باختن آموختند — جان و دل را ساختن آموختند
خویش را باخانماں در ہر دو کون — درمیان انداختن آموختند

سوختم چوں دفتر دیوان عقل ۔ عشق راپرداختن آموختند
نقد ہستی شان چو خرج راہ شد ۔ عشق را انگاختن آموختند
رخش راندند از دو عالم بیشتر ۔ پس دو عالم تاختن آموختند

عشق کی منزل اور "بندہ عشق" کے مقام کے بارے میں روشنی ڈالتے ہوئے مولانا نے انسان کی افضلیت پر بھی بہت اچھے پیرایہ میں وضاحت کی ہے ؎

مابہ بال عشق بالا می رویم ۔ از زمیں بر چرخ اعلیٰ می رویم
خانہ و بازار و شہر و کوہ و دشت ۔ ہر کجا عشقت آنجا می رویم
باخودی از تیغ لا گردوں رویم ۔ بر جمال عشق بالا می رویم
عشق ما را زخم چوگان می زند ۔ ہم چو گو از سر دوان ما می رویم
جذب حق است عشق و ہم جذب او ۔ ما بہ سوئے حق تعالےٰ می رویم
آمدہ بودیم از دریا بہ موج ۔ باز ہم از موج دریا می رویم

خود نمی گنجد چو بر ہان در رہش
در رہش از خویش یکتا می رویم

نمونتہً دو تین رباعیاں اور قطعات بھی درج ذیل ہیں ؎

اقرار کہ بے صدق کند گمراہ است ۔ آں کس کہ مصدق است او آگاہ است
از غیر شعور کے بود جانش را ۔ آنرا کہ شہود لا الٰہ الا اللہ است

در دین شما دل نہ کشائد مارا | دین دین شما کار نیائد مارا
ایمان حقیقی چو بجاں رُوے نمود | ایمان شما کفر نمائد مارا

بہ خطر قدم نہادن کہ امید و بیم دارد | بوس لب تو کردن خطرے عظیم دارد
من بندہ ارچہ ہر دم زتو در غم جدیدم | دل من بزلف و روُیت شغف قدیم دارد۔

گر باد صبا بوے تو ہر شب نہ رساند | یک روز بہ ہجر تو کسے زندہ نماند
امروز مراست کن ارجام لب خویش | تا سال دگرے کہ خورد و زندہ کہ ماند
جانا ز سر کوُے تو من دور نیفتم | پس من چہ کنم دور فلک گر بدواند

حضرت مخدوم الملکؒ نے اکثر و بیشتر مکتوبات میں آپ کو مولانا، امام شیخ الاسلام کے لقب سے مخاطب کیا ہے اور آپ کے تبحر علمی ظاہری و باطنی سے اس قدر مطمئن تھے کہ آپ نے اپنے فرزند حضرت مخدوم فخرالدین رحؒ کو ان الفاظ میں ایک مرتبہ مولانا سے مستفید ہونے کی ہدایت فرمائی:۔

"کار آں فرزند بہ مولانا مظفر حوالہ کردہ شدہ است ہرچہ ازوے بہ شنود چناں تصور کنید کہ ازیں درویش سنیدہ کہ در جمیع امور دین مطیع او بود

لہ رسالہ معارف بابت ستمبر ۱۹۵۲ء

ہر چہ پیش آید در راہ سلوک رجوع بدو کنید - وحل آں ازو طلبید -"

تذکرہ نویسوں نے جہاں آپ کو اجلہ شیوخ طریقت اور راسخ ترین سالکان صاحب اسرار کے باعظمت القاب سے یاد کیا ہے وہاں ان کے علوم ظاہری معقولات منقولات اور تفسیر وحدیث میں تبحر کا بھی بار بار ذکر کیا ہے - مکتوبات صد و ہشتاد و یک (یعنی مولانا مظفر بلخی کے نوشتہ خطوط) اور مکتوبات بست و ہشت (یعنی مخدوم الملکؒ کے جوابی مکتوب) سے کتاب وسنت میں آپ کی بصیرت اور منقولات کا تبحر بالکل نمایاں ہے - تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ آپ کا محبوب مشغلہ آخر عمر تک درس وتدریس اور خاص طور پر صحیحین شریف کا درس تھا - چنانچہ آپ نے اپنے برادر زادہ اور پسر معنوی حضرت مخدوم حسین معز شمس بلخی کو حدیث شریف کی تکمیل کرا دینے کے بعد جو سند عطا فرمائی ہے اس سے بھی اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے - رسالہ معارف بابت ستمبر ۱۹۵۲ء سے وہ سند حدیث درج ذیل ہے :-

"اما بعد فقیر حقیر مظفر شمس عامہ مسلمانان را سلام و دعا می رساند و باز می نماید فقیہ حسین معز برادر زادہ ایں فقیر است حق سبحانہ و تعالیٰ بفضائل بسیار وے را گرامی دادہ - فرزند صالح و متقی است وحدیث قریب چہار سال در مکہ مبارک بود قرأت قرآن وشاطبی پیش شیخ شمس الدین خوارزمی درون حرم کعبہ کردہ و قرأت سبعہ پیش شیخ شمس الدین حلوائی در مقام ابراہیم پیش در کعبہ گذشتہ و شیخ شمس الدین مذکور در عصر خود یگانہ روزگار است

در حلب و شام و مصر و مدینہ مصطفیٰ و مکہ مبارک در علم قرأت ویرا نظیرے نیست و جائے شیخ مجاور حرم است - فرزند حسین مذکور سند حدیث برین فقیر کردہ صحیح مسلم و صحیح بخاری من اولہ و آخرہ لفظاً و معناً برین فقیر تحقیق کردہ خدائے تعالےٰ وے را ذہن صافی و طبیعت فیاض دادہ است وسند دیگر بر خطیب عدن نیز کردہ است جہت این فقیر او در تدریس این علم مجاز است خدائے تعالےٰ او را نافع مسلمانان گرداند و در دین ایشان و در دنیا ایشان آمین -

فقیہ حسین مذکور مرید بندگی شیخ الاسلام والمسلمین مخدوم شرف الحق والدین احمد یحیٰ منیری است قدس سرہ العزیز از جہت این فقیر برائے توبہ دادن مسلمانان و بیعت کنائیدن و مقراض راندن مجاز است تا معلوم عزیزان باشد عاقبت او ہمہ مسلمانان بخیر باد آمین

فصل ہشتم

شیخ الاسلام حضرت حسین نوشہ توحید بلخی فردوسیؒ

آپ حضرت معز الدین بلخیؒ کے صاحبزادے اور مولانا مظفر بلخیؒ کے تربیت یافتہ اور خلیفہ ہیں۔ آپ کی تعلیم و تربیت حضرت مخدوم الملکؒ اور حضرت مولانا مظفر بلخیؒ دونوں سے ہوئی تھی۔ حضرت مولانا مظفر بلخیؒ کو اپنے بھتیجے سے بے انتہا محبت تھی اور وہ ان کو اپنی اولاد ہی سمجھتے تھے۔ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مخدوم الملکؒ نے حضرت مولانا مظفر بلخیؒ سے فرمایا تھا کہ:-

"مظفر[1]! تم سوزش رکھتے ہو تم سے کوئی اولاد نہ ہو گی۔ لیکن دلگیر نہ ہو کیونکہ معز الدین کی اولاد تمہاری ہی اولاد کہلائے گی اور تمہارا فیضان اسی سے جاری رہے گا۔"

---

[1] مونس القلوب قلمی صفحہ ۲۹۴

چنانچہ مونس القلوب[1] میں ہے کہ جب حضرت حسین نوشہ توحید ظفر آباد میں پیدا ہوئے تو سب سے پہلے حضرت مخدوم الملکؒ نے حضرت مولانا مظفر بلخیؒ کو خوشخبری اور مبارکباد دی کہ تمہارے بیٹا ہوا ہے۔ مولانا نے متعجب ہو کر پوچھا کہ حضرت میرے بیٹا کہاں سے ہوگا۔ تو حضرت مخدوم الملکؒ نے فرمایا کہ مولانا معز الدین کے بیٹا ہوا ہے اور ان کے فرزند تمہارے ہی فرزند ہیں۔ پھر حضرت مخدوم الملکؒ نے اپنا پیرہن مبارک ظفر آباد روانہ کیا کہ مولود کو جب پیراہن کی حاجت ہو اسی پیراہن سے سلوا کر پہنایا جائے اور اپنے رومال سے کلاہ پنجگانہ سلوا کر بھیجا جو چھٹے روز پہنایا گیا اور اسے حضرت حسین نوشہ توحیدؒ مدت العمر پہنتے رہے جب سر سے اتار دیتے تھے تو چھوٹی معلوم ہوتی تھی اور سر پر پہنتے تھے تو ٹھیک ہوتی تھی یہاں تک کہ جب آپ کا وصال ہوا تو بعض مریدوں نے کہا کہ یہ تاج سینہ پر رکھ دیا جائے لیکن سید میر کچو توال نے جو مریدان خاص میں تھے اس کو سر پر پہنایا تو بالکل ٹھیک آئی اور اسی طرح رہنے دیا گیا۔

مونس القلوب ملفوظ حضرت احمد لنگر دریاؒ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ[2] ایک مرتبہ حضرت مولانا مظفر بلخی فردوسیؒ حضرت مخدوم الملکؒ کو وضو کروا رہے تھے اور حضرت مخدوم الملکؒ کی دستار مبارک مصلے پر رکھی ہوئی تھی ادھر سے حضرت حسین نوشہ توحید کھیلتے ہوئے آئے اور حضرت مخدوم الملکؒ کی دستار مبارک کو

---

[1] مونس القلوب قلمی صفحہ ۲۹۴، ۲۹۵ [2] مونس القلوب قلمی صفحہ ۱۸۶

سر پر رکھ کر مصلے پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ حضرت مولانا کی نگاہ ان پر پڑی تو سناٹے میں آگئے اور بچے کو ڈانٹنے لگے۔ حضرت مخدوم الملکؒ نے مسکرا کر فرمایا:۔ "مولانا مظفر، کیوں ڈانٹتے ہو، وہ بچہ اپنی جگہ کو پہچانتا ہے پھر فرمایا ہم اور تم مشقت اُٹھاتے ہیں لیکن ثمرہ میاں حسین ہی پائیں گے۔

مونس القلوب[1] میں ہے کہ ایک مرتبہ کسی موقع پر حضرت حسین نوشۂ توحید فرمانے لگے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں چار دیواری کے اندر گوشہ نشیں ہوں تو کچھ نہیں جانتا حالانکہ تمام عالم میرے نزدیک ایک پیالے پانی کی طرح ہے کہ جو کچھ اس کے اندر ہے صاف نظر آتا ہے۔

اپنے ملفوظ مونس القلوب[2] میں شیخ احمد بن حسن بلخی فرماتے ہیں کہ حضرت حسین نوشۂ توحیدؒ کے جیسا جلال و جمال اور عظمت و وقار بہت کم مشائخ اور بزرگوں کے یہاں دیکھنے میں آیا۔ ان کو رو در رو دیکھنا مشکل کام تھا وہ جب سر جھکائے رہتے یا دوسری طرف دیکھتے رہتے تو ان کو آدمی جی بھر کر دیکھ سکتا تھا پھر آپ سے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کے قیام کے دوران میں جب انہوں نے یہ دو وظائف تالیف کیا:۔

"اللّٰھمّ صلّ علیٰ محمّد وّ علیٰ اٰلِ محمّد عدد خلقك و رضاء نفسك و زنة عرشك و مداد كلماتك۔"

---

[1] مونس القلوب قلمی صفہ [2] مونس القلوب قلمی صفہ ۹۲

تو حضرت مولانا مظفر بلخی بھی وہیں تھے جنھوں نے اسی شب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالت مآب بہت خوش ہو کر فرما رہے ہیں کہ مظفر! تمہارا بھتیجے نے آج کی رات کو مجھے ایسا تحفہ بھیجا ہے کہ آج تک کسی نے نہیں بھیجا اور پھر وہ درود پڑھ کر سنایا جسے حضرت مولانا نے اسی وقت یاد کر لیا۔ اور وہ ان کو ہمیشہ کے لئے یاد رہا۔ کئی لمحے توقف کے بعد پھر حضرت رسالت مآب نے فرمایا کہ پہلے میرے صرف ایک حسین محبوب تھے یعنی حسین بن علی اور آج سے دو حسین میرے محبوب ہوئے۔ ایک وہی حسین بن علی اور دوسرا حسین ابن معز تمہارا برادر زادہ۔ حضرت مولانا کی آنکھ کھلی تو فوراً حسین بن معزؒ کے حجرہ کی طرف لپکے اور دروازہ کھٹکھٹایا پھر اندر گئے اور اپنے پسر معنوی کی غیر معمولی عزت واحترام کیا اور خواب کا واقعہ بیان کیا۔ حضرت حسین نوشہ توحیدؒ نے فرمایا کہ جی ہاں ابھی کچھ دیر ہوئی میں نے یہ درود تالیف کیا ہے۔ پھر اس درود کی بڑی مقبولیت ہوئی اور کئی مشائخ اور اولیاء اللہ نے جو اس وقت مکہ معظمہ میں موجود تھے اسی طرح کا خواب دیکھا اور صبح کو حضرت حسین نوشہ توحیدؒ کے پاس حاضر ہو کر اس درود کو یاد کر لیا اور اپنے ولائیوں میں لے گئے۔

حضرت حسین نوشہ توحیدؒ کی خانقاہ اور وہاں کی مشغولیتوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مخدوم احمد لنگر دریاؒ اپنے ملفوظ میں فرماتے ہیں کہ:۔

"تقریباً بیس چالیس صوفیا اور فقرا ہمیشہ باوضو متوجہ الی اللہ ذکر و فکر حق میں مشغول رہتے تھے اور بعض اس میں روزہ طے کے پابند تھے پھر اپنے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کے دیکھا دیکھی میری بھی طبیعت اس میں لگتی تھی اور ان ہی کاموں کی رغبت ہوتی تھی۔ رات دن ان لوگوں کے ساتھ بیٹھا رہتا اور خاص طرح مسرت اور حظ محسوس کرتا یہاں تک کہ حضرت قاضی نعمت رح کو میری یہ باتیں معلوم ہوئیں تو مجھ کو بلا کر سمجھایا کہ "میاں احمد، ابھی تحصیل علم کا وقت ہے علم حاصل کرلو پھر تو تم کو یہی سب کرنا ہی ہے ابھی سے اس میں مشغول ہونے سے تم کو تحصیل علم کا موقع نہ مل سکے گا۔"

مصنف ذریعہ دولت نے لکھا ہے کہ حضرت حسین نوشہ توحید رح کو جود و سخاوت اپنے چچا اور مرشد سے ملی تھی آپ کے پاس جو سائل آتا چاہے وہ امیر ہو یا فقیر مسلمان ہو یا کافر کبھی محروم نہ جاتا۔

حضرت مولانا مظفر بلخی فردوسی رح اپنے پسر معنوی حضرت حسین توحید رح کو کس طرح تعلیم و تربیت دیتے تھے۔ اس کے بارے میں شیخ احمد لنگر دریا رح نے مونس القلوب میں اس طرح لکھا ہے کہ :۔

"حضرت مخدوم مولانا مظفر رح نے مجھ کو تہجد کا عادی اس طرح بنایا کہ

۱۔ مونس القلوب قلمی صفحہ ۶ ۲۔ مونس القلوب قلمی صفحہ ۱۷۸

نماز تہجد کے لئے اٹھانے سے پہلے ثرید تیار کر کے رکھتے تھے۔ جب میں جاگتا تو فرماتے حسین پہلے نماز پڑھ لو پھر ثرید کھاؤ۔ اس طرح مجھ کو تہجد کا عادی بنا دیا۔"

ایک مرتبہ حضرت حسین نوشہ توحیدؒ کی خانقاہ میں مجلس سماع ہو رہی تھی بہت سے صوفی ملک زادے اور شرفا حاضر تھے۔ بہت سے قوالوں نے مل کر گانا شروع کیا تو غلغلہ بلند ہو گیا۔ آپ نے فرمایا سماع محظور شرع ہے لیکن مریدوں کے دفعیہ مرض کے لئے اس کو مباح رکھا ہے۔

حضرت حسین نوشہ توحیدؒ کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ پہلی سے دو صاحبزادے شاہ سلیمانؒ اور شاہ سیف الدین ہوئے۔ اور دوسری شادی آپ کی چچازاد بہن بی بی عروس سے ہوئی تھی۔ جو شیخ قمر الدین بلخیؒ کی صاحبزادی تھیں۔ ان سے شیخ حسن دائم جشن بلخی فردوسیؒ ہوئے جو اپنے والد کے بعد سجادہ نشین بھی ہوئے۔

مونس القلوب[1] میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسین نوشہ توحیدؒ نے اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت سلیمان اور حضرت حسن دائم جشنؒ کے پاس گل شکر کے ایک ایک مٹکے روانہ کئے اس سے غالباً آپ کا مقصود آزمائش تھا۔ پہلے وہ گل شکر کا مٹکا حضرت سلیمانؒ کے پاس آدمی لے گیا۔

---

[1] مونس القلوب قلمی صفحہ ۶۲

آپ نے اس کو بڑی عزت و احترام سے لیا اور احتیاط سے رکھا۔ پھر وہ آدمی دوسرا مٹکا گلشکر کا حضرت حسن دائم جشنؒ کے پاس لے گیا۔ آپ نے اس کو عزت کے ساتھ سر پر اُٹھایا اور پھر اس کو وہاں سے چھوڑ دیا۔ وہ ٹوٹ گیا اور سارا گلشکر بکھر گیا۔ آپ نے آواز دی "یارو آؤ لوٹو کھاؤ" احباب آئے اور دیکھتے دیکھتے سب کو چٹ کر گئے۔ حضرت حسین نوشہ توحیدؒ کو جب اس کی تفصیل معلوم ہوئی تو حضرت حسن دائم جشن کے بارے میں خوش ہو کر فرمایا ایسے ہی دل والوں سے کچھ کام ہوتا ہے۔ لیکن حضرت سلیمانؒ کے بارے میں افسوس کے ساتھ فرمایا :۔ "سلیمان نے کیوں اس کو خرچ نہ کیا۔ رکھنے سے کیا فائدہ۔" یہ ایک معمولی سا واقعہ ہے جو بقول مصنف ذریعہ دولت حضرت مخدوم حسین نوشہ توحیدؒ نے اس طرح اپنے دونوں لائق لڑکوں کا امتحان لیا تھا، لیکن بعد میں اسی کے مطابق ظہور میں بھی آیا یعنی سلسلہ کا فیضان حضرت شیخ حسن ابن حسینؒ بلخیؒ سے جاری ہوا۔ اور انشاء اللہ آئندہ رہے گا اور حضرت سلیمان ابن حسینؒ سے فیضان سلسلہ صرف اپنے ہی گھر تک محدود رہا۔ اور اس کے بعد وہ سلسلہ بھی حسن ابن حسین بلخیؒ میں ضم ہو گیا۔

حضرت حسین نوشہ توحیدؒ بیعت لینے سے پہلے اپنے مریدوں کی آزمائش بھی کرتے تھے۔ مونس القلوب میں ہے کہ جب کوئی طریقت کی تعلیم کے لئے آتا تھا۔ تو حضرت حسین نوشہ توحیدؒ بلخی اس کو وضو کے لئے تھوڑا پانی اور روٹی کے ساتھ تھوڑی ترکاری بھیجتے تھے۔ اگر وہ اتنے ہی مختصر پانی سے وضو کر لیتا اور مختصر سی

ترکاری کے ساتھ کھانا کھالیتا تو اس کو اپنی خانقاہ میں رکھ لیتے تھے ورنہ جواب دیتے کہ یہ مسرف اس راہ کے قابل نہیں ۔

حضرت حسین نوشہ توحیدؒ کا ایک واقعہ مونس القلوب[1] میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی اپنے کمسن بچّے کو حضرت کی خدمت میں مرید کرانے کو لایا آپ نے اس کو توبہ کی تلقین کی ۔ اس آدمی کے دل میں اسی وقت یہ خیال گذرا کہ میرا لڑکا تو نابالغ اور معصوم ہے پھر یہ توبہ کرانے کا کیا فائدہ ۔ آپ نے نورِ باطن سے اس کے دل کے وسوسے کو سمجھ لیا۔ اور فرمایا جب یہ لڑکا بڑا ہوگا اس وقت جو اس سے گناہ صادر ہوگا ۔ یہ توبہ اس گناہ کا کفارہ ہوگی ۔ اس آدمی کو بڑی ندامت ہوئی ۔ اس نے قدموں پر گر کر معافی مانگی ۔

اگرچہ رشد و ہدایت اور درس و تدریس آپ کا مخصوص و محبوب مشغلہ تھا پھر بھی کچھ نہ کچھ وقت تالیف و تصنیف کے لئے نکال ہی لیتے تھے ۔ اور آخر اس فطری ذوق نے آپ سے عربی اور فارسی زبان میں کئی اہم کتابیں لکھوا ہی لیں آپ کی تصنیفات میں مندرجہ ذیل کتابیں آپ کی یادگار رہیں :۔

(۱) حضرات خمس (۲) رسالہ قضا و قدر (۳) رسالہ توحید خاص (۴) رسالہ توحید اخص الخواص (۵) رسالہ ذکر وجود اول ہدایت آں و بیان معرفت عالم و نہایت آں (۶) رسالہ در بیان ہشت چیز ذات وجہت و نفس و صفت

---

[1] مونس القلوب قلمی صفہ ۱۵

واسماء، وافعال وصورت جامعہ وصورت متفرقہ بر سبیل توضیح وتشریح براصطلاح موحدان (۷) اورادِ فصلی (۸) گنج لا یخفی (۹) مکتوبات (۱۰) اجازت نامہ بنام مولانا شیخ حسن (۱۱) دیوان فارسی۔

۱۔ حضرات خمس چند صفحات کا ایک عربی رسالہ ہے۔ اس میں تجلیات باری تعالےٰ کی پانچ صورتیں متعین کر کے ان کی وضاحت فرمائی گئی ہے! ول احدیت باری تعالیٰ بالفعل و بالقوہ باعتبار ذات وصفات کے یکتا اور بے شریک ہے۔ دوم حضرت المحبوبیت یعنی بصفت محبوبیت ہر چیز میں وہی متجلی وظاہر ہے۔ سوم جو شخص جس شے کا محب ہے وہ بصفت محبوبیت اسی کے تجلی کی ایک صورت ہے۔ چہارم خلق کو شرک وعصیاں سے توحید واطاعت کی طرف دعوت دینا اسی کی تجلی کی ایک صورت ہے۔ پنجم اضلال اور اغوا شیطان کی صفت ہے۔ لہٰذا النفس انسانی بہ صفت شیطانیت اسی کی تجلی خفی کی ایک صورت ہے۔ یعنی بصورت نفس وہی مضل ومغوی ہے جس طرح بصورت نبوت ورسالت وخلافت بصفت ہدایت متجلی ہے۔

یہ کتاب عوام کی سمجھ سے بالاتر ہوتے ہوئے بھی اپنی جگہ پر بہت اہم ہے۔ اور علمائے حجاز وعالم نے اسے پڑھ کر اکثر وبیشتر اسکی اہمیت کا اعتراف فرمایا ہے۔ آپ کے فرزند رشید مولانا شیخ حسن دائم جشن رح نے اس کی شرح کاشف الاسرار کے نام سے کی ہے۔ جو مطبوعہ ہے۔

(۲) رسالہ قضا و قدر ۔ مسئلہ قضا و قدر میں چند ورق کا رسالہ ہے۔ قضا اور قدر کے اسرار و حکم اور خیر و شر کے رموز پانچ تمہیدوں میں وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں۔ آیات قرآنی "قل کل من عند اللّٰہ وما اصابک من حسنۃ فمن اللّٰہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک" دونوں آیات میں بظاہر جو تضاد ہے اور جس کو نہ سمجھنے کی بنا پر قدریہ جبریہ اور مثنویہ جیسے گمراہ کن مذاہب نے جنم لیا ہے ان کا مدلل اور بطرز احسن رد کیا گیا ہے۔ اور مسئلہ خاص میں اہل سنت والجماعت کے مسلک حق کو آیات وھو خالق کل شیئ اور اللّٰہ خلقکم وما تعلمون کی تفسیر سے مدلل پیرایہ میں ثابت کیا ہے۔ پانچوں تمہیدات اس طرح سپرد قلم کئے گئے ہیں۔

التمہید الاول فی بیان حقیقۃ الخیر والشر، التمہید الثانی فی بیان الحکمۃ فی خلق الشر۔ التمہید الثالث فی بیان اخراج الشر عن حد الرضا التمہید الرابع فی بیان اختیار العبد وافعالہ۔ التمہید الخامس فی بیان حکمۃ الانقیاد۔

(۳) رسالہ توحید خاص، رسالہ قضا و قدر کی طرح یہ رسالہ بھی کسی سائل کے سوال پر جواباً تحریر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابتدا میں لکھتے ہیں:۔

"آنچہ سوال کردی و ابتہال در خواستی کہ چندیں سخن در توحید خاص بنویس

قلم برگرفتم و بہ تائید ربانی در کتاب آمدم تا تتمہ اجابت سوال تو کنم و دریخ شک و شبہ از دامن یقین بہ آب تحقیق بشویم"۔

اس مختصر سے رسالہ میں مسئلہ وحدۃ الوجود کو طرح طرح کے دل نشیں دلائل اور امثال سے ثابت کیا گیا ہے۔ طرز بیان بھی دلکش ہے۔

(۴) توحید اخص الخواص :۔ آٹھ صفحوں کا چھوٹا سا قلمی رسالہ ہے۔ جس میں وحدۃ الوجود کو چھ مستحکم دلیلوں سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے یہ رسالہ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے خواص کے لئے لکھا گیا ہے اور خواص ہی اسے کچھ سمجھ بھی سکتے ہیں ورنہ عوام کی سمجھ سے بہت بلند و ارفع ہے چنانچہ اس رسالہ کے شروع میں لکھتے ہیں :۔

"بدانکہ نظماً و نثراً انبشتہ آمد و ایں رسالہ اخص الخواص نام نہادہ شد تا سالکان الٰہ و متصوفان درگان منبعین دل مطالعہ کنند حق تعالے بفضل اعظم سبب وصول شان گرداند بمنہ و کرمہ۔

(۵) رسالہ وجود عالم و ہدایت و نہایت عالم صوفیوں کے لئے بہت ہی روح پرور اور دلچسپ رسالہ ہے۔ کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں :۔

"سخنے چند در معرفت عالم از دانش و فہم خود در قید کتابت آرم و گویم کہ باتفاق جملہ سالکان است وجود عالم و ہدایت و نہایت عالم ہم چنیں است کہ در تحریر می آید۔"

یہ رسالہ بھی قلمی ہے۔

(۶) رسالہ در بیان ہشت چیز بر اصطلاح موحدان میں موحدوں کی اصطلاح خاص میں ہشتگانہ اشیا کی تشریح ہے۔ اس رسالہ میں صوفی علماء کے لئے معلومات اور دلچسپی کا بڑا سامان ہے۔ یہ اور مندرجہ بالا چار رسالے جن کا ذکر کیا گیا ہے سب غیر مطبوعہ قلمی ہیں۔ اور ان سب کے کاتب مولانا شاہ محمد غلام یحییٰ رضوی جلبی ابو العلائی ہیں۔ ان سبھوں کی سنہ کتابت ایک ہی یعنی سنہ ۱۲۹۰ھ ہے۔

(۷) اورادہ فضلی :۔ اوراد و وظائف کا مستند اور قابل عمل مجموعہ ہے یہ رسالہ ۴۳ صفحات پر مشتمل قلمی غیر مطبوعہ ہے۔ اس کے کاتب سید ابو الحسن فردوسی بلخی رح ہیں اور سنہ کتابت سنہ ۱۲۹۱ھ ہے۔

(۸) گنج لایخفی :۔ مخدوم الملک رح کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کے جامع حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید فردوسی بلخی رح ہیں۔ ۱۸۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ زیر نظر قلمی نسخہ کے کاتب محمد یعقوب بلخی رح ہیں۔ اور سنہ کتابت سنہ ۱۲۲۱ھ ہے۔ جہاں پر کاتب نے کتاب ختم کی ہے وہاں اپنی غلط فہمی کی بنا پر یہ جملہ لکھ دیا ہے :۔

"گنج لایخفی من کلام حضرت ملک المشائخ مولانا حسین معز شمس بلخی قدس سرہٗ"

حالانکہ حضرت حسین معز شمس بلخی اس کے صرف جامع ہیں۔ مخدوم الملک رح کی

جن مجالس میں حضرت حسین نوشہ توحید کی حاضری اور شرکت ہوئی ہے ۔ اور ان میں اپنے مرشد مخدوم الملک کی زبان فیض ترجمان سے جو حقائق و معارف انہوں نے سنے ہیں ان کو ۷۵ مجالس میں تقسیم کر کے اپنے مرشد ہی کی زندگی میں مرتب کر لیا تھا ۔ اور اس کا نام گنج لایخفی رکھ دیا تھا دیگر ملفوظات مخدوم الملک کی طرح یہ بھی اسرار و رموز کا سرچشمہ ہے ۔

(۹) مکتوبات :۔ تصوف و سلوک کا نادر مجموعہ ہیں ۔ بیشتر مکتوبات جوابی ہیں ۔ جملہ ۱۵۴ مکتوبات ہیں ۔ ہر مکتوب میں مکتوب الیہ کا نام اور موضوع مکتوب شروع ہی میں درج ہے ۔ مثلاً مکتوب اول در توحید و معنی وفنا ۔ مکتوب الیہ مولانا نورالدین ۔ یا مکتوب چہلم در کشادہ داشتن دیدہ حق بین ۔ مکتوب الیہ ملک القضاۃ ۔

مکتوبات کے مضامین پانچ حصوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں ۔ اول تعلیم و تربیت و پند و نصائح ۔ دوم آیات و روایات اخبار و آثار کی تفسیر و تشریح ۔ سوم بزرگان سلف کے ابیات و اشعار پر تنقید اور ان کی توضیح ۔ چہارم مسائل شرعیہ کے حکم و مصالح ۔ پنجم سلوک و تصوف کے اسرار و رموز

مکتوب الیہم میں اس عہد کے مشاہیر قضاۃ و ائمہ و مفتی علما و فضلا اور صوفیائے کبار ہیں ۔ چند مکتوب حاکم وقت اور متوسلین حکومت کے نام بھی ہیں مثلاً امام حسام الدین صدر الائمہ ، مولانا سعدالدین مفتی جونپور ، سلطان ابراہیم

مولانا سماءالدین و مولانا بہاءالدین وغیرہ۔

ان مکتوبات کے مرتب آپ کے فرزند رشید مخدوم شیخ حسن دائم جشن بلخیؒ ہیں، اس وقت میرے پیش نظر آپ کے مجموعہ مکاتیب کا جو قلمی نسخہ ہے اس میں صرف ایک سو تینتیس ۱۳۳ مکاتیب ہیں۔ یہ مخطوطہ سید شاہ قسیم الدین صاحب فردوسی کی مہربانی سے دیکھنے کو مل گیا ہے۔ یہ نامکمل ہے اس لئے اس کے کاتب اور سنہ کتابت کا پتہ نہ چل سکا۔

آپ کے مکتوبات کی اہمیت کا اندازہ مصنف اخبار الاخیار کے ان چند جملوں سے ہوتا ہے جو انہوں نے آپ کے حالات کے ذیل میں لکھا ہے کہ:۔

"اور انیز مکتوبات است بطرز مکتوبات شیخ بزرگ اعنی شیخ شرف الدین قدس سرہٗ متضمن اسرار توحید و باعث بر اختیار تجربہ بزبانے لطیف و بیانے عجیب۔"[1]

اب ہم مختصر طور پر آپ کے مکتوبات کے حوالے سے آپ کے خیالات، روش اور تعلیم پر کچھ لکھ کر آخر میں چند مکاتیب آپکے مجموعہ مکتوبات سے بعینہٖ نقل کر دینے پر اکتفا کریں گے۔

ابتدائے سن شعور سے مسلسل چالیس سال تک آپ کو اپنے پیر و مرشد حضرت مخدوم الملکؒ کی خدمت و صحبت حاصل رہی اور برابر فیوض و برکات سے

---

[1] اخبار الاخیار صفحہ ۱۳۹

مستفیض ہونے کا موقع ملتا رہا - یہاں تک کہ مکہ معظمہ کے قیام کے زمانے میں بھی شیخ کی محبت سے اکثر بے چین ہو جاتے تھے - شیخ طریقت کی یہی محبت اور عظمت اس خط میں نمایاں طور پر جلوہ فگن ہے :-

"میرا[1] خیال ہی نہیں بلکہ مشاہدہ ہے کہ حضرت بایزیدؒ اور حضرت منصورؒ نے بادۂ عرفان و محبت کا ایک گھونٹ پیا تھا سبحان ریس فی جبتی سوا اللہ اور انا الحق کا غلغلہ بلند کیا اور علم و عرفان اور قربتِ حق کا شہرۂ عام ہو گیا - افسوس کہ ان میں سے کسی کا ظرف ایسا نہ تھا کہ بادۂ عرفان کے کیف و مستی کو برداشت کر سکے بخلاف ہمارے شیخ کے کہ ہر بار ایسی کیفیتوں کا غلبہ ہوا " لا شیخ الا الشیخ سبحانہٗ " کا نعرہ بلند کرتے مگر اس کو ایسا گھونٹے گئے کہ کسی کو محسوس بھی نہ ہونے دیا - بداہتہ میں دیکھتا ہوں کہ شیخ کا مقام ایسا نازآگیں ہے جیسے کسی محبوب کو تخت شاہی پر بٹھا کر رقم محبوبی اس کے زہرہ جبین پر نچھاور کی گئی ہو - اور محبوبیت کا تاج سر پر رکھا گیا ہو اور خود اس نے مقام برتر کی سلامتی و داشت کی خاطر اپنے آپ کو اس کے کمترین غلاموں بلکہ گبر و جہود و مغ و ترسا میں شمار کیا ہو اور کہتا ہو کہ ہم کو ابھی مسلمانی کی رویت بھی نصیب نہیں ہوئی ہے - گبر و کفر کی زنار بھی ہنوز ٹوٹ نہ سکی "

---

[1] مکتوب صد و بست و ہفتم و بست و ہشتم

محبت حق اور محبان حق کے بارے میں آپ کے جو خیالات اور تعلیم تھی وہ مکتوبات ایک سو تیس و انتیس سے ظاہر ہے :-

"حب[1] محبت ماسوا پر محبت حق کا غلبہ ہوتا ہے تو اس وقت سعادت ابدی پیدا ہوتی ہے۔ غلبہ محبت حق کی علامت اپنے محبوبوں کو محبت حق پر قربان کر دینا ہے۔ اگر ماسوا کی محبت محبت حق پر غالب ہے تو سعادت کلی کہاں نصیب ہو سکتی ہے۔ محبان حق کی محبت والذین امنوا اشد حبا للہ " کی کسوٹی پر کسی جا سکتی ہے۔ زن و فرزند مال و متاع بھائی بندوں تجارت کی کساد بازاری کے خطرہ اور مساکن و محلات کی محبت " قل ان کان اباءکم وابناءکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم الخ کی کسوٹی پر کسی جا سکتی ہے "۔

پوست شریعت اور مغز شریعت کے اوپر اپنے ایک مکتوب میں آپنے بہت دلچسپ اور موثر کن بحث کی ہے۔ اس سے آپ کے خیالات کا صحیح اندازہ ہوتا ہے :-

"جس[2] طرح پوست جوز (اخروٹ) اور ہے اور مغز جوز اور اسی طرح پوست شریعت اور مغز شریعت اور ہے اور ان دونوں کا مجموعہ مطلوب حق ہے۔ ظاہر شرع کے مطابق عمل کرنا اور حقوق اللہ کی

---

[1] مکتوب صد سی ام و مکتوب صد بست و نہم [2] مکتوب پنجاہ و پنج

ذمہ داریوں کو پورا کرنا اگرچہ اس میں حضوری نہو شریعت ہے۔ اور
مغز شریعت یہ ہے کہ انسان جو عمل بجالائے اس میں حضور حق مطلوب ہو
اور حضوری کے معنی یہ ہیں کہ خدا ہمارے ساتھ ہے "نحن اقرب
الیہ من حبل الورید" کا تصور ہو۔ حضرت حق سبحانہ تعالےٰ
آنکھ کی بینائی سے زیادہ آنکھ سے کان کی شنوائی سے زیادہ کان سے
گویائی زبان سے زیادہ زبان سے نزدیک ہے۔ اور دل کی دانائی سے
زیادہ دل سے نزدیک ہے۔ اللہ تبارک تعالےٰ کو اپنے بندہ
ذرہ بے مقدار کے ساتھ اپنی ذات وصفات معیت حاصل ہے۔
جیسا کہ "وھو معکم اینما کنتم" سے ظاہر ہے۔ سلسلہ معیت میں
علمائے ظاہر کا کہنا ہے کہ وہ ہمارے ظاہر و باطن سے باخبر ہے اسلئے
معیت باعتبار علم کے ہے اور علمائے طریقت فرماتے ہیں کہ باہمہ تنزیہہ
وتقدیس خدائے عزوجل کو بندہ کے ساتھ اس طرح کی معیت ہے کہ حرکت
وسکون سے بندہ جو کچھ بھی کرتا ہے۔ ہر لمحہ وہی اس میں پیدا کرتا رہتا ہے
بظاہر وہ کام تو بندہ کی طرف منسوب ہوتا ہے مگر درحقیقت فاعل و
فعال خود باری تعالےٰ ہے: ؎

معشوق عیاں بود نمی دانستم ... بامن بہ میان بود نمی دانستم
گفتم بہ طلب مگر بجائے ترسم ... خود تفرقہ آن بود نمی دانستم"

دنیا اور معاش دنیا کے بارے میں آپ کے کیا خیالات تھے، اور
اس بارے میں آپ کی کیا روش تھی مکتوب ہشت و ہفتم[۱] سے ظاہر ہوتا ہے۔

"دنیا کے مختصر معنی یہ ہیں کہ جو چیز کار حق اور طلب حق سے باز رکھے
اور کل روز قیامت کام نہ آئے وہ دنیا ہے اس کے علاوہ دنیا کے
کوئی اور معنی جو سمجھا ہے وہ غلط ہے۔ بعض جاہلوں کا کہنا ہے کہ فلاں
صاحب نے لکھا ہے کہ مشائخ کو گاؤں اور زمین سے تعلق پیدا کرنا
نہ چاہیئے۔ زن و فرزند کے لئے۔ جو گاؤں یا زمین ان کے پاس ہے
یا اس کو کسی سے قبول کیا ہے تو اس کو واپس کر دینا چاہیئے۔ ایسا
کہنے والے کی نیت اگر طعن و تشنیع ہے تو یہ اس کی سراسر جہالت اور
بے خبری ہے۔ ان چیزوں سے اگر تعلق رکھنا ننگ و عار ہوتا تو قبیلہ
بنو نضیر کے مال کو خزانہ کرنے سالہا سال اس کو مصرف میں لانے
اور وفات کے وقت اسکو چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہونے میں مصطفٰے
صلے اللہ علیہ وسلم کے توکل میں عیب و نقص لازم آتا ہے۔ وھذا
جھل عظیم" راہ دین را با محنت کار نیست" خیبر کے گاؤں اور زمین
مہاجرین و انصار کی ملکیت میں تھے اس لئے قائل کے قول کے مطابق
مہاجرین و انصار متوکل نہیں ہوئے وھذا احمق کلا دواء مالہ

۱۔ مکتوب ہشت و ہفتم در معنی کفر و ایمان

اگر یہ چیزیں عیب ہوتیں تو حضرت علی مرتضےٰ رضؓ خلافت و مملکت کے لئے
امیر معاویہ رضؓ سے نہ لڑتے اور تقریباً ستر ہزار مسلمان صحابہ و تابعین میں سے
تہہ تیغ نہ ہوتے۔ کیا ہزاروں نفوس کا خون حضرت علی رضؓ نے دنیا کے لئے
کیا تھا۔ جو توکل سے خارج ہے۔ "ھٰذا کفر و الحاد"۔ کیا حضرت
عثمان رضؓ کے پاس جو پر گنے اہل و عیال اور اقربا کی معاش کیلئے تھے
تو کیا وہ توکل میں متوکلوں سے کمتر درجہ رکھتے تھے "وھٰذا
زندقہ ضلال" اور اگر یہ ننگ و عار ہوتا تو بیت المال کیلئے
حضرت علی رضؓ و عباس رضؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اُلجھ نہ پڑتے اور مال
اٹھا نہ لے جاتے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ بزرگ دنیا ذلیل ٹکڑے
کے لئے باہم جھگڑتے تھے انہیں توکل نصیب نہ تھا۔ "وھٰذا
فسق ظاھر" ایسا کہنے والے جاہل اور اہل اللہ کے معاملات سے
بے خبر ہیں۔ اور کم بخت ابوجہل و عتبہ و شیبہ ہی کے طور طریقے
ان کی نگاہوں میں دین معلوم ہوتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایسے لوگ
اپنی کور چشمی کے باعث صاف باطن لوگوں کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے
اور مہاجرین و انصار کی روش پاک پر منہ آتے ہیں۔ ہمارے شیخ
رحمۃ اللہ علیہ کو بادشاہ وقت کی جانب سے گاؤں و زمین کی پیش کش
ہوئی تھی انہوں نے اس کو قبول بھی کیا اور پندرہ سال تک اس سے

تعلق بھی رکھا شاید توکل انہیں نصیب نہ تھا اس کے بعد آپ نے فرمان شاہی خود واپس کر دیا اور ترک تعلق کر لیا نعوذ باللہ ہمارے تمہارے آنکھ نہیں ہے کہ مردان خدا کے ایمان کو دیکھیں کان نہیں ہیں کہ ان کے مناقب کو سنیں دل نہیں ہے کہ ان کی نیتوں کو سمجھیں "اولٰئک کالانعام بل ھم اضل" وہ غریب جو ابھی نماز ظاہری کے وضو پر استقامت نہیں رکھتے اور مسئلہ عبادت کی بھی خبر نہیں رکھتے وہ انبیاء اولیا کے منہ آتے ہیں جاہلوں سے ایسی باتیں کوئی تعجب نہیں ہے۔"

علما اور مشائخ زمانہ کے بارے میں آپ کے کیا خیالات تھے وہ سولہویں مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے: ؎

"مدعیان[1] دین و ایمان اور راست بازان دین و ایمان کی علامتوں کو ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کافیہ و شافیہ، حسامی، منا جیسی چند کتابیں پڑھ کر سمجھ لیا کہ علم دین حاصل کر لیا۔ حالانکہ علم صحیح وہ ہے جو راہ خدا کی رہبری اور خدا تک رسائی کرا سکے۔ جو علما و مال و دولت اور جاہ و اقتدار کے طالب ہیں وہ صداقت سے عاری ہیں صادق وہ ہے جس نے طاغوت پرستی اور ہوائے نفس کی اتباع کو ترک کیا ہو ہمارے زمانے کے مدعیان علم و عمل کا حال یہ ہے کہ قدرے علم اور

---

[1] مکتوب شانزدہم در طلب دین و علامت مدعی و صادق۔

مشائخ عصر سے اجازت نامہ حاصل کر لیا اور مجلس رقص و سرود گرم کر لی
بس عالم زمانہ اور مشائخ روزگار بن بیٹھے۔ ان کو خدا اور خدا پرستی سے
کیا واسطہ۔ جن میں خودی کے اصنام موجود ہوں انہیں حضرت صمدیت سے
کیا رشتہ۔ جن کو خانماں مال وجاہ، دولت و اقتدار اور جبہ و دستار کی طلب ہے
ایسے لوگ خدا پرست نہیں خود پرست ہیں۔ ان کے معاملات علام الغیوب
سے بھی درست نہیں۔ اس سے بھی دغابازی و عیاری سے باز نہیں آتے
حالانکہ راستی اور راست بازی کی تاکید ہے "اتقوا وکونوا مع الصادقین"
ان کے قلوب طاغوت پرستی سے پاک نہیں۔ جن لوگوں نے خلوت گزینی،
بھوک اور پیاس کو اپنا شعار بنایا وہ فوز عظیم کو پہنچے: ؎

چو نیم خوردہ خود بادہ بر زمین ریزی | بگو بروح ستم کشتگان ناز رساں

حضرت مخدوم احمد لنگر دریاؒ نے حضرات خمس کی اہمیت کے سلسلے میں مونس
القلوب[1] میں ایک واقعہ لکھا ہے جو قابل ذکر ہے۔ ایک مرتبہ وہ عدن تشریف
لے گئے تھے۔ وہاں حضرت سعدؒ ایک مرد بزرگ تھے۔ حضرات خمس ان کی نظر سے
گذری تو وہ بہت خوش ہوئے اور بولے کہ ہند میں بھی ایسے ایسے درویش اور
مرد کامل ہیں۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ تم نے ان کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں

---

[1] مونس القلوب قلمی صفحہ ۱۰

اور اس کتاب کو ان ہی سے پڑھا ہے۔ یہ سن کر شیخ سعدؔ نے عقیدتمندانہ میرا ہاتھ چوما۔ اور وہ کتاب مجھ سے پڑھنے کی خواہش کی۔ میری معذرت کے باوجود بھی وہ مصر رہے اور بالآخر مجھے پڑھانا پڑا۔ انہوں نے بڑی عقیدت مندی سے پڑھا۔ اس کتاب میں دو شعر فارسی کے تھے۔ میں نے ان کو عربی زبان میں سمجھا دیا تو متحیر ہو کر بولے "واللہ دینی و دین شیخ حسین واحدًا و علم عھد نا بعقید نی کر جمونی" یعنی خدا کی قسم میرا اور شیخ حسین کا ایک ہی مسلک ہے لیکن اگر اس زمانہ میں میرے اس عقیدے سے لوگ واقف ہو جائیں تو ضرور مجھے سنگسار کر دیں۔ وہ دونوں اشعار یہ ہیں

گر یار با جوانان خواہد نشست زنداں	ما نیز توبہ کردیم از زاہدی و پیری
در تبکدہ گر خیال معشوقہ ماست	رفتن بہ طواف کعبہ از عقل خطاست

حضرت مخدوم حسین نوشہ توحیدؒ جب مرض الموت میں گرفتار ہوئے اور وقت آخری آپہنچا تو حضرت حسن دائم جشنؒ برابر خدمت میں حاضر تھے۔ ایک روز بڑی حسرت سے آپ نے عرض کیا کہ " ہم کو جو دینی یا دنیوی مشکلات پیش آتی تھیں۔ آپ کے سامنے پیش کر کے دور کرتے تھے اب حضور کی جدائی کے بعد میرا کیا حال ہوگا " حضرت حسین نوشہ توحیدؒ نے بڑی طمانیت کے ساتھ فرمایا " کیوں تعلق کرتے ہو تمہیں معلوم نہیں کہ جو تصرف ایک شیخ کو دنیا میں حاصل ہوتا ہے اس عالم میں پہنچ کر دو چند ہو جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں روح محبوس اور مقید ہے۔ فوراً

بذاتِ خود مشرق و مغرب میں نہیں جا سکتی۔ لیکن قالب سے جدا ہو کر آزاد ہو جاتی ہے اور پلک مارتے میں ایک جہان کا کام کر سکتی ہے۔ تم کو جو مشکلات پیش آئیں، میری طرف توجہ کرنا اور حضرت مخدوم الملکؒ سے عرض کرنا انشاء اللہ سب کام ہو جائے گا۔"

آپ کا وصال ۲۴ ذوالحجہ بروز شنبہ ۸۴۴ھ میں ظہر کے وقت ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی تاریخ وفات درج ذیل ہے:

تاریخ سال وفات سنہ بلخی حسین   شد گل با آب بہار شرف
۸۴۴ھ

نوشہ توحید اور سمندر توحید آپ کے لقب ہیں۔ آپ کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ جو ناتمام ہے حکیم سید شاہ قسیم الدین صاحب فردوسی کی عنایت سے مجھے دیکھنے کو ملا ہے اس کے کاتب عبدالعلی شعیبی فردوسی مرحوم ہیں۔ یہ نسخہ جناب حضور حضرت شاہ امین احمد صاحبؒ کے حکم سے ان ہی کے زمانہ میں لکھا گیا ہے اس میں سے کچھ اشعار درج ذیل ہیں۔

شوق و مستی کا انداز دیدنی ہے:

ما خودی را جملہ در توحید ناب افگندہ ایم   صورت تلبیس را از رخ نقاب افگندہ ایم
گہہ بہ ہجراں می سپارد در وصالش می دہد   دل بہ غمہا چوں نمک اندر کباب افگندہ ایم
مومن وترسا و مغ اندر سمع آوردہ ایم   زاں نواہا گہ حقیقت در رباب افگندہ ایم

گہہ بہ شہرِ عشقِ جاناں ہم چو عنقا می پریم — گہہ چو بوم عقل سایہ در خراب افگندہ ایم

پارسایان اندریں رہ بت پرستی می کنند — ما ورع در جام تقویٰ از شرابِ افگندہ ایم

از شوق روئے دوست چو دیوانہ گشتہ ایم — از خویش و آشنا ہمہ بیگانہ گشتہ ایم

یک جرعہ مے چو از لب لعلش چشیدہ ایم — رند و شراب خوار بہ میخانہ گشتہ ایم

روز ازل چو شمع جمال تو دیدہ ایم — بر آتش جمال تو پروانہ گشتہ ایم

ہم چو حسینؒ از سر جان در گذر کہ مست
از جان گذشتہ ایم کہ جانانہ گشتہ ایم

مسئلہ وحدت الوجود کی وضاحت ملاحظہ ہو :ـ

ما سرِّ جمال کبریائیم — در ملک وجود بادشاہیم

خورشید رود بہ برج خلوت — گر طلعت خود بد و نمائیم

ہر قوم بہ قبلہ گراید — ما حاصل جملہ قبلہائیم

در چہرہ دلبراں بہ شوخی — از خلق ہمیشہ دل ربائیم

دانی بد و کون کیست پیدا — مائیم ز راہ لطف مائیم

آں چیست کہ غیر ما بگفتند — آں را تو بداں کہ جملہ مائیم

غرقہ بحر بے کراں مائیم — گاہ موجیم و گاہ دریائیم

چوں دوئی نیست درمیانۂ ما | ما ہمہ او و او ہمہ مائیم
ما بداں آمدیم در عالم | تا خدا را بہ خلق بنمائیم
یار ما عین نور دیدۂ ماست | لاجرم ما بعین بینائیم
گر کسے صورت خدا طلبد | روئے خوباں بنمائیم

مولانا رومؒ اور امام غزالیؒ سب ہی نے "خرد" کو "عشق" کے سامنے ہیچ سمجھا ہے بلکہ اسے جمال الٰہی کا حجاب بتایا ہے۔ مولانا منظفر بلخیؒ نے بھی اس خیال کو اپنے دیوان میں اکثر و بیشتر اظہار کیا ہے۔ مخدوم حسین نوشہ توحیدؒ کے یہاں یہی عشق و محبت کی شراب دو آتشہ اور سہ آتشہ ہو کر عجب رنگ دے جاتی ہے

حال او فتویٰ دہد از کعبہ در بتخانہ شو | زلف او دعویٰ کند کز عاشقی دیوانہ شو
بر دلِ مشتاق آمد ایں خطاب از عارضش | کعبۂ یک سو نہ و بیزار از بتخانہ شو
گر عیاں خواہی کہ بینی روئے یار جانفزا | پائے بر فرق خرد نہ عاشق دیوانہ شو
در سلامت عاقلاں را عشق نہ نماید جمال | با ملامت ساز و آنگہ رند ہر میخانہ شو
در سماع کان بسر خود مطرب خود دف بو | با نوائے عشق تن تن تن تن تن تنانہ شو
در خراباتے کہ مستان جام وحدت درکشند | چوں حسین از بادہ ہر درد را پیمانہ شو

عزم آں دارم کہ آتش در نہاد خود زنم | شاخ ہستی را بہ بر ترم بیخ ہستی بر کنم

گر بریزد خنجر خوں ریز چشمت خون دل
مدعی ام گر سر از پائے تو جاناں بر کنم

می ندانم چوں کند در ران گر دو ایں نگار
دست من در گردنش یا تیغ او بر گردنم

گر حسینؔ از دست غمہا جاں دہد عمر تو باد
مژدۂ وصلت دہد کاخر صبا کاتب تنم

مسئلۂ توحید کی وضاحت میں جرأت گفتار ملاحظہ ہو : ؎

جمال پرتوے جان قلندر
ز نور پاک حق گشتہ مصور

نگارا ! چند بکنی پردہ بانی
کہ تو مائی وما با تو سراسر

کہ می گوید کہ حق صوت نہ بندد
من اینک دیدہ ام نورش منور

قتیل راہ وصلت را دمادم
ہمیشہ خنجر ہجر ست بر سر

ز ہر قطرہ کہ از خونش بریزد
بر آید نقش از اللہ اکبر

دلا، بر زن کنوں کوس بشارت
کہ ملک لایزالی شد مقرر

نہ گنجد ظلمت حرماں در یں جا
حسینؔ از وجہ تو چوں شد منور

عبادت اور ریاضت صرف کم بولنا، کم کھانا اور کم سونا نہیں ہے۔ بلکہ اس کے علاوہ بھی کوئی اور چیز ہے اور وہ ہے اپنے نفس اور دل پر قابو پالینا۔ اس مسئلہ کو اپنے مرشد مخدوم الملکؒ حضرت شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کے حوالہ سے ایک قطعہ میں اس طرح لکھتے ہیں : ؎

مقتدائے دین پیر منیری — این سخن با ما بگفت از سروری

کاے برادر گر بخواہی اصل کار — این سخن را ور دل خود پاسدار

این ریاضت نیست کاین رنجے بری — کم بگوئی، کم بخسپی، کم خوری

بچگان و طفل و ہم بیوہ زنان — این ریاضت می کنند از آب و نان

ہر چہ آن فضلت دہد قربت دہد — ور خیال غیر حق فرقت دہد

این ریاضت باشد اے عالی مقام — گوش کن تفسیر آن را در کلام

پاسبان دل شو اندر کل حال — تا نیابد ہیچ دزد آنجا مجال

ہر خیال غیر حق را دزد خوان — این ریاضت سالکان را فرض دان

از ہوائے حرص دل را قطع کن — با چنین رہ اتباع شرع کن

ہر کہ این رہ می رود دل شاد باد — دین نعم از بہر او آمادہ باد

عاشق روئے ام حسن جہان را چہ کنم — خستہ در کوئے توام امن و امان را چہ کنم

خلق گویند مکان گیر حسین — لامکان جائے مرا کون و مکان را چہ کنم

نرگس پر خمار تو عزم شراب می کند — صد چو حسین ہر طرف سینہ کباب می کند

سالہا شد کہ بجان نیز بلا می باری — این چہ جوراست کہ بر بندہ روا می داری

بطور نمونہ دو تین مکاتیب بھی بعینہٖ درج ذیل کئے جاتے ہیں:۔

مکتوب چہل و ہشتم در معنی خودی و بیخودی

مولٰنا سماءالدین۔ سلام و دعا از حسین معز مطالعہ کند و بداند کہ محبوب را از
محب خود دوری نیست وھو معکم موید گیٔ این معنی است اما محب را از
محبوب دوری است چہ او بخود محجوب است خود را و محبوب را در یک لوح
وجود می خواند و ہر کرا در دوئے نظر است او از عالم محبوب بے خبر است مثنوی: ؎

تا تو با خویشے عدد بینی ہمہ   چوں شوی فانی احد بینی ہمہ

باخود از ادر سرا پردۂ وحدانیت اما دانم تو ہنوز خودی و بیخودی ندانی۔
میخواستم چیزے می نویسم ..... خودی عبارت است از جملہ حرکات و سکنات
از خوردن و پوشیدن و گفتن و شنودن و خفتن و بر خطوط پرداختن مگر آنچہ
ازیں جملہ بہ ضرورت افتد، و ضرورت این طائفہ آن ست کہ اگر آں نکند
از حق دور افتد آنکہ بریں حد ضرورت قدم می زند گویند در راہ بیخودی می زند
اے دوست ضرورت در شمار نیست۔ اگر زبان جز از ضرورت و کلام پاک شد ازرا
صامت خوانند و ابکم گویند۔ و چوں گوش از غیر ضرورت پاک شد اصم گویند
و چوں چشم او از غیر ضرورت پاک شد اعمٰی گویند۔ و چوں لقمہ از غیر ضرورت پاک شد
جائع گویند و چوں لباس از غیر ضرورت پاک شد عاری خوانند۔ القصہ

سخن گوئی و طعام خوری و جامہ پوشی و مع ذالک سوگند توانی خورد کہ نمی گویم ونمی خورم ونمی پوشم انگاہ گویند کہ قدم درراہ بے خودی اثبات یافتہ است

"مکتوب پنجاہ وسوم ۵۳ درحذر از صحبت اہل ہوا وذکر محبت"

مقرر فرزندے باد - چوں ہر چہ ہست برائے طلب خدائے راست این زمان خود را گرد آری و وظیفہ لیل و نہار فوت نکنند واز تاثیر صحبتے کہ دران دروغ و فحش ولایعنی و بھنگ و شراب حاصل شود پرہیز واجب و فریضہ گیرد و خیر لا بد نگوید واوراد و نماز را ملازمت نماید اصلا فوت نکند واین بنیاد را محکم بدارد وانکہ سبب شہوت بنشستہ بود دارو ے شہوت ہمیں گرسنگی است و ترک لذات است - اگر شکم پر کند انگاہ نفس طربابا و خواہد بر دہوشی دارد وانکہ درباب معیت بنشستہ بود ہم چناں است خدائے باہمہ است چوں باہمہ باشد ہمہ چیز را حرمت باید داشت و باہمہ دوستی قائم باید داشت و نیک خواہی ہمہ باید کرد و راستی ہمہ باید کرد و اگر کار افتد واگر نہ در خلوت خود باخدائے ہم چنیں نزدیک باید بود کہ ہم چنیں نزدیک حاضر است - و طلب او باید کرد بچہ بجوع شدید و عطش مفرط و سہر دائم و بہ فکر لازم یعنی بگرسنگی سخت و تشنگی بسیار و بیداری شب دائم و فکر لازم واین فکر از نزدیک حق است و حاضری سلوک تمام گفتہ ام اگر مرد است بگیرد و بر اندازہ ہمت

بگیرد۔ والسّلام۔

مکتوب ہفتادوہفتم در تحریص بر کار

مقرر فرزندیے باد۔ مکتوب فرزندے وصول یافت واطلاع بر مضمون افتاد وہم چنیں است جوانے کہ درون چہل سالگی گرد پیرامون خود بر نیامد و در سی سالگی کارے بدست نیاورد در پیری خود از وچیزے نیاید ضائع آمد و ضائع رفت و در شما بہامٔ سعد و داقتاد اما آں فرزند را چند گھے کہ کاتب محلے در سکونت قرار گیرد و متوطن شود نیت بر این است کہ در شہرے ہم منتہائے ہند اگر بودہ باشد طریقت سکونت بودہ آید۔ از آنجا یا ما بر دِ رویم و یا او بر ما آید از یں دو خالی نخواہد بود تا مادام آں فرزند خود را بتکلف در تعلم و تعلیم دارد و متعارف است خصی را پرورش کند برائے وقت ضیافت را۔ والسّلام

مکتوب بست ویکم [۲۱] در ترک رسم وعادت

تا سخرۂ عام دکان غوغا نشوی	تہمت زدہ جہود وترسا نشوی
بیزار ز دین خویش عمدا نشوی	اندر صف عاشقان تو پیدا نشوی

بیزاری دین خویش این ست کہ دین ہوا پرستی ورسوم وعادت ننگ ونام را گوشہ نہی بہ تنے برہنہ وشکمے گرسنہ وجگرے تشنہ روئے

از ہمہ گردانیدہ ونماز جنازہ بر خویش وخویشاوندان گذاردہ باشی آنگاہ ترا
گویند کہ یک قدمے در راہ نہادۂ اما وصیت آن ست کہ آلودہ علائق و
خلائق نہ شوی چوں این مقدار استعداد باخود داری امید بود کہ از صحبت
درویشاں برخوری وبرخوردار آئی - اما حالیا از مطالعہ کتب شیخ وکلمات
شیخ خالی نہ باشی واز صحبت آلودگان ہوا مجانبت نمائی وبصلاح کوشی -
آں برادر را ودین وہمت او را بخدائے ودیعت کردم - والسلام

فصل نہم

حضرتِ مخدوم شیخ حسنؒ دائم جشن بلخی فردوسیؒ

حضرت مخدوم شیخ حسن دائم جشن بلخی فردوسیؒ حضرت شیخ حسین نوشہ توحیدؒ کے صاحبزادے اور خلیفہ تھے۔ آپ نے تعلیم و تربیت ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد ہی سے ظاہر کی۔ اور شروع سے آخر تک برابر ان کی خدمت میں رہے۔

آپ میں جود و سخا اور فیاضی بہت زیادہ تھی۔ گھر میں کچھ رکھنا آپ کو پسند نہ تھا۔ اور جو کچھ پاتے لوگوں میں تقسیم کر دیتے۔ ذاتی اخراجات کے لئے جو بچپن میں کچھ پیسے آپ کو اپنے والد ماجد سے ملتے تھے دو چار ہی دن میں آپ ان سے فارغ ہو جاتے تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت شیخ حسینؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"میاں حسن[1] کو اگر بھر گھر دولت مل جائے پھر بھی یہ کچھ ہی دنوں میں اس سے

---

[1] مونس القلوب قلمی صفہ ۶۱

فارغ ہو جائیں۔ بلکہ اگر پاویں تو وہ ہمیں بھی کسی کو بخش دیں۔"

اپنے ملفوظ مونس القلوب[1] میں آپ کے صاحبزادے حضرت مخدوم احمد لنگر دریاؒ فرماتے ہیں کہ کچھ دنوں تک حضرت والد ماجد نے بیعت لینے اور مقراض رانی کو ترک کر دیا تھا۔ ایک رات انہوں نے حضرت مخدوم شیخ حسینؒ کو خواب میں دیکھا کہ وہ بیعت نہیں لینے کا سبب پوچھ رہے ہیں۔ حضرت مخدوم حسنؒ نے جواب دیا کہ مجھے اپنی ہی آلودگیوں کو دیکھ کر دہشت ہو رہی ہے۔ دوسروں کا ہاتھ کس منہ سے پکڑوں ع

"ہر کہ خود گم شدہ رہ است کرا رہبری کند"

یہ سن کر شیخ حسینؒ نے اپنی آستین مبارک سے ایک کاغذ نکالا اور ان کے ہاتھ میں دیا۔ وہ ایک نفیس پیراہن پر فردوس کا شجرہ لکھا ہوا تھا پھر فرمایا کہ دیکھو تمہارا نام چوبیس پیروں کے نام کے اوپر لکھا ہوا ہے یا نہیں۔ اگر اس پر یقین نہ ہو تو پیچھے دیکھو۔ پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضرت شیخ مولانا مظفر بلخیؒ کو کھڑا پایا۔ ان کے پیچھے حضرت مخدوم الملکؒ کو اور ان کے پیچھے حضرت نجیب الدین فردوسیؒ کو اور اسی طرح سلسلہ تھا۔ شیخ حسینؒ نے پھر اپنے صاحبزادے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "حسن! جس کی پیٹھ پر ایسے ایسے پیشوا ہوں اسے کیا پروا۔" صبح اٹھ کر حضرت شیخ حسنؒ نے پھر اطاعت شیخ میں بیعت لینے اور مقراض رانی کا کام شروع کر دیا۔

ایک مجلس[2] میں کسی نے حضرت مخدوم شیخ حسن دائم جشنؒ سے پوچھا کہ آخر کیا

---

[1] مونس القلوب قلمی صفحہ ۲۰۱
[2] ایضاً صفحہ ۳۵-۳۶

مصلحت تھی کہ باوجود ہر طرح کی عبادت کے حضرت رسالت مآب اپنے وصال کے وقت مسواک میں مشغول ہوئے۔ آپ نے جواب دیا کہ جتنی عبادتیں اور ریاضتیں کہ بشر سے ممکن ہیں۔ حضرت رسالت مآب بجالا چکے تھے اور کوئی چیز نہ چھوڑی تھی لیکن جب سفر آخرت کی طرف قدم بڑھایا تو اپنے سارے اعمال اور عبادات کو ناکردہ سمجھا اور پھر مبتدیوں کے قاعدے سے از سر نو عمل کا آغاز کیا اور چونکہ وضو ابتدائے طاعت ہے اور مسواک ابتدائے وضو اور یہ کمال الکمال ہے کہ النھایۃ ھی الرجوع الی البدایۃ۔

مونس القلوب[1] میں ایک اور واقعہ اسی طرح کا لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت مخدوم حسن دائم جشنؒ سے پوچھا کہ خواجہ بایزید بسطامیؒ ابتدائے حال میں سبحانی ما اعظم شانی کہتے تھے اور انتقال کے وقت اس سے توبہ کی اور کہا کہ ان قلت یوماً سبحانی ما اعظم شانی فانا للیوم مجوسی اقطع زناری واقول اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ یعنی اگر آج کہوں میں سبحانی ما اعظم شانی تو آج میں مجوسی ہوں۔ توڑتا ہوں اپنے زنار کو اور کہتا ہوں کہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔ یہ تو آنا ہوا اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف اور یہ کیوں کر ہوگا۔ حضرت مخدوم حسن دائم جشنؒ نے جواب دیا۔ یہ اعلیٰ سے

[1] مونس القلوب قلمی صفحہ ۳۶

ادنیٰ کی طرف آنا نہیں ہے بلکہ یہ اعلیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنا ہے۔ کیونکہ پہلے کہتے تھے سبحانی ما اعظم شانی پاکی کی نسبت اپنی طرف کرتے تھے اور حق کی نشانی اپنے میں دیکھتے تھے اور اب توبہ کرکے توحید مقید سے توحید مطلق میں آئے:۔

آنچہ دانستم ہمہ پندار بود   ہر چہ بربستم ہمہ زنار بود

آپ کی تصنیفات سے دو کتابیں بہت مشہور ہیں۔ ایک تو کاشف الاسرار جو شیخ حسین نوشہ توحیدؒ کی عربی کتاب حضرات خمس کی بہت بلیغ شرح ہے۔ اور دوسری لطائف المعانی۔ ان دونوں کتابوں میں توحید و معرفت کے اسرار اور عشق و محبت کے رموز و نکات بڑے عمدہ پیرایہ میں پیش کئے گئے ہیں۔

آپ کے وصال کے بارے میں آپ کے صاحبزادے مخدوم احمد لنگر دریاؒ نے اپنے ملفوظ مونس القلوب میں عجیب واقعہ لکھا ہے:۔

"والدہ ماجدہ بیمار ہوئیں[1] اور ان کی بیماری حد سے گذر گئی تھی اور کئی بار ایسی نوبت پہنچی تھی کہ جینے کی امید نہ رہی تھی۔ اس دفعہ بھی وہی حال ہو گیا تھا۔ اور والد مرحوم کئی دن سے پہاڑی پر تھے۔ جب گھر آئے تو مجھ کو اور میرے بھائی بہنوں کو والدہ مرحومہ کے گرد روتے ہوئے دیکھا۔ بہت شکستہ دل اور مضطر ہوئے۔ فرمایا میں ان لوگوں کی بے مادری نہیں

---

[1] مونس القلوب قلمی صفحہ ۲۴۸ و ۲۴۹

دیکھ سکتا۔ میرا ہاتھ پکڑا اور حضرت شیخ حسین کے روضہ پر آئے۔ اور پائیں قبر حضرت ممدوح آکر قبر مبارک پر منہ رکھ دیا۔ گویا قدم مبارک پر گرے ہیں تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور اپنے ہاتھ سے جس جگہ پر کہ اب قبر مبارک ہے نشان دے دیا۔ اور والدہ نے پہلے ہی والد مرحوم سے کہا تھا کہ میری جگہ تمہارے پائنتانے ہے۔ پھر وہیں اسی وقت والد مرحوم کو تپ آگئی۔ یہاں تک کہ خود گھر نہ آسکے۔ ہم لوگ ڈولہ کرکے آپ کو گھر لائے۔ دو تین روز کے بعد سمبار کے روز ۱۲ر شعبان ۸۵۵ھ میں ادویہ وصال نوش جان فرمائی۔ اور والدہ ماجدہ سبقت کی اور لڑکوں کی بے مادری نہ دیکھی۔ والدہ مرحومہ کا انتقال آٹھ روز بعد ۲۹ر شعبان کو ہوا۔"

آپ کی تاریخ وفات ذریعہ دولت میں یہ ہے: ؎

گزیدہ از غمِ خواجہ حسن سر انگشت | بگفت طبع کہ بوئے گل بہار شرف
۸۵۵ھ

کاشف الاسرار[1] میں ایک جگہ صوفی، اہل وحدت اور قلندر میں فرق دکھلاتے ہوئے بڑی دلچسپ بحث چھیڑی ہے۔ نمونہ کے طور پر اس جگہ اس کا اقتباس درج ذیل ہے:

"بدانکہ اصطلاح صوفیان و اہل وحدت یکے است و قلندر نیز قریب بہ صوفی است۔ بعضے محققان میان صوفی و قلندر فرقے گفتہ اند کہ صوفی آن است

---

[1] کاشف الاسرار مطبوعہ مطبع اپنچ در ۱۸۹۶ء صہ ۲

کہ ظاہر و باطن او آراستہ بہ شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت و واصل ذات بود - واز صفات بہ کلی عبور کردہ و ترقی نمودہ باشد - و تخلق باخلاق اللہ گشتہ باشد و اسقاط اضافات کردہ باشد - واذا تم الفقر فھو اللہ (یعنی جب فقر مکمل ہوا تو خدائی آ گئی) حال او گشتہ باشد قطعہ :

هر جا کہ برفتیم برائے تو برفتیم — و آنجا کہ نشستیم برائے تو نشستیم
جز یاد تو در خاطر خود بار ندادیم — جز نقش تو بر صفحۂ دل نقش نہ بستیم
صد شکر بجز دند بہ پیش تو چو آدم — آں قوم کہ می گفت کہ ما بت نپرستیم

و قلندر جز یک ہم و یک عمل و طلب دیگر نہ بود و مقصود جانش جز وصول بذات اللہ تعالیٰ و اسقاط اضافات و رفع صفات در جمیع احوال دیگر نہ باشد چنانکہ گفت :

عاشق صادق چہ داند کعبہ و بتخانہ چیست — ہر کجا یابد نشانِ یار خود انجا شود

و بعضے ہیچ فرقے نہ گفتہ اند - چنانچہ خواجہ فرید الدین عطارؒ و مولانا روم و شیخ شرف الدین پانی پتی و مشائخ طبقات ما رضوان اللہ علیہم شیخ ما گفت :

جمال پر تو جان قلندر — ز نور پاک حق گشتہ مصور
قلندر رکے بیاید در عبادت — قلندر رکے بگنجد در اشارت
قلندر نیست گشتہ در جدائی — نہ انجا بندگی وا ں نے خدائی
صوفیانیم آمدہ در کوئے تو — پیش چوگاں گشتہ ہم چوں گوئے تو

وصوفی وقلندر وفقیر ودرویش در اصطلاح ایشاں یکے است۔"

ایک جگہ انسان کے سات اعضا کو سات دروازوں سے تشبیہ دے کر بڑے دلچسپ پیرایہ میں لکھا ہے کہ جن لوگوں نے ان اعضا پر قابو نہ پایا ان کیلئے وہی جہنم کے سات دروازے ثابت ہوں گے۔ اور جنھوں نے قابو پالیا ان کے لئے وہ جنت کے سات دروازے ہو جائیں گے۔ نمونۃً چند سطور درج ذیل ہیں:۔

"حق تعالےٰ[1] می فرماید وانّ جہنم لموعدھم اجمعین لہا سبعۃ ابواب لکل باب منھم جزء مقسوم۔ وان ہفت عضوا ست کہ در آدمی موجود است کہ او نسخہ عالم کبیر است۔ یکے چشم، دوم زبان، سوم گوش، چہارم فرج، پنجم شکم، ششم جوارح، ہفتم نفس کہ صنم اکبر است وہادیہ عظیم است۔ ہر کہ ایں ہفت ابواب را بہ مناہی ونامرضی ونامشروع مفتوح دارد وازاں اجتناب نہ نماید واحتساب نہ کند وازراہ آں استیفائے لذات وشہوات کند ایں ہفت ابواب دوزخ او گردد وہر کہ تزکیہ واحتساب کند واز استیفائے لذات وشہوات اجتناب نماید وایں ابواب را از مناہی مسدود گرداند ایں ہر ہفت مراورا بہشت گردد:[2]

ظاہر وباطن چو شد تسلیم دوست ماکنوں حقا مسلمان می رویم"

ایک جگہ کاشف الاسرار میں طریقت پر بہت ہی تفصیلی بحث کی گئی ہے

---

[1] کاشف الاسرار صفحہ ۵ مطبوعہ مطبع اپنچ پٹنہ

برمحل اشعار کے استعمال نے عجب زور اور حسن پیدا کر دیا ہے :-

"طریقت[1] راہے است رفتنی، تصفیہ باطنی و تزکیہ دل از صفات مذمومات
بدو تعلق دارد۔ چنانچہ حقد و حسد و غضب و بغض و عداوت و ایذا و کذب
و فسق و غیبت و تکبر و حب مال و جاہ و حب زن و فرزند و جز آں :-

سعدی حجاب نیست تو آئینہ صاف دار | زنگار خوردہ کے بہ نماید جمال دوست

ع روا از خدا بہر چہ کنی شرک خالص است۔

و حقیقت راہے است رفتنی کہ تنقیہ روح و تصفیہ جان از لوث
خطرہ ماسوی اللہ و اندیشہ اغیار بدو تعلق دارد :-

از دل بروں کنم غم دنیا و آخرت | یا خانہ جائے رخت بود یا خیال دوست

دریں مقام سالک را دربانی دل و پاسبانی جان فرض حال است از شیخ ما است
:-

پاسباں دل شو اندر کل حال | تا نیابد ہیچ دزد انجا مجال
مرخیال غیر حق را دزد خوان | ایں ریاضت یار لکان افرض دان

---

[1] کاشف الاسرار صفحہ۔

فصل دہم

حضرت مخدوم شیخ احمد لنگر دریا بلخی فردوسیؒ

حضرت مخدوم شیخ احمد لنگر دریا بلخی فردوسیؒ صاحبزادے حضرت حسن دائم جشنؒ کے ہیں۔ لیکن آپ نے تعلیم شریعت اور فیضان طریقت اپنے جد امجد حضرت مخدوم حسین نوشہ توحیدؒ سے بھی حاصل کیا۔ آپ کی پیدائش ۲۷ رمضان المبارک ۸۲۶ھ کو ہوئی تھی۔ چنانچہ پیدائش کے موقع پر حضرت حسین نوشہ توحیدؒ نے اپنے قلم مبارک سے عربی میں یہ چند سطور بطور یادداشت لکھ کر رکھ دیے تھے۔ جس کو خود حضرت مخدوم احمد لنگر دریاؒ نے اپنے ملفوظ مونس القلوب میں نقل کیا ہے:

"ولد الولد الاعز المسمی الشیخ احمد بن حسن بن حسین الملقب بہ برہان الدین المکی بلدی القاسم ابنہ اللہ نباتاً حسناً فی لیلۃ سبع وعشرین من شھر المبارک الرمضان عمت شانہ فی ستۃ وعشرین وثمان مائۃ

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنَ الاَحْيَاءِ وَسَلِّمْهُ مِنَ الاَسْوَاءِ وَافْعَلْ نَبَاوِيَهٗ مَا اَنْتَ لَهٗ اَهْلٌ وَلَا تَفْعَلْ نَبَاوِيَهٗ مَا نَحْنُ اَهْلُهٗ يَا مَوْلَانَا بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ٥

مونس القلوب[1] ہی میں ہے کہ پیدائش کے بعد حضرت احمد لنگر دریا رحؒ کی آنکھیں چالیس روز تک بند رہیں کھلتی ہی نہ تھیں۔ گھر والے گھبرائے۔ لیکن حضرت مخدوم حسین نوشہ توحیدیؒ نے تشفی دی اور چالیس روز تک برابر نماز چاشت کے بعد اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں پر ملتے رہے بالآخر چالیسویں دن آنکھیں کھلیں اور اس نے پہلا جلوہ شیخ ہی کے روے اقدس کا دیکھا جب ہوش آیا تو وہ برابر اپنے دادا جان کی خدمت میں رہے اور ان ہی سے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کرتے رہے۔ حضرت مخدوم احمد لنگر دریاؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے جد امجد حضرت حسین نوشہ توحیدؒ کی خدمت میں تھا کہ انہوں نے بڑی محبت او شفقت سے میری طرف دیکھ کر فرمایا:-

"احمد! ہم تو کچھ نہ ہوئے لیکن تم اگر محنت سے پڑھو اور معرفت حاصل کرو تو کچھ ہو جاؤ گے۔ تم سے ہمارا اور ہمارے بزرگوں کا نام رہے گا۔"

اور بار بار فرماتے تھے کہ تم میرے نام پر فاتحہ ضرور پڑھو گے۔

ایک مرتبہ بیماری ہی کے دوران میں فرمایا تم عقائد مجھ سے ضرور پڑھ لو

---

[1] مونس القلوب قلمی صفحہ ۱۸۸

اور عقائد نسفی معہ شرح مظفری اپنی بیماری ہی کی حالت میں مجھ سے تمام کروائی ۔
اور میرے حق میں بہت سی دعائیں فرمائیں ۔

ذریعہ دولت[1] میں لکھا ہے کہ ایک دن شیخ احمد لنگر دریاؒ کی مجلس میں قوال آکے
اور کچھ سنانے لگے ۔ ایک صوفی اٹھا حضرت نے فرمایا کہ رقص کرنا ، تالیاں بجانا ،
پاکوبی کرنا ، اور آستین جھاڑنا اس وقت تک بے معنی اور فعل عبث ہے جب تک کہ
کوئی ایسا کرنے سے پہلے اپنی خودی نفسانیت ، کبر و حسد اور مال و دولت پر لات
نہ مارے اور پھر یہ بیت پڑھی ، ؎

رقص وقتے مسلمت باشد   کاستین بر دو عالم افشانی

اور اگر ایسا نہیں تو پھر ان کی یہ حرکت قالب ہے جس میں جان نہیں اور ایک
عبارت ہے جس میں معنی نہیں ؛ ؎

لات مارے جو کہ دنیا کو وہ پاکوبی کرے   ہاتھ اپنے سے اٹھائے تو اٹھائے ہاتھ کو

سفر مکہ کے راہ میں ایک مرتبہ ان کو جو خطرہ لاحق ہوا تھا اس واقعہ کو
شیخ احمد لنگر دریاؒ نے مونس القلوب میں اس طرح لکھا ہے :-

"مکہ[2] کے راستہ میں ایک مرتبہ جہاز ڈوبنے لگا اور دو روز تک
تمام مسافرین امید و بیم کے جھولے میں جھولتے رہے ۔ ناامیدی نے
ہر ایک کو دہشت زدہ بنا دیا تھا ۔ میں اپنے تمام اہل و عیال کے ساتھ

---

[1] ذریعہ دولت صفحہ ۶۹ [2] مونس القلوب قلمی صفحہ ۲۳۳

جہاز پر تھا اور سوچتا تھا کہ خداوندا تیرے اس کام سے میں راضی ہوں۔
ضرور اس میں تیری کوئی مصلحت مضمر ہوگی۔ اسی اثنا میں میری لڑکی
فاطمہ کو غنودگی آگئی تو اس نے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں
دیکھا کہ وہ تسلی دے رہے ہیں کہ تم لوگ متردد نہ ہو جہاز محفوظ رہے گا۔ اسکے
بعد ہی جہاز خطرہ سے باہر ہو گیا۔"

ذریعہ دولت نے لکھا ہے کہ غالباً اسی واقعہ کے بعد آپ کا خطاب لنگر دریا پڑ گیا۔

حضرت مخدوم احمد لنگر دریاؒ کی طبیعت میں انکساری اور عجز بہت
زیادہ تھا۔ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے :-

تر ایک ذرہ در خود عیب دیدن	بہ از صد نوع غیب الغیب دیدن

تذکرہ ذریعہ دولت[1] میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت احمد لنگر دریاؒ
مخدوم شیخ حسینؒ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے دیکھا کہ مولانا منور امامت نماز
کر رہے ہیں۔ چونکہ اکثر ان کی نماز قضا ہو جایا کرتی تھی اور اس کو وہ نہیں ادا کرتے
تھے، جس کا علم حضرت احمد لنگر دریاؒ کو تھا اس لئے ان کے دل میں یہ خیال گذرا کہ
ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھی جائے یا نہیں۔ پھر طبیعت کی فطری انکساری نے
فہمائش کی کہ ایسا خیال نہیں کرنا چاہیئے اور انہوں نے مولانا منور کی اقتدا
کی۔ مولانا نے سلام پھیرا اور چلے گئے تو شیخ احمد لنگر دریاؒ کی نظر سے حجاب اٹھ گیا

---

[1] ذریعہ دولت صفحہ ۶۹ و مونس القلوب قلمی صفحہ ۲۷۴

اور انہوں نے دیکھا کہ وہ تمام مردوں کو دیکھ رہے ہیں اور ایک مرد ضعیف ان سے جھگڑ رہا ہے کہ وہ اس کی روح پر فاتحہ کیوں نہیں پڑھتے۔ اور پھر اس مرد ضعیف نے ان سے کہا "کہ میرے کوئی فرزند نہیں ہے تم میری روح پر فاتحہ پڑھا کرو۔" شیخ احمد لنگر دریاؒ فرماتے ہیں کہ اس روز میری سمجھ میں اس شعر کا مطلب صحیح طور پر آیا جس کو میں اکثر پڑھا کرتا تھا۔

ذریعہ دولت[1] اور مونس القلوب میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ حضرت احمد لنگر دریاؒ کی خدمت میں شیخ فرید نامی ایک شخص ایک چھوٹی سی ٹوپی لے کر آئے اور عرض کیا کہ "میری پیدائش کے وقت حضرت مخدوم شیخ حسینؒ نے میرے بزرگوں کی استدعا پر یہ طاقیہ عنایت فرمائی تھی۔ اب یہ میرے سر پر نہیں آتی بہت چھوٹی ہوتی ہے۔" حضرت احمد لنگر دریاؒ نے وہ ٹوپی ہاتھ میں لے لی اور دونوں ہاتھ اندر دیر پھرانے لگے اور حضرت مخدوم جہاں نے جو ٹوپی حضرت حسین نوشہ توحیدؒ کی چھٹی کے دن عنایت فرمائی تھی اس کا قصہ بیان کرنے لگے۔ جب وہ قصہ ختم ہوا تو آپ نے شیخ فرید کو کہا کہ سر جھکاؤ اور بسم اللہ کہہ کر ٹوپی پہنا دی تو بالکل ٹھیک ہی نہیں بلکہ ڈھیلی ڈھالی سر پر آ گئی۔

مونس القلوب[2] میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت احمد لنگر دریاؒ نے

---

[1] ذریعہ دولت صفحہ ۔ و مونس القلوب قلمی صفحہ ۲۹۶ [2] مونس القلوب صفحہ ۲۰

اپنے صاحبزادے شیخ ابراہیم المعروف بہ سلطان کو دیکھ کر حاضرین سے ایک واقعہ کا ذکر کیا کہ شیخ ابراہیمؒ کی پیدائش سے پہلے ان کے دل میں یہ خیال گذرا کہ وہ حضرت ابراہیم ادہم کی اولاد سے ہیں۔ اگر اللہ ان کو ایک بیٹا دے تو وہ اس کا نام ابراہیم ہی رکھیں۔ حضرت مخدوم الملکؒ کو جب اس خطرہ کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں ہوگا۔ کچھ روز کے بعد شیخ ابراہیم پیدا ہوئے اور مخدوم الملک کے وصال کے بعد ایک مرتبہ وہ ایسا بیمار ہوئے کہ امید زیست باقی نہیں رہی۔ شیخ احمد لنگر دریاؒ اضطراب میں حضرت مخدوم الملکؒ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے اور عرض حال کیا۔ غنودگی آگئی تو خواب میں حضرت مخدوم الملکؒ کو دیکھا کہ وہ تکیہ کے سہارے بیٹھے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ پریشان نہ ہو وہ ٹھہرے گا۔ اور اللہ کے حکم سے ایسا ہی ہوا۔"

حضرت احمد لنگر دریاؒ کو جو محبت اور عقیدت حضرت مخدوم الملکؒ سے تھی اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یوں تو تمام مسلمانوں پر پانچ شکر واجب ہے۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالےٰ نے وجود میں لایا۔ دوسرے یہ کہ حیوان بنایا جماد نہ بنایا، تیسرے یہ کہ حیوان مطلق نہ بنایا۔ بلکہ انسان بنایا۔ چوتھے یہ کہ اسلام کی دولت سے مالا مال کیا۔ پانچویں یہ کہ حضرت خاتم الرسل احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بنایا لیکن مجھ پر ایک شکر اور واجب ہے وہ یہ کہ حضرت شیخ شرف الدین

احمد یحییٰ منیریؒ کے غلاموں میں شمار کرایا: ؎

از بندہ چہ آید بجز اقرار غلامی کان آمدہ فخر من دعا شرف الدین

سائم بدرش جبہ کزاں داغ بہ محشر زود آمدہ باشم بہ شمار شرف الدین

بنگر شرف اختر فیروزی بختم طالع شدہ از برج حصا شرف الدین

حضرت احمد لنگر دریاؒ کی تعلیم و عقائد سے متعلق کچھ باتیں مصنف ذریعہ دولت نے اپنی تصنیف میں لکھی ہیں۔ ہم ان میں سے کچھ یہاں نقل کرتے ہیں

"عالم میں جو کچھ ہے طالب خدا ہے لیکن وہ نہیں جانتا[1] وان من شئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقهون تسبیحهم (یعنی نہیں ہے کوئی چیز مگر یہ کہ وہ چیز تسبیح کہتی ہے ساتھ حمد خدا کے ولیکن تم اس کی تسبیح نہیں سمجھتے): ؎

پیش تو ایں سنگ ریزہ ساکت است پیش ما حقا فصیح و ناطق است

جو مخلوق بھی ہے وہ تسبیح کہنے پر مجبور ہے اس کو پیدا ہی اسی طرح کیا گیا ہے کہ بے اختیارانہ اس سے تسبیح صادر ہوتی ہے مگر انسان میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ اس پر مجبور نہیں ہے بلکہ مختار ہے اور اس میں سر ہے اور اصل اس کی یہ ہے کہ ساری مخلوق صفات خداوند تعالےٰ سے کسی ایک صفت کا مظہر ہے۔ اور معلوم ہے کہ صفت ذات کی محکوم ہے

---

[1] ذریعہ دولت صفہ ۱

اس کا کچھ اختیار نہیں ہے۔ لیکن آدمی ذات کا مظہر ہے سب صفتوں کے ساتھ اور جو چیز کہ عالم میں ہے آئینہ اور عکس واجب کا ہے۔ پس جو عکس اور پرتو واجب کا ہے بے واسطہ جان تقاضا کرتا ہے جیسا کہ آدمی کہ عکس اور پرتو خداوند تعالےٰ کا ہے جاندار ہے :-

صد ہزاراں روے دارد شاہد بروے ما　　رو بہر آئینہ آرد جان درو پیدا شود

اور جو عکس اور پرتو ممکن ہے جان تقاضا نہیں کرتا جیسے عکس اور پرتو آدمی کا کہ اس کا کچھ اثر نہیں اور یہ جو ممکن کے عکس اور پرتو کو جان نہیں ہے سبب یہ ہے کہ بہ سبب واسطے کے پیدا ہوا ہے۔"

آپ کا وصال ۱۹ رمضان المبارک ۸۹۱ھ ہے۔ قطعہ تاریخ وفات آپ کا درج ذیل ہے :-

چو شیخ احمد بلخی کہ بود منبع فیض　　بہ خلد رفت شدہ سال رحلتش فیاض
۸۹۱ھ

ایک اور قطعہ تاریخ ہے :-

بہ باغ خلد خرامید احمد بلخی　　کہ بود بر سخنش نافہ تتار شرف
پرید بوز کلامم چو سال برخواندم　　ہوائے طیب بوئے گل بہار شرف
۸۹۱ھ

حضرت مخدوم احمد لنگر دریاؒ کا ایک دیوان بھی مطبوعہ ہے۔ جو مطبع حنفیہ پٹنہ میں چھپا ہے۔ آپ کے دیوان کے مطالعہ کے بعد آپ کی

قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔

آپ کے کلام میں جہاں تصوف اور اخلاق کے موتی بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔ وہاں دل درد مند کا سوز و گداز بھی نمایاں ہے۔ آپ کے بعض اشعار میں بادۂ محبت کی وہ سرمستی اور سرشاری پائی جاتی ہے کہ پڑھنے والے پر ایک عالم طاری ہو جاتا ہے مثلاً : ؎

آتش عشق تو ناگہ بر فروخت ——— رطب و یابس ہر چہ ما را بود سوخت
ذرۂ از آتش مہر ریخت ——— در دل ہر خام گان افتادہ پوخت
چست آمد بر تنم بجتا رِ عشق ——— گرچہ حیا طارزل بس جامہ دوخت
زاہدے دیدم کہ در بازار عشق ——— نقد صد سالہ بجامے مئے فروخت
سوخت از احمد ہمہ پندار وے ——— آتش عشق تو ناگہ بر فروخت

دیگر

ساقیا چوں از شراب بیخودی مستیم ما ——— جام بشکن بادہ بفگن کز خودی رستیم ما
در حقیقت چوں بہ بینی ہیچکس موجو نیست ——— در دو عالم جز وجود ما کہ ہستیم ما
ما ز عبرت غیر را اندر جہاں بگذاشتیم ——— نقش غیر خویشتن را پاک بر شستیم ما
چند گوئی چند شنوئی نکتہ توحید را ——— بے ریاضت نیست لذت بارہا گفتیم ما

چونکہ احمد از احد داری نصیبے شاد باش
میم احمد صفر آمد پس احد ہستیم ما

تصوف کا ایک نازک مسئلہ کس خوبی سے ان دو شعروں میں حل کر دیا گیا ہے

ز آفرینش خوباں مراد داشت خدائے ۔۔۔ کہ خاص مظہر خود را نگاہ دار دجائے
مرا کہ قبلہ و قبلہ ام ہمیشہ روئے بتان ست ۔۔۔ چہ حاجت است کہ گذارم نماز غلق نمائے

ماییم نمونۂ خدائے ۔۔۔ از ماست ظہور کبریائے

خدا شاہد کہ اندر ہیچ جانیست ۔۔۔ مرا بے روئے تو یکدم قرارے

فقیرے اندریں مسجد رسیدہ ۔۔۔ جفا ہائے زماں بسیار دیدہ
دو بیت از حال خود اینجا نبشتہ ۔۔۔ یکے از خون و دیگر ز آب دیدہ

عروس غیب کہ مستور بود از دیدار ۔۔۔ بہ بیں چگونہ تجلی بگرد فصل بہار
بہر طرف کہ بہ بینی خطاب حق شنوی ۔۔۔ کہ انظر و بجمالی یا اولی الابصار

فلسفہ وجود زندگی پر آپ کا ایک دلآویز قطعہ ملاحظہ ہو :-

کاشکہ ہرگز نہ بودے ایں وجود ۔۔۔ کز وجود ما بلاہا رخ نمود
در عدم آسودہ بودم برقرار ۔۔۔ فارغ از ما و منی در کار و بار
بے صفت بودم جہاں کاندر جہاں ۔۔۔ کس ندانستے ز وصفم یک نشاں

ایمن از آشوب فتنہ در بلا
بے غم از تشویش خوف واز رجا

بامزاراں فرحت شادی وشور
بافراواں بہجت وعیش وسرور

کز خلائق جمع اندر سر بسر
تا از آں عالم یکے گوید خبر

آخر الامر ایں ہمہ خیزاں شوند
از صفات انجہاں طیران شوند

از عدم موجود کردی مر مرا
در وجود خویش دادی صد عطا

ہر چہ دارم از تو دارم در وجود
جامۂ جاں ہر چہ ہست از تار و پود

ساعتے گر خوش بخندانی مرا
در پس آں نیک گریانی مرا

از وجود خود ملامت می برم
لیک ازیں گفتن خجالت می برم

شاکرم از منعم خود کل حال
نیست حاجت از حلال واز مقام

گنج دادی من ہماں دارم نگاہ
تو حکیمی گنج دادی آں بخواہ

گر مرا آنچہ سعادت دادہٗ
ور مرا رنج شقاوت دادہٗ

این وآں را من نہ بینم تا کہ چیست
شاد دارم زانکہ می دانم زِ کیست

چوں مراد تو ہمہ حاصل شدہ
احمدؔ از ہر دو جہاں واصل شدہ

مخدوم الملکؒ سے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار ان چند اشعار میں جس والہانہ انداز سے کیا ہے وہ ایک خاص کیفیت کا حامل ہے ؎

اے بیا قلندرے شو
فارغ زدل زجا بری شو

تا چند بہ شورہ در بہ مانی
یک لحظہ بکان شکری شو

در کلبہ عقل چند نشینی
بر قصر جنون مظفری شو

با زاہد خشک چند باشی
در مجلس شاہ منیری شو

روباہ ہوا چو صید کردی
در بیشہ پلنگ برتری شو

از وہم ظلوم دیو بگذر
در پر توے روئے آں پری شو

عالم چو تجلی حسین است
احمدؔ ہمہ عضو ناظری شو

فصل یازدہم

حضرت مخدوم ابراہیم سلطان بلخی فردوسیؒ

حضرت مخدوم ابراہیم سلطانؒ حضرت مخدوم احمد لنگر دریاؒ کے صاحبزادے اور خلیفہ ومجاز ہیں۔ آپنے علوم ظاہری اور باطنی کی تکمیل اپنے والد ماجد حضرت مخدوم احمد لنگر دریاؒ ہی سے کی تھی۔ حضرت مخدوم احمد لنگر دریاؒ آپ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ آپ کی تصنیف کا کوئی پتہ ہم کو نہ چل سکا۔

آپ کا وصال بھی اسی تاریخ اور مہینے میں ہوا۔ جس میں آپکے والدماجد کا ہوا تھا۔ یعنی ۱۹ ر رمضان المبارک سنہ ۹۱۴ھ۔ آپ کا سال وفات مندرجہ ذیل قطعہ سے نکلتا ہے :-

به سال رحلت مخدوم شیخ ابراہیم — که بود فقر وفنا را ازو شعار شرف
به صبح صدق صدا خیر شد نسیم نفس — که موج باد به بوئے گل بہار شرف

۹۱۴ھ

ان بلخی خاندان کے فردوسی مشائخ کے قطعہ وفات کے لکھنے میں لکھنے والے نے بڑا وصف یہ پیدا کر دیا ہے کہ ذرا ذرا سی بامعنی اور برمحل اضافت کے بڑھا دینے سے تاریخ رحلت نکال لیا ہے۔ مثلاً مولانا مخدوم مظفر بلخیؒ کا سنہ وفات بہار شرف سے نکالا ہے۔ اور شیخ حسینؒ کے سنہ وفات نکالنے میں صرف "گل" کا اضافہ کر کے گل بہار شرف کر دیا۔ اور شیخ حسنؒ میں "بو" کا اضافہ کر کے بوے گل بہار شرف کر دیا اور شیخ ابراہیمؒ میں "موج" کا اضافہ کر کے موج بادیہ بوئے گل بہار شرف کر دیا۔

آپ کے بعد شجرہ عالیہ فردوسیہ کی کئی شاخیں نکلی ہیں۔ حضرات بلخیہ اور منیر شریف کا حضرت شیخ درویش سے سلسلہ ملتا ہے۔

آپ کے حالات کسی کتاب میں باوجود تلاش مجھ کو نہ ملے اور نہ ثقہ روایتیں بھی مجھ کو اس لائق ملیں کہ میں ان پر اضافہ کرتا۔ اس لئے جو کچھ مل سکا اسی پر اکتفا کیا۔

فصل دوازدہم

حضرت مخدوم شیخ حافظ درویش بلخی فردوسیؒ

حضرت مخدوم شیخ حافظ درویش بلخی فردوسیؒ حضرت مخدوم ابراہیم سلطان
کے صاحبزادے اور خلیفہ ہیں آپ کے بارے میں نہ ذریعہ دولت ہی نے کچھ لکھا ہے
نہ کسی اور تذکرے میں حالات ملتے ہیں۔

آپ کا ایک خاص واقعہ یہ ہے کہ آپ ازراہ محبت و احترام مخدوم الملکؒ
کے خاندان کے ایک فرد حضرت مخدوم شاہ محمد بھیکھ قدس سرہٗ کو خانقاہ مخدوم الملکؒ
کی سجادگی پر بجائے اپنے بٹھا کر خود علحدہ ہو گئے۔ اور اس وقت سے سجادگی خانقاہ
معظم مخدوم الملکؒ کے خاندان میں آئی اور ہنوز چلی آتی ہے۔

فصل سیزدہم

قطب عالم حضرت مخدوم شاہ محمد بھیکھ فردوسیؒ

آپ حضرت مخدوم امام الدینؒ کے صاحبزادے تھے۔ اور بیعت حضرت شاہ بصیر الدین نورشامی سے حاصل تھی۔ اور ان کو حضرت شاہ صدرالدین رضاؒ سے اور ان کو حضرت مولانا نصیر الدین سمنانیؒ سے اور ان کو حضرت مخدوم الملکؒ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ سے۔ گویا چوتھی سیڑھی میں آپ کی بیعت کا سلسلہ حضرت مخدوم الملکؒ سے مل جاتا ہے۔

حضرت مخدوم الملکؒ کے وصال کے بعد مسند سجادگی پر حضرت مولانا مظفر بلخیؒ جلوہ افروز ہوئے۔ جنھیں خاندان مخدوم الملکؒ سے کوئی نسبی لگاؤ نہ تھا۔ اور اس کے بعد چھ مشائخ سلسلہ وار خاندان بلخیہ ہی سے خانقاہ مخدوم الملک کے سجادہ ہوتے رہے۔ لگ بھگ ایک سو تیس برس کے بعد حضرت حافظ درویش

بلخی فردوسیؒ ... خوشی و رضا سے خاندان شرفیہ کے ایک گوہر تاباں حضرت مخدوم شاہ محمد بھیکھؒ کو بجائے اپنے مسند سجادگی پر بٹھا کر خود علحدہ ہو گئے۔ اور اس وقت سے اب تک سجادگی خانقاہ مخدوم الملک ان کے خاندان ہی کے لوگوں میں چلی آ رہی ہے۔

جناب سید شاہ نجم الدین فردوسی صاحب مدظلہٗ نے اپنی تصنیف حیات ثبات میں حضرت مخدوم شاہ بھیکھ کی مسند نشینی کے واقعہ کو اس طرح لکھا ہے:-

"مدتے شد کہ می کشیم بہ چشم[۱] عوض سرمہ انتظار کسے

مگر حضرت مخدوم الملکؒ کا دیدار تو ناممکن تھا البتہ اولد سر لابیہ کی بنا پر پیر دونے چاہا کہ مخدوم زادہ کو زیب و سادہ مخدوم دیکھیں۔ ذوق خادمیت حضرت حافظ درویش بلخی فردوسیؒ و شوق دیدار نے وہ قوت جاذبہ پیدا کی کہ بجائے بشیر خود یوسف کی آمد آمد کا سامان پیدا ہو گیا۔ یعنی حضرت شاہ محمد بھیکھؒ کے مرشد طریقت نے فرمایا کہ فتح باب و کشائش کار و ترقی مقامات عرفان کی اگر تمنا ہے تو آستانہ حضرت مخدوم جہان کی حاضری[۲]

---

[۱] حیات ثبات غیر مطبوعہ صفحہ ۱۲ [۲] بعض ثقہ لوگوں کی زبانی اور تذکروں سے بھی یہ پتہ چلا ہے کہ حضرت مخدوم شاہ محمد بھیکھؒ کو احتراق خون کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ اور وہ ابتدا میں آستانہ عالیہ مخدوم الملک پر محض صحت کی خاطر حاضر ہوئے تھے (بقیہ دوسرے صفحہ پر)

ضروری ہے - غرض تعملاً لا ارشاد آپ آستانہ شریف پر حاضر ہوئے

اور محض سادہ زندگی بسر کرنے لگے - ایک تو مخدوم زادگی اس پر

دولت فقر سے مالا مال جہان کے جہان اور عالم کے عالم کا رجحان

ہوگیا خدام آستانہ اور حضرت حافظ درویش کی مجلسوں میں آپکے

مناقب و فضائل بیان ہونے لگے - اور بار بار سب کے دلوں میں

یہ بات آنے لگی کہ اس سجادگی کے لائق یہی ستودہ صفات ذات ہے

بات تو بنی بنائی تھی - خدام آستانہ علیا نے اس کو چھیڑا اور حافظ

درویش بلخی فردوسیؒ نے بجان و دل منظور کیا - آخر بالاتفاق

قطب عالم حضرت مخدوم شاہ محمد بھیکھ قدس سرہ کو حضرت مخدوم جہاں

کی سجادگی تفویض ہوئی -"

(بسلسلہ ماسبق) پھر یہاں ان کی بزرگی اور ریاضت کی وجہ سے لوگ متاثر ہوئے

اور چونکہ مخدوم الملک کے خاندان کے ایک فرد تھے - اس لئے شیدائیان مخدوم الملک کو

اس طرف کشش زیادہ ہوئی - اس مرجوعہ اور عوام کی خواہش کو دیکھ کر اور پھر اپنی عقیدت

او احترام کے باعث جو حضرت حافظ درویش بلخی فردوسیؒ کو حضرت مخدوم الملک اور ان کے

خاندان والوں سے تھا دہ رضا و رغبت سے خود ہی حضرت مخدوم شاہ محمد بھیکھ کو مسند سجادگی مخدوم

الملک پر بٹھا کر علحدہ ہو گئے - اس درمیان میں حضرت شاہ محمد بھیکھؒ اپنے مرض احتراق خون سے

شفایاب بھی ہو چکے تھے - (دردائی)

حضرت مخدوم شاہ محمد بھیکھ فردوسیؒ بڑے برگزیدہ بزرگ تھے۔ ترک
تعلقات دنیوی اور ہضم نفسی میں آپ حضرت مخدوم الملک کے نقش قدم پر تھے۔
مدت العمر ایک چھوٹی سی جھونپڑی بناکر آستانہ علیاہی پر پڑے رہے اور ہمہ دم عبادت
وریاضت اور رشد وہدایت میں مشغول رہتے۔ عرس شریف کے رسوم کو خانقاہ معظم میں
آکر انجام دیتے اور پھر آستانہ علیاہی پر اپنی جھونپڑی میں چلے جاتے۔

آپ پر حضرت مخدوم الملکؒ کا ادب اور احترام اتنا ملحوظ خاطر تھا کہ آپ نے
وصیت کر دی تھی کہ "میں حلقہ اول میں دفن نہ کیا جاؤں کیونکہ میں اس عزت کے
لائق نہیں ہوں۔" چنانچہ جب آپ کا وصال ہوا تو حسب ہدایت درگاہ شریف کے
حلقہ سوم میں مدفون ہوئے۔ آپ کا مزار اقدس شیخ صلاح الدین کی تعمیر کردہ دہلیز کے
متصل چبوترہ پر ہے۔

آپ کی زوجہ محترمہ حضرت مخدوم احمد چرمپوش کی اولاد میں سے تھیں۔
جن سے دو صاحبزادے ہوئے۔ حضرت شاہ لال جو لاولد رہے اور حضرت مخدوم
شاہ جلال قدس سرہ سلسلہ نسبی اور روحانی ان ہی سے چلا۔

فصل چہاردہم

حضرت مخدوم شاہ جلال فردوسی قدس اللہ سرہٗ

جلال الملت والدین حضرت مخدوم شاہ جلال فردوسیؒ حضرت مخدوم شاہ محمد بھیکھؒ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ بیعت کے علاوہ آپ کو علوم ظاہری اور باطنی کی تکمیل بھی اپنے والد ماجد ہی سے ہوئی تھی اور اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد آپ ہی مسند سجادگی پر بھی بیٹھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مخدوم احمد چرمپوشؒ کی اولاد میں سے تھیں۔ آپ اپنے والد ماجد ہی کی روش پر قائم رہے اور اپنا قیام بھی وہیں آستانہ مخدوم الملک پر ہی رکھا۔ اپنی وصیت کے مطابق آپ اپنے والد کے بغل میں درگاہ شریف کے حلقہ سوم میں مدفون ہوئے۔ وہیں پر آپ کے بڑے بھائی حضرت مخدوم شاہ لالؒ کا بھی مزار ہے۔ آپ کے حالات زندگی کتابوں میں نہیں ملتے۔

••

فصل پانزدہم

حضرت مخدوم شاہ اخوند فردوسی قدس اللہ سرہٗ

حضرت مخدوم شاہ اخوند فردوسیؒ حضرت مخدوم شاہ جلال کے صاحبزادے
اور خلیفہ تھے۔ اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد مسند سجادگی پر رونق افروز
ہوئے اور اپنے آبائی روش پر چلتے رہے۔ درگاہ شریف کے دوسرے حلقہ میں
ایک حجرہ حضرت مولانا مظفر بلخی فردوسیؒ کا ہے اس کے اور حضرت شیخ جلال الدین
کے تعمیر کردہ پھاٹک کے درمیان جو صندل دروازہ ہے وہ آپ ہی کے
زمانے میں تعمیر ہوا تھا اس دروازہ کے سنگی کتابہ میں پوری آیۃ الکرسی اور
فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم۔ نصر من اللہ فتح قریب، حسبی اللہ ونعم الوکیل
اور مندرجہ ذیل اشعار کندہ ہیں:؎

در شرف جہان قطب اقطاب　　　بہ ہندسنت قبلۂ ارباب حاجات

باین در ہر کہ آید نیک یا بد | زحق حاجت کہ خواہد نیک یا بد
ادیب خلوتش سید امین ست | ازیں روخازن دنیا و دین ست
بہ عہد شاہ عادل مظہر نور | کہ ظلم و کفر گشت از ہستیش دور
کجا اعلام عالی او بافراخت | شریعت مصطفےٰ معمور می ساخت
سلیمان جہان ثانی سلیماں | جمال اور کمال عدل احسان
زنہ صد ہفت ہفتاد رواں بود | بنشست ایں درج حسان ابن داؤد

آپ کا مزار مبارک حلقہ سوم کے اس چبوترہ پر ہے جو مشرقی وجنوبی گوشہ میں ہے۔

آپ نے سوری خاندان کا عروج وزوال دونوں دیکھا تھا۔ اور پھر مغل بادشاہوں کا بھی عہد دیکھا۔
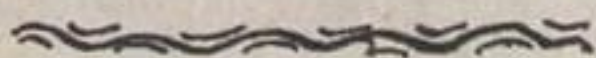
فصل شانزدہم

حضرت مخدوم شاہ محمد فردوسی قدس اللہ سرہٗ

حضرت مخدوم شاہ اخوند قدس اللہ سرہٗ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ محمد قدس اللہ سرہٗ سجادہ نشین ہوئے۔ حضرت مخدوم شاہ محمد فردوسیؒ نے علوم ظاہری اور باطنی کی تکمیل اپنے والد ماجد ہی سے حاصل کی تھی۔ اور برابر وہ اپنے بزرگوں کی روش پر قائم رہے۔

آپ کا مزار اقدس حضرت مخدوم شاہ اخوند فردوسیؒ کے بغل ہی میں ہے۔
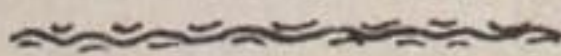
فصل ہفتدہم

حضرت مخدوم شاہ احمد فردوسی قدس اللہ سرہٗ

حضرت شاہ احمد فردوسی قدس اللہ سرہٗ حضرت مخدوم شاہ محمد فردوسیؒ کے صاحبزادے اور خلیفہ تھے۔ آپ نے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل اپنے والد ماجد سے ہی کی تھی اور ان کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ اور تمام عمر اپنے آبا و اجداد کی روش پر قائم رہکر رشد و ہدایت کا کام انجام دیتے رہے۔

اس وقت تک سب ہی سجادہ نشینان مخدوم الملک آستانہ شریف مخدوم الملکؒ ہی پر ایک جھونپڑی ہی میں قیام پذیر رہے۔ صرف مراسم عرس ادا کرنے کے لئے خانقاہ معظم میں تشریف لایا کرتے تھے۔ لیکن آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت مخدوم دیوان شاہ علی

فردوسی قدس اللہ سرہٗ نے خانقاہ معظم کو اپنے قیام کے لئے پسند کیا اور وہیں منتقل ہو گئے۔

وصال کے بعد آپ اپنے والد ماجد کے بغل ہی میں سپرد خاک کئے گئے۔

فصل ہیژدہم

حضرت مخدوم دیوان شاہ علی فردوسی قدس اللہ سرہٗ

حضرت مخدوم دیوان شاہ علی فردوسیؒ حضرت مخدوم شاہ احمد فردوسیؒ کے صاحبزادے اور خلیفہ تھے اور علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل بھی اپنے والد ماجد ہی سے کی تھی۔ اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور بہت سی باتوں میں اپنے آبا و اجداد کی روش سے ہٹ کر نیا راستہ قائم کیا۔

حضرت مخدوم شاہ محمد بھیکھؒ سے حضرت مخدوم شاہ احمد فردوسیؒ یعنی پانچ پشتوں تک سجادگان مخدوم الملک کا قیام آستانہ شریف ہی پر ایک جھونپڑی میں رہا کرتا تھا۔ لیکن آپ پہلے بزرگ ہیں جو آستانہ شریف سے منتقل ہو کر خانقاہ معظم میں مقیم ہوئے اور دینی و دنیوی دونوں حیثیت سے بڑا فروغ حاصل کیا۔ خانقاہ معظم کے اردگرد بہت سی عمارتیں بنوائیں۔ اور

بہت بڑا لنگر خانہ غربا اور آنے جانے والوں کے لئے جاری گیا۔ آپ کے قیام کی وجہ سے اس محلہ کا نام ہی محلہ شاہ علی (عرف محلہ خانقاہ) پڑ گیا۔

حضرت سید شاہ نجم الدین نجم فردوسی مدظلہٗ نے اپنی تصنیف حیات ثبات غیر مطبوعہ میں خانقاہ معظم میں منتقل ہونے کا واقعہ اس طرح لکھا ہے:۔

"حضرت[1] قطب العالم شاہ محمد بھیکھ قدس سرہ سے حضرت شاہ احمد قدس سرہٗ یعنی پانچ پشتوں تک ایسے شغف اور ایسے دلچسپ انداز پر درگاہ شریف میں قیام رہا کہ اُدھر کی شفقت و محبت اور اِدھر کی خدمت و سعادت روز بروز ترقی پذیر رہی آخر شفقت و سعادت کے منتہائے کمال نے عاشقی و معشوقی کے سربستہ راز کھول دئے کہ لا بعد بعد المحبت یعنی ظاہری جدائی کا کچھ اعتبار نہیں۔ محب وہیں ہے جہاں محبوب اور معشوق وہیں ہے جہاں عاشق صادق ہے۔ اب تم جہاں چاہو جا سکتے ہو اور جہاں چاہو رہ سکتے ہو۔"

اب حضرت مخدوم دیوان شاہ علی فردوسی رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی اور عبادت و ریاضت کی ایسی شہرت ہوئی کہ دور دور سے طالبانِ صادق فیض صحبت و بیعت کے لئے حاضر خدمت ہونے لگے۔ اور دیکھتے دیکھتے خلقت امنڈ پڑی۔ اکثر ارکان بارگاہ سلطانی بھی دہلی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور رشد و ہدایت سے

---

[1] حیات ثبات غیر مطبو قلمی صفحہ ۱۵

فیضیاب ہوکر واپس جاتے۔ سلطان دہلی کی طرف سے عرس اور لنگر خانہ کے اخراجات کے لئے مواضعات وجاگیرات نذریں ہوئیں۔

آپ کی شادی حضرت مخدوم شاہ نظام الدین شعیبی فردوسیؒ کی پوتی سے ہوئی تھی جن کا سلسلہ نسب بقول مولف حیات ثبات اس طرح ہے:۔

زوجہ مخدوم دیوان شاہ علی بنت شاہ جلال الدینؒ ابن بندگی شاہ فیروزؒ ابن شاہ نظام الدین ابن شاہ مظفرؒ ابن حضرت مخدوم شاہ شعیب فردوسی قدس اللہ اسرارہم۔"

آپ کے چھ صاحبزادے ہوئے جن میں سے اس وقت صرف دو صاحبزادوں کی نسل قائم ہے اور خاص بہار شریف اور اطراف بہار میں آباد ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کا نام حضرت مخدوم شاہ مصطفےٰؒ اور دوسرے کا حضرت مخدوم شاہ عبدالسلامؒ تھا۔ حضرت مخدوم شاہ مصطفےٰ بڑے تھے لیکن شروع ہی سے وارستہ مزاج تھے اور ان پر جذبی کیفیت طاری رہتی تھی اس لئے مسند سجادگی پر اپنے والد ماجد کے بعد نہ بیٹھے۔ چھوٹے حضرت مخدوم شاہ عبدالسلام سلوک میں بڑا مقام رکھتے تھے اور علوم ظاہری و باطنی سے ہر طرح آراستہ تھے۔ چنانچہ اپنے والد ماجد کے بعد بالاتفاق سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کا مزار اقدس تیسرے حلقہ میں ہے۔

فصل نہم

حضرت مخدوم شاہ عبدالسلام فردوسی قدس سرہٗ

حضرت مخدوم شاہ عبدالسلام فردوسیؒ حضرت مخدوم دیوان شاہ علیؒ کے صاحبزادے اور خلیفہ تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل اپنے والد ماجد ہی سے کی تھی۔ اور ان کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ خانقاہ معظم کے پرانے کاغذات اور فرامین کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ سنہ ۱۰۳۳ھ میں شہنشاہ جہانگیر نے موضع مصادپور بذریعہ فرمان آپ کی خدمت میں نذر پیش کیا تھا۔

آپ پہلے شخص ہیں جو وصال کے بعد احاطہ درگاہ میں مدفون ہوئے۔ ورنہ اب تک تمام سجادگان احاطہ درگاہ سے باہر تیسرے حلقے میں مدفون ہوتے رہے تھے۔

فصل بستم

حضرت مخدوم شاہ ذکی الدین فردوسی قدس اللہ سرہٗ

حضرت مخدوم شاہ ذکی الدین فردوسیؒ حضرت مخدوم عبدالسلام فردوسیؒ
کے صاحبزادے اور خلیفہ تھے اور علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل بھی اپنے والد ماجد
سے ہی کی تھی اور ان کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔

آپ کی بزرگی اور تبحر علمی کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت
مولانا عبدالغنی محدث بہاری فردوسیؒ شاگرد مولانا نور الحق محدث دہلوی نے آپ سے
بھی اکتساب علوم ظاہری و باطنی فرمایا اور آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔

آپ ہی کے زمانہ میں ۱۰۵۶ھ میں درگاہ شریف کے چوتھے حلقے میں
عیدگاہ اور اس کے پشت پر مخدوم تالاب حبیب خان سوری نے شہنشاہ
شاہجہاں کے ایما سے بنوایا تھا۔ عیدگاہ کے ممبر میں ایک سنگی کتابہ پر یہ اشعار

کندہ ہیں :۔

بدورِ شاہِ جہاں بادشاہ عدل گزیں | حبیب سورِ بنا کرد حوض شرف الدین
دعیدگاہ معلاش وفرش خشتی آں | بہ بست وساحت بعون خدا دریں دوراں
ہزار پنجہ وشش سال ہجرت آں سرور | کہ شد تمام بماہ صفر بخیر ظفر

آپ کا مزار اقدس درگاہ شریف کے پہلے حلقہ کی چوتھی صف میں ہے آپ کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ پہلی سے قطب المشائخ حضرت شاہ وجیہ الدین فردوسیؒ تھے۔ جن کے نام حضرت مخدوم ذکی الدینؒ اپنی زندگی ہی میں کل جائداد وحقوق درگاہ شریف بوجہ سعادت واہلیت وخدمت ہبہ کر دیا تھا۔ اور اپنا جانشین بھی بنا دیا تھا۔ جس کے لئے بعد میں علاتی بھائیوں کے درمیان کافی رنجش بھی ہو گئی تھی لیکن بخیر وخوبی طے ہو گیا۔

فصل بست ویکم

حضرت مخدوم شاہ وجیہہ الدین قدس اللہ سرہ

قطب المشائخ حضرت مخدوم شاہ وجیہہ الدین فردوسی قدس اللہ سرہ حضرت مخدوم شاہ ذکی الدینؒ کے صاحبزادے اور خلیفہ تھے اور اپنے والد کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔

آپ کے کئی علاتی بھائی بھی تھے لیکن آپ کے والد ماجد نے اپنی زندگی ہی میں اپنی تمام جائداد و حقوق درگاہ شریف کو آپ کے نام آپ کی سعادت اہلیت اور خدمت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہبہ کر دیا تھا۔ اور جانشینی کا مسئلہ بھی طے کر دیا تھا۔ لیکن حضرت مخدوم ذکی الدین فردوسیؒ کے وصال کے بعد آپ کے علاتی بھائیوں نے ترکہ پدری کا مطالبہ کیا اور سخت جنگ کی شکل پیدا ہو گئی۔ بالآخر اس وقت کے تمام مشائخ کرام نے ایک جگہ

جمع ہو کر اس قضیہ کا فیصلہ کیا اور قطب المشائخ حضرت مخدوم شاہ وجیہہ الدینؒ کو لائق فائق سمجھ کر اور حضرت مخدوم ذکی الدین فردوسی کے ہبہ نامہ کا احترام ملحوظ خاطر رکھ کر پوری جائداد آپ ہی کے قبضہ میں رہنا پسند کیا۔ اور سجادہ نشینی بھی آپ ہی کے لئے زیبا و مناسب سمجھا۔ اور اس فیصلہ کا ایک محضر نامہ سب مشائخ کی دستخط سے مزین کر کے حوالہ کیا گیا۔ وہ محضر نامہ میری نظر سے نہیں گذرا۔ لیکن انداز ہے کہ مشائخ نے تمامی جائداد کا متولی حضرت مخدوم شاہ وجیہہ الدینؒ کو بنا کر عرس کے اخراجات کے علاوہ تمام اہل خاندان کی پرورش و پرداخت کے شایان شان اخراجات کی ہدایت بھی اس میں ضروری ہوگی۔

قطب المشائخ حضرت مخدوم شاہ وجیہہ الدین کی بیعت حضرت شاہ عبدالباری رکن الحق والدین شطاری فردوسی جندھوی کے دست مبارک پر ہوئی تھی۔ اور تعلیم و تربیت کی تکمیل کے بعد آپ کو سلاسل قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، زاہدیہ، شطاریہ کی بھی اجازت و خلافت مل گئی تھی۔

آپ کے زمانے میں سلطان فرخ سیر نے کئی مواضعات عرس مخدوم الملکؒ اور خانقاہ کے اخراجات کے لئے نذر کئے تھے۔

شاہزادہ عظیم الشان کو بھی آپ سے بے حد عقیدت تھی۔ چنانچہ

جب شاہزادہ موصوف بہار کے گورنر تھے تو غالباً ۱۱۱۴ھ سے کچھ پیشتر آستانہ حضرت مخدوم الملک پر حاضر ہو کر آپ سے شرف ملاقات بھی حاصل کیا تھا۔ اور اپنے مصارف خاص سے حضرت مولانا مظفر بلخیؒ کے حجرہ مبارک کی تعمیر نئے سرے سے کرائی اور حکم دیا کہ عید الفطر اور عید الضحیٰ کے موقع پر پر تکلف طعامداری کا انتظام کیا جائے۔ یہ پر تکلف طعامداری اور مٹھائیوں کی تقسیم کا سلسلہ اسلامی دور تک برابر جاری رہا۔

آپ کی سجادگی کے زمانے میں حضرت مخدوم الملک کا عرس بہت اہتمام اور بلند ہمتی سے ہوتا تھا۔ حضرت ابو الفیاض جونپوری قدس اللہ سرہٗ کی تصنیف گنج ارشدی کے حوالہ سے حضرت سید شاہ نجم الدین نجم فردوسی مدظلہٗ نے حیات ثبات (غیر مطبوعہ) میں اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔[1]

"فرزندان او محترم و بحرم اند و عرس شریف وے می نمانند۔ روشنی فانوسہا از خانقاہ متبرک وے تا روضہ مبارک وے می نمانند۔ قریب یادگر وہ خواہد بود۔ مرتب احقر نیز در ۱۱۳۹ھ یک ہزار و یک صد و سی و نہ در شب عرس متبرک حاضر گشتہ روشنی را دیدہ و آب نیز بہ موافقت بزرگان از چاہ ہمراہ فرزندان ایشان آوردہ در آوند انداختہ کہ از ان آب طعام می پزند و در عرس مردمان کہ حسب استدعا می روند یابند۔"

---

[1] حیات ثبات غیر مطبوعہ صفحہ ۲۰ بحوالہ گنج ارشدی مولفہ حضرت ابو الفیاض جونپوری

اس وقت حضرت قطب المشائخ کے پاس حضرت مخدوم الملکؒ کے تبرکات میں سے صرف تین چیزیں تھیں۔ مولف حیات ثبات نے اس بارے میں گنج ارشدی کی عبارت اس طرح نقل کی ہے :-

"بخانہ میاں شاہ وجیہہ الدین کہ از فرزندان حضرت مخدوم اند مصحف بدست خاص مخدوم جہان وجبہ و دستار حضرت ایشان ست چنانچہ مرتب ہم بزیارت سعادت رسیدہ حجرہ در صحن خانقاہ مخدوم جہاں و والدۂ ایشان است زیارت گاہ خلائق است مرتب ہم بزیارت مستفید گشت ۔"[1]

نیز دوسرے تبرکات کے بارے میں جن سے ہم لوگ آج کل شرف اندوز ہوتے ہیں - مرتب گنج ارشدی تحریر فرماتے ہیں :-

"و قرآن خط خاص مخدوم جہان و دستار و جبہ حضرت شیخ نجیب الدین فردوسیؒ و مقراض و دوات و تنگہ و تسبیح کہ بحضرت مخدوم جہان شاہ مظفر دادہ بودند بایشان رسید بخانہ میاں شاہ ملتان بلخی یکے از فرزندان حضرت حسین معز بن شمس بلخی ست مزار و مطاف خاص و عام اند و مرتب احقر باین سعادت رسیدہ واشیائے خرورہ را بوسیدہ و بردیدہ مالیدہ۔"[2]

اس وقت تقریباً حضرت مخدوم الملکؒ کے سارے تبرکات سجادگان

---

[1] حیات ثبات غیر مطبوعہ صفحہ ۲۰ [2] حیات ثبات غیر مطبوعہ صفحہ ۲۰

خانقاہ مخدوم الملک کے قبضہ میں ہیں اس کے سبب پر روشنی ڈالتے ہوئے مولف حیات ثبات (غیر مطبوعہ) لکھتے ہیں :-

"ادھر[1] ایک مدت دراز سے کل تبرکات حضرت مخدوم جہان سجادگان خاندان مخدوم جہان کے قبضہ میں جو آرہے ہیں اس کا سبب غالباً یہی ہے کہ حضرت قطب المشائخ اور حضرت ملتان بلخی دونوں حضرت عبدالباری رکن الحق والدین قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ یہ قرین قیاس ہے کہ اتحاد ہمرنگی و ہم مشربی کے باعث حضرت ملتان بلخیؒ نے اپنے یہاں کے سارے تبرکات قطب المشائخ کو تفویض فرمائے ہوں ۔"

حضرت مخدوم شاہ وجیہہ الدینؒ کے معاصرین میں حضرت فتح محمد (از فرزندان مخدوم احمد چرمپوش) حضرت حسام الدین (از فرزندان مخدوم طویلہ بخش) حضرت فیض اللہؒ سجادہ نشین حضرت داؤد قریشی ، حضرت میر محمد اسلم خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

حضرت مخدوم شاہ وجیہہ الدین کی چھ شادیاں ہوئی تھیں جن سے بارہ فرزندان ہوئے ۔ محل اول بی بی آمنہ (عظیم آباد) اور محل دوم بی بی مخدومہ بنت شیخ فریدون بن شیخ عبدالرحمٰن (موضع جوا فر بہا شریف) کے بطن سے چار فرزندان شاہ محمد بزرگؒ ، شاہ علی خورد ، شاہ علاؤ الدینؒ

[1] حیات ثبات (غیر مطبوعہ) صفحہ ۲۱

اور شاہ بدیع الدینؒ ہوئے جو سلسلہ وار سجادہ نشین ہوئے ان میں سے صرف حضرت شاہ بدیع الدینؒ کا سلسلہ نسبی قائم رہا بقیہ تین بھائیوں کا منقطع ہو گیا۔ یہ چاروں بھائی حضرت قطب المشائخ کے مرید و خلیفہ تھے اور اپنے والد ماجد ہی سے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کی تھی۔

ان چاروں میں حضرت شاہ محمد بزرگؒ بڑے تھے۔ جو اپنے والد کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد انتقال فرما گئے آپ کی رحلت کے بعد آپ کے دوسرے بھائی حضرت شاہ علیؒ سجادہ نشین ہوئے مگر آپ کا بھی وصال بہت جلد ہو گیا پھر تیسرے بھائی حضرت شاہ علاؤالدینؒ سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کی حیات نے بھی وفا نہ کی۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے چوتھے بھائی حضرت شاہ بدیع الدینؒ سجادہ نشین ہوئے اور آپ ہی سے سلسلہ قائم رہا۔

فصل بست و دوم

حضرت مخدوم شاہ بدیع الدین فردوسیؒ

حضرت مخدوم شاہ بدیع الدین فردوسی قدس اللہ سرہٗ حضرت قطب المشائخ شاہ وجیہ الدینؒ کے چوتھے فرزند ہیں اور اپنے تیسرے بھائیؒ کے وصال کے بعد اپنے والد ماجد کے سجادہ خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کے آٹھ علاتی بھائی بھی تھے۔ جن میں بعض نے جائداد پر دعوے پیش کئے اور قوت پاکر متصرف بھی ہو گئے۔ آپ خاموش رہے اور متصرف رہنے دیا۔ لیکن جب ان لوگوں نے سجادگی پر بھی دعویٰ کیا تو بات حد سے زیادہ بڑھ گئی اور آویزش کی صورت پیدا ہو گئی۔ مجبور ہو کر حضرت شاہ بدیع الدین فردوسیؒ نے وہ دستخطی اور مہر کردہ محضر نامہ جو باجماع مشائخ صوبہ بہار آپ کے والد ماجد کے وقت میں مرتب ہوا تھا تمام مشائخ کے روبرو پیش کیا اور قضیہ کا فیصلہ چاہا۔

مشائخ نے جمع ہو کر بالاتفاق سجادگی پر آپ ہی کو برقرار رکھا اور ساری جائداد پر آپ کا قبضہ قاضی وقت سے دلوادیا اور ایک محضر نامہ نئے سرے سے ان مشائخ نے مرتب کر کے اپنے دستخط ثبت کر کے آپ کے حوالہ کیا۔ اس کے بعد کام بہت ہموار اور خوش اسلوبی سے انجام پذیر ہونے لگا۔

جامع سیر المتاخرین نے آپ کا ذکر کیا ہے لیکن اس قدر مختصر لفظوں میں کہ تعجب ہوتا ہے۔ حضرت مخدوم شاہ بدیع الدین کا تذکرہ ہرگز اس قدر سرسری طور پر کرنا مناسب نہ تھا۔ اور بھی کسی کتاب میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔

حضرت مخدوم شاہ بدیع الدین فردوسیؒ کے معاصرین مشائخ میں حضرت وجہ اللہ چشتی سجادہ نشین تکیہ بہار، حضرت محمود شطاری جندھویؒ، حضرت سیف اللہ شبلیؒ حضرت محمد ماہ شیبیؒ سجادہ نشین خانقاہ شیخپورہ، حضرت نجم الدین سہروردی قدس اللہ اسرارہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سنہ ۱۱۵۰ھ میں راجگیر شریف کا حجرہ آپ ہی کے عہد میں پختہ بنوایا گیا۔

حضرت مخدوم شاہ بدیع الدین فردوسیؒ کی شادی حضرت شاہ مجیب اللہ جندھوی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جن کے بطن سے ایک فرزند حضرت مخدوم شاہ علیم الدین درویشؒ اور ایک بیٹی ہوئیں۔ لڑکی کی شادی حضرت شاہ فخر محمدؒ سے ہوئی تھی۔

فصل بست وسوم

حضرت مخدوم شاہ علیم الدین درویش فردوسی قدس اللہ سرہ

حضرت مخدوم شاہ علیم الدین درویش فردوسیؒ حضرت مخدوم شاہ بدیع الدین فردوسیؒ کے فرزند تھے۔ آپ کو بعیت حضرت شاہ محمد شفیع شطاری سے حاصل تھی۔ اور حضرت شاہ محمد شفیع شطاریؒ حضرت شاہ رکن الحق والدین جندھویؒ کے پرناتی اور مرید تھے۔ حضرت شاہ محمد جعفر فردوسیؒ[1] نے شجرات خمسہ کے نام سے پانچ شجرے معہ مناجات نظم فرمایا ہے۔ جن میں سے ایک شجرہ کے چند اشعار سے

---

[1] سید شاہ محمد جعفر حسین فردوسی ابن سید شاہ ولایت علی ابن سید شاہ سلامت علی ابن سید شاہ افضل علی قدس اللہ اسرارہم حضرت جناب حضور سید شاہ امین احمد فردوسی کے حقیقی بہنوئی تھے۔ آپ کی شادی حضرت سید شاہ امیرالدین احمد قدس اللہ سرہ کی چھوٹی صاحبزادی بی بی مہرالنساء سے ہوئی تھی۔ آپ کو بعیت بھی حضرت سید شاہ امیرالدین احمد ہی سے حاصل تھی۔

حضرت شاہ علیم الدین درویشؒ کے شجرہ بیعت پر روشنی پڑتی ہے وہو ہذا :-

از بہر ولی باکرامت	شاہ دو جہان شہ سلامت
از بہر جناب شاہ واجد	کو بر در حق بماند ساجد
از بہر سراج حق کہ بو دست	از جام شراب عشق سرمست
از بہر جناب شاہ افضل	کہ بود ولی و پیر اکمل

بسلسلہ ماسبق

آپ علوم ظاہری اور باطنی دونوں سے آراستہ تھے اور اپنے کسب ریاضت مجاہدہ سے راہ طریقت وسلوک میں بہت بلند مقام حاصل کیا تھا۔ آپ کو خلافت واجازت اپنے والد ماجد شاہ ولایت علیؒ کے علاوہ اپنے مرشد اور خسر سید شاہ امیر الدین احمدؒ سے بھی حاصل تھی۔ آپ کی دو تصانیف (۱) اشجار خمس (۲) اور گلزار سلاسل فن تصوف میں بہت اہم ہیں۔ یہ دونوں فارسی زبان میں ہیں اور مطبوعہ ہیں لیکن اب نایاب ہیں۔ شجرات خمس کا نمونہ اوپر شاہ علیم الدین درویش کے شجرہ بیعت کے سلسلہ میں مندرج ہے۔ گلزار سلاسل کے ابتدائی چند اشعار جو حمد ونعت میں ہیں یادداشت کے سہارے درج ذیل ہیں :-

نخستیں نویسم ثنائے خدا	کہ ہست آفرینندہ دوسرا
کریمے کہ باخلق روزی رسانست	رحیمے کہ بخشندہ عاصیانست
سرائم پسش نعت خیر الورے	شفیع الامم خاتم الانبیا
رسولے کہ لولاک در شان اوست	نبیے کہ جبریل دربان اوست
رسانم ہزاران درود وسلام	بہ آل واصحاب خیر الانام

از بہر علم دین کہ گاہے — سرزد نہ شدہ ازو گناہے
از بہر شفیع پیر ارشاد — در خلد بریں مقام او باد
از بہر کہ آں زفضل معبود — رکن دنیا و رکن دین بود

(حیات ثبات غیر مطبوعہ صعہ ۲۳)

حضرت مخدوم شاہ علیم الدین درویشؒ کی والدہ ماجدہ حضرت شاہ

الہٰی بحق
خصوصاً بہ صدیق یار رسول — عمر ابن خطاب اہل قبول
خردمند عثمان صاحب حیا — علی وصی رسول خدا
حسین وحسن سبطگان رسول — جگر گوشگان جناب بتول
الہٰی بحق شہ مرسلان — بہ ایمان وتو بہ روم ازجہاں

آپ کے سات بیٹے (۱) سید شاہ محامد حسینؒ (۲) سید شاہ یاور حسینؒ (۳) سید شاہ امیر حسنؒ (۴) سید شاہ نظیر حسنؒ (۵) سید شاہ نجم الحسنؒ (۶) سید شاہ عزیز حسنؒ (۷) اور پانچ بیٹیاں تھیں جن میں ایک صغر سنی میں انتقال کر گئیں اور بقیہ چار کے نام یہ ہیں۔ (۱) بی بی اثیما (۲) بی بی فریدن (۳) بی بی فلیحن (۴) بی بی بلاقن رحمہا اللہ۔ بیٹوں میں سے پانچ کا نوجوانی میں انتقال ہوا۔ ان لوگوں کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ صرف دو لڑکے سید شاہ محامد حسینؒ اور سید شاہ یاور حسینؒ بیاہے گئے اور صاحب اولاد ہوئے۔ لیکن اس وقت نسل صرف ایک کی بقید حیات ہے۔ سید شاہ محامد حسین صاحب کی شادی اوگانواں شیخ غلام حسین صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جن سے

مجیب اللہ جندھوی کی صاحبزادی تھیں۔ ماں کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب قاضیین شطار قدس اللہ سرہٗ سے اس طرح ملتا ہے :-

---

(بسلسلہ ماسبق) تین بیٹے (۱) سید شاہ محمد یوسف مرحوم (۲) سید شاہ محمد یونس مرحوم (۳) سید شاہ محمد عیسیٰ مرحوم ہوئے۔ محمد یوسف مرحوم میڈیکل کالج کلکتہ میں پڑھ رہے تھے کہ عالم نوجوانی میں ۱۹۰۸ء میں قضا کر گئے۔ محمد یونس مرحوم نے انگریزی تعلیم انٹرنس تک حاصل کی اور بصیغہ نظارت ملازم تھے۔ شاعری کا بہت پاکیزہ مذاق رکھتے تھے اور اپنے دور کے ممتاز شعرا میں تھے۔ یونسؔ تخلص کرتے تھے۔ جناب احقرؔ بہاری سے تلمذ تھا :-

یونسؔ، احقرؔ جو نہیں سرد ہے بازار سخن
مال مطلب کا نہ پایا تو خریدار چلے

آپ کے اشعار کا بہت کافی ذخیرہ موجود ہے۔ لیکن اس جگہ اس کی گنجائش نہیں صرف تین اشعار جو اس وقت یاد آگئے ہیں، درج ذیل ہیں :-

کیا پوچھتے ہو حال دل زار جاؤ بھی — سب کو خبر ہے ایک تم ہی کو خبر نہیں
دل زار ضبط سے تو شب ہجر کام لینا — جو غم صنم ستائے تو خدا کا نام لینا
شب وصل کی وہ باتیں مجھے یاد ہیں وہ گھاتیں — کبھی تن کے روٹھ جانا کبھی من کے جام لینا

آپ کی پہلی شادی چچازاد بہن شاہ یاور حسین صاحب کی لڑکی بی بی کنیز فاطمہ سے ہوئی تھی۔ دوسری شادی وارد غلام امام صاحب ساکن تکیہ بہار شریف کی صاحبزادی بی بی خدیجہ سے ہوئی تھی۔ اولاد دونوں سے ہوئی۔ لیکن زندہ ایک بھی نہ رہی۔

"والدہ شاہ علیم الدینؒ بنت شاہ مجیب اللہ جندھویؒ بن حضرت شاہ غلام مجتبیٰ عرف شاہ سیر بن شاہ نجم الدین بن شاہ طیفور بن حضرت شاہ منور بن حضرت شاہ منصور بن حضرت عبدالرحمٰن بن حضرت قاضین شطار قدس اللہ اسرارہم"

(بسلسلہ ماسبق) سید شاہ محمد عیسیٰ مرحوم کا عالم نوجوانی میں انتقال ہوا۔

دوسرے صاحبزادے سید شاہ یاور حسین صاحبؒ کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی محمد عنایت خان صاحب بکری برانواں ضلع گیا کی صاحبزادی سے ہوئی۔ دوسری شادی مولوی سید امیر حسن صاحب ہڈ مولوی پٹنہ سیٹی اسکول کی صاحبزادی سے ہوئی۔ جن سے تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں۔ بڑی لڑکی کی شادی سید شاہ نصیر الدین صاحب جگر حقیقی پھوپھی زاد بھائی سے ہوئی۔ دو لڑکیاں غیر شادی شدہ انتقال کر گئیں۔ تین لڑکوں میں سے دو لڑکوں کا عالم نوجوانی میں انتقال ہو گیا۔ صرف ایک صاحبزادے سید شاہ احمد حسین صاحب بفضلہ بقید حیات ہیں۔

سید شاہ جعفر حسین قدس سرہٗ کی چار لڑکیوں میں سے دو کی اولاد زندہ نہیں ہیں۔ بقیہ منجھلی بی بی فریدن صاحبہ کی شادی براڈیہہ راقم السطور کے حقیقی نانا شیخ عبدالرحمٰن عرف چاما مرحوم سے ہوئی تھی۔ جن سے ایک صاحبزادے سید کلیم الرحمٰن باراپٹ لا عالم نوجوانی میں ایک لڑکا سید ولی الرحمٰن مرحوم اور لڑکی بی بی آمنہ مرحومہ کو چھوڑ کر انتقال کیا۔ اور دو لڑکیاں بی بی انیس الفاطمہ (راقم السطور کی والدہ ماجدہ) مرحومہ اور بی بی خدیجۃ الکبریٰ (جن کی شادی سید عبدالمجید صاحب نورہ سے ہوئی تھی) تھیں

آپ کی بزرگی اور زہد و ریاضت کے باعث امرا و سلاطین وقت آپ کے حد درجہ معتقد تھے۔ والی مرشد آباد نواب میر جعفر خان اور خود حضرت بادشاہ غازی شاہ عالم ثانی خانقاہ مخدوم الملک میں اکثر آپ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے اور اکثر مواضعات و جاگیریں آستانہ مخدوم جہان کے اخراجات کے لئے نذر کی تھیں۔

سنہ ۱۱۷۱ھ میں نواب میر جعفر خان آستانہ علیا پر حاضر ہوئے تھے، تو مندرجہ ذیل اشیاء نقرئی و طلائی حضرت مخدوم جہان کے روضہ پر نذر کیا تھا

(۱) مزار اقدس کے لئے منقش کٹہرا نقرئی۔

(۲) چارچوب نقرئی

(۳) شامیانہ زریں

(بسلسلہ ماسبق) سب سے چھوٹی بیٹی بی بی بلاقن مرحومہ کی شادی پٹنہ سیٹی حکیم ظہیر الدین صاحب مرحوم سے ہوئی تھی۔ جن سے صرف ایک صاحبزادے سید شاہ نصیر الدین صاحب جگر بفضلہ بقید حیات ہیں اور صاحب سلسلہ کے ساتھ شعر و سخن کا بھی بہت اچھا مذاق رکھتے ہیں۔ اتفاق سے انکا ایک شعر اس وقت یاد آ گیا وہ نمونتہً درج ہے: ؎

شمع کے دم سے ہے اس بزم کی ساری رونق — ختم ہو جائے گا افسانہ سحر ہونے تک

آپ کی شادی سید شاہ یاور حسین صاحب کی صاحبزادی بی بی بارکہ سے ہوئی تھی جن سے ایک لڑکا سید شاہ ظفیر الدین صاحب بقید حیات ہیں ۔ ؎ حیات ثبات (غیر مطبوعہ) صفحہ ۲۴

(۴) چوکی (۵) بخور سوز نقرئی منقش

(٦) شمعدان منقش نقرئی (۷) مورچھل نقرئی

(۸) چار رنگ فرش کلاں نقرئی منقش (۹) چار رنگ منقش نقرئی

اسی زمانہ میں مہاراجہ شتاب رائے اور مہاراجہ کلیان سنگھ بھی اکثر حضرت مخدوم الملکؒ کے عرس مبارک میں شریک ہوا کرتے اور فقرا و مساکین و خدام آستانہ کو نقد و جنس تقسیم کرتے تھے۔ آپکے نام اکثر فرامین جو سلاطین دہلی سے بسلسلہ جاگیرات موصول ہوئے ہیں وہ خانقاہ معظم میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے ایک فرمان حضرت سید شاہ نجم الدین نجم صاحب فردوسی مدظلہ نے اپنی تصنیف حیات ثبات (غیر مطبوعہ) میں نقل کیا ہے اس کے حوالہ سے یہاں درج ذیل ہے:۔

"متصدیان مہمات حال و استقبال پرگنہ ہیسوک سرکار صوبہ بہار بدانند کہ چوں برطبق فرمان والاشان واجب الاذعان مسطور نیست۔ یکم شہر رمضان المبارک موضع مظفرپور وغیرہ از پرگنہ مذکور کہ دو ہزار یک صد وسی و دو روپیہ حاصل آن ست من ابتدائے ربیع مطابق ضمن در وجہ درگاہ مخدوم الملک عوض وکالت نامہ بنام حقائق و معارف آگاہ سید علیم الدین درویش با فرزندان مقرر گشتہ باید کہ مواضعات[1]

---

[1] حیات ثبات (غیر مطبوعہ) صفحہ ۲۵

مذکورہ من ابتدائے مسطور بر وفق فرمان والاشان نسلاً بعد نسل و بطناً

بعد بطنٍ خالداً و مخلداً در وجہ نیاز درگاہ مخدوم عوض وکالت نامہ

بنام مشارٌالیہ با فرزندان مقرر دانستہ بتصرف او و فرزندانش وا

گزارند۔ و از ضوادم تغیر و تبدل مصئون و محروس اعتبار نمودہ

بعلت پیش کش صوبہ داری و فوجداری و مال وجہات و اخراجات

مثل قلعہ و محصلانہ و داروغانہ و شکار و بیگار و دہ نیمی مقدمی صدوری

قانون گوئی مزاحم و معترض نشوند و از جمع عوارض معاف و مرفوع القلم

شناسد۔ دریں باب تاکید اکید دانستہ ہر سال سند مجدد نہ طلبند۔

تاریخ دہم ذی قعدہ سنہ ۵ جلوس قلمی شد۔"

ایک موقع پر اسی شاہ عالم بادشاہ غازی نے اپنے ایک خاص مکتوب میں ناصر

الملک منصور الدولہ مسٹر جوزف جیکل بہادر شہامت جنگ کو حضرت مخدوم

شاہ علیم الدین درویش رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مراعات خاص اور عزت و تکریم کی ہدایت

کی ہے۔ وہ خط بھی خانقاہ معظم میں محفوظ ہے جو درج ذیل ہے:۔

"امارت و ایالت مرتبت فدوی خاص دولت خواہ بلا اشتباہ

لائق العنایت والاحسان بغایات بلا نہایات معزز و مباہی بودہ

بدانند۔ سابق ازیں پیشگاہ خلافت و جہان بانی دوشالہ مالتی و دستار

سجادہ نشینی بہ حقائق و معارف آگاہ زبدۃ العارفین سید علیم الدین بہاری

مرحمت شدہ بود۔ دریںولا فرمان والاشان کرامت عنوان بابت وراثت ملکیت وغیرہ متروکہ مغفرت پناہ شاہ علی بزرگ علیہ الرضوان وکالت روضہ متبرکہ مخدوم الملک شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ ومکان ہائے نذر ونیاز درگاہ قدوۃ السالکین مخدوم الملک بنام سید موصوف شرف اصدار می یابد باید کہ آں فدوی خاص گفتہ احدے را درحق معارف آگاہ مسطور مسموع نہ ساختہ دربرامور ممد ومعاون باشند کہ ایں معنی موجب خوشنودی خاطر مقدس است دریں باب از پیش گاہ حضور ساطع النور تاکید اکید پنداشتہ موافق مرقوم تعمیل آرند ومابدولت واقبال را متوجہ احوال خیریت اشتمال خود دانند۔"

آپ کی تین شادیاں ہوئی تھیں۔ پہلی سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ دوسری سے صرف ایک لڑکی بی بی مریم تھیں۔ تیسری بیوی سیدہ جعفرہ بنت سید منور علیؒ سے حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ پیدا ہوئے۔ جو اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔

۲۸ ذیقعدہ کو آپ نے رحلت فرمائی۔ آپ کی وفات کا واقعہ حضرت سید شاہ نجم الدین فردوسیؒ نے اپنی تصنیف حیات ثبات میں اس طرح لکھا ہے "جب[1] آپ کی علالت بہت نازک ہوئی تو علاج کے خیال سے عظیم آباد

---

[1] حیات ثبات صفحہ ۲۷

چلنے کی صلاح ٹھہری اور اہل و عیال کی منظوری سے باہتمام بلیغ، آپ روانہ ہوئے۔

عظیم آباد کی روانگی کے وقت آپ کے اقوال و افعال سے کچھ ایسے انداز نمایاں ہوئے جن سے متعلقین اور وابستگان نے آخر وقت سمجھا مگر خاموش رہے۔ اور طوعاً و کرہاً روانہ کیا۔ جب چنڈاسی میں آپ کی سواری پہنچی تو آپ نے دریافت کیا یہ کس کا موضع ہے ہمرکابوں نے عرض کی یہ سرکاری موضع ہے۔ حکم ہوا دو پاسبان کو بلاؤ۔ جب پاسبان آئے۔ ان کو حکم ہوا کہ دو اینٹ لاؤ۔ جب اینٹیں آگئیں تو دونوں کو اکٹھا رکھ کر فرمایا دیکھو وقت آخر ہے اب ہم جاتے ہیں۔ ہماری لاش کو حضرت مخدوم جہاں کے آستانہ میں لے جا کر دفن کرنا۔ اور اس اینٹ کو محفوظ رکھنا۔ یہاں پر کوئی نشان بنا دینا۔ جس کو ہم سے کچھ حاجت ہو گی وہ یہاں آکر مانگے اور جس کو صرف زیارت کی تمنا ہو وہ بہار جائے۔ یہ فرما کر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہوئے چادر اوڑھ لی اور جان بجانانہ پیوست

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۝

حجاب چہرۂ جاں می شود غبار تنم
خوشا دمے کہ ازیں چہرہ پردہ بر فگنم

فصل بست و چہارم

حضرت مخدوم شاہ ولی اللہ فردوسی قدس اللہ سرہٗ

حضرت مخدوم شاہ ولی اللہ فردوسیؒ حضرت مخدوم شاہ علیم الدین درویش کے فرزند تھے ۔ آپ کی والدہ سیدہ جعفرہ بنت سید شاہ منور علی حضرت شاہ علیم الدین کی تیسری بیوی تھیں ۔ حضرت سید شاہ علیم الدین درویش کو پہلی دو بیویوں سے کوئی اولاد نرینہ نہ ہوئی تو سب لوگوں کو بڑی تشویش اور فکر دامن گیر ہوئی ۔ خود حضرت شاہ علیم الدین درویشؒ بھی بہت مغموم رہا کرتے تھے ۔ آخر لوگوں کی رائے ہوئی کہ تیسری شادی کی جائے چنانچہ تیسری شادی آپ نے سیدہ جعفرہ سے کی ۔ کچھ عرصہ تک ان سے بھی اولاد نہ ہوئی ۔ تو انہوں نے اپنا داغ نہانی اپنے قلبی دوست حضرت شاہ احسان اللہ چشتی نظامی چاندپوری سے ظاہر کیا ۔ شاہ احسان اللہ

بہت زیادہ متاثر ہوئے اور ایک منقبت حضرت مخدوم الملکؒ کی شان میں لکھ کر کچھ شیرینی اور پھول وغیرہ لے کر آستانہ علیا پر حاضر ہوئے۔ اور فاتحہ کے بعد نہایت رقت سے اپنی منقبت کو پڑھا اور اپنے دوست کی مراد برآری کیلئے دعا مانگی۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی سن لی اور کبر سنی میں حضرت مخدوم شاہ علیم الدین کو حضرت شاہ ولی اللہ پیدا ہوئے۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل اور وہ منقبت خاندان مخدوم الملکؒ کے سفینہ یادداشت میں محفوظ ہے۔ جسے ۱۹۴۷ء میں ہم نے اپنی تصنیف "بہار اور اردو شاعری" میں نقل کیا تھا اور اس وقت بھی حیات ثبات کے حوالہ سے درج ذیل ہے:۔

"می آرند کہ حضرت شاہ علیم الدین فردوسی را کسے از اولاد ذکور نہ بود۔ عمرش کثیر چوں فلک پیر دموئیش سفید شال خورشید می دید روزے داغ نہانی وغم پنہانی فرزند بقائے نام ونشانی بر شاہ احسان اللہ چشتیؒ آشکارا کرد ازاں کہ میان این دو بزرگوار مودت ومحبت بے نہایت بود۔ وے حضرت مسند سجادگی صاحب الولایت از خلف رشید و اولاد سعید خالی دیدن نمی توانست حسرت ہا خورد وپس مشورہ قائم کرد وہم چناں ساز کرد تا روزے حضرت شاہ علیم الدین را باخوان چادر وشیرینی وگلہا بخور رہا از خانقاہ حضرت مخدوم جہان

---

[۱] حیات ثبات (غیر مطبوعہ) صفحہ ۲۸

ہمراہ گرفتہ است وخراماں واشک ریزاں وایں منقبت در حال
خواناں تا بارگاہ مخدوم جہاں رسیدہ اند وماہ وجب گردانیدہ خود بمواجہ
مزار شریف مراقب شدہ است وشب دراں جا گزرانیدہ آخر بشارت
یافتہ است برائے پسر ذی جاہ وہم چناں بوقوع آمدہ کہ حضرت شاہ
ولی اللہ محبوب ترین فرزندان مخدوم جہان پناہ چوں ماہ نیمہ ماہ ظاہر شد
الحمد للہ علیٰ ذالک۔ سبحان اللہ ایں چہ آداب طریقت است کہ عرض
مخدوم بہ مخدوم رسانیدہ وبہ آداب لحاظ صاحب ولایت قصہ آنجا
بہ دیگرے نہ گزرانیدہ تو گوئی قضیہ شیخ نزد شیخ فیصل کنانیدہ رحمۃ اللہ
علیہ رحمۃ واسعۃ"ؔ

"منقبت کہ شاہ احسان اللہ اندر راہ ارشاد فرمود"

یا شرف دین تجھ شرف سے جملہ عالم پر شرف
جملہ عالم پر شرف ہے تجھ شرف سے ہر طرف
ظلم کرنا چاہتا ہے حاسد ناداں حرف

مشکلیں آساں کرو میری پے شاہ نجف

ایک تو میں ہوں اکیلا دوسرے سنسان ہے
تس اوپران حاسدوں کے واہ کا گھمسان ہے
تم کرو آباد اس جنگل کو جو ویران ہے

مشکلیں آسان کرو میری پے شاہ نجف

سگ میں ہوں در کا تمہارے اپنا جھوٹا دو مدام
مت کھلاؤ تم کبھی ناپاک کے گھر کا طعام
گرچہ سختی ہو مجھے پر دور رکھواز حرام
مشکلیں آسان کرو میری پے شاہ نجف

جو مرادیں تھیں مری سب تم نے برلایا شتاب
شاد ہیں سب دوست میرے اور ہیں دشمن کباب
آرزو اک اور میں رکھتا ہوں اے عالی جناب
مشکلیں آسان کرو میری پے شاہ نجف

وہ مراد اب دل کی میری زود تم حاصل کرو
حاسد بد خواہ کی باتوں کے تئیں باطل کرو
دین اور دنیا میں تم مجھ پر اک نظر کامل کرو
مشکلیں آسان کرو میری پے شاہ نجف

یا شرف دین تجھ ستی رکھتا ہوں میں یہ التجا
شاہ علیم الدین کو دے تو اک پسر بہر خدا
ورنہ چنگل میرا اور دامن ترا روز جزا
مشکلیں آسان کرو میری پے شاہ نجف

سال ہجری گیارہ سو اسی اور اس پر پانچ ہے ۱۱۸۵ھ
یہ حکایت بولتا ہوں تم سنو سب سانچ ہے
لگ رہی اب دل میں میرے عشق کی سو آنچ ہے
مشکلیں آسان کرو میری پے شاہ نجف

رات دن ہے ورد فخری یا منظر شاہ دین
یا منظر شرف دین حاجت روائے سرزمین
آرزو کو تم سے پوچھوں دل کو ہے میرے یقین
مشکلیں آسان کرو میری پے شاہ نجف"

آپ کی ولادت قصبہ کہا شریف سے ایک کوس پورب موضع چھیلا پور میں ہوئی تھی۔ آپ چار پانچ سال کے تھے کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ تمام عزیز واقربا اور بالخصوص آپ کی پھوپھی زوجہ شاہ فقیر محمد کا خیال ہوا کہ آپ کو مسند سجادگی پر اس وقت بیٹھا دیا جائے اور پھر تعلیم و تربیت ظاہری و باطنی ہوتی رہے گی۔ آپ کے سوتیلے بہنوئی شاہ احمد علی رحمۃ اللہ علیہ (یعنی زوج بی بی مریم) کی خواہش مسند سجادگی پر خود بیٹھنے کی ہوئی لیکن اس عصر کے مشائخ نے غور و خوض کے بعد یہی فیصلہ کیا کہ سجادگی حضرت شاہ ولی اللہ فردوسی رحمۃ اللہ علیہ ہی کو تفویض ہو اور یہی ہوا۔ اس واقعہ کو مصنف حیات ثبات نے اس طرح لکھا ہے:۔

"چنانچہ[1] اس (قضیہ سجادگی مخدوم الملکؒ) کا مرافعہ قضائے کے حکم نویس حضرت منعم پاک اکرام اللہ شاہ کی خدمت بابرکت میں پیش ہوا اور جلسہ ترتیب دیا گیا۔ آپ نے ازراہ ادب فرمایا کہ بارگاہ حضرت مخدوم جہاںؒ سے جو فیصلہ ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا۔ یہ فرماکر آپ آستانہ مخدوم جہاں پر تشریف لائے اور مراقب ہوئے۔ یہاں خانقاہ معظم میں مجمع امرا و رؤسا علما و مشائخ کا تھا۔ جب درگاہ شریف سے واپس آئے تو خدام کے ہمراہ اس دستار کرامت آثار کو بھی لیتے آئے۔ جو حسب معمول قدیم شب کے وقت غلاف روضہ مبارک کی تہہ میں رکھی گئی تھی۔ ادھر پھوپھی صاحبہ نے وفور شفقت سے کسی دوسرے کی گود میں بھیجنا پسند نہیں کیا۔ خود زنانہ پالکی میں آپ کو شامل لے کر خانقاہ معظم میں تشریف لائیں اور آپ کو حضرت شاہ احسان اللہؒ کے سپرد کیا۔ جب وہ بزرگ آپ کو صدر میں لے گئے تو حضرت منعم پاک قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جس طرح حضرت جہاں کو دیکھا ہے اسی طرح میرے ہاتھ سے یہ کام انجام پائے گا۔ یعنی میں نے دیکھا ہے کہ حضرت مخدوم جہاں نے ان صاحبزادے کو سر پر اس طرح پیچ دیکر دستار بندی فرمائی یہ کہکر آپ نے دستار بندی شروع کردی اور دستار بندی کے بعد نذریں گذرنی شروع ہوگئیں۔"

---

[1] حیات ثبات (غیر مطبوعہ) صفحہ ۳۰

آپ کی تولیت کی تصدیق سلطان دہلی شاہ عالم بادشاہ غازی کے دربار سے بھی بذریعہ فرمان ہوئی تھی۔ وہ فرمان حضرت مخدوم الملکؒ کے خاندان میں محفوظ ہے اس کی نقل درج ذیل ہے:۔

"دریں وقت میمنت اقتران فرمان والاشان واجب الاطاعت والاذعان صادر شد کہ منصب تولیت روضہ منورہ مخدوم الملکؒ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ متعلقہ پرگنہ حویلی بہار از انتقال سید علیم الدین درویش بحقائق و معرفت آگاہ سید ولی اللہ فردوسی بدستور سابق حسب الضمن مرحمت فرمودیم کہ بہ تقدیم مراسم و لوازم منصب مذکور کما ینبغی پرداختہ دقیقہ از دقائق حزم و ہوشیاری نامرعی داشتہ ومراعات عملہ وقبیلہ درگاہ فیض بارگاہ بدرجہ اتم ملحوظ داشتہ از آمدنی متعلقہ روضہ موصوفہ مصارف مرمت درگاہ فیض بارگاہ وعرائس و خرچ وارد و صادر خانقاہ و صرف مایحتاج خود می نمودہ باشد۔ باید کہ فرزند نامدار کامگار والاتبار و وزراے ذوی الاقتدار وامراے عالی مقدار وحکام کرام وعمال کفایت فرجام ومتصدیان مہمات دیوانی متکفلان معاملات سلطانی ابداً و مویداً در استقرار و استمرار ازیں حکم مقدس معلے کوشیدہ منصب مذکورہ معہ متعلقہ مصارف درگاہ مذکور نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ مقرر شناسد واز صواد م تغیر وتبدیل

مصئون ومحروس دانستہ از جمیع ابواب ممنوعہ مزاحم و متعرض
نشوند دریں باب تاکید اکید و قدغن مزید دانستہ ہر سال سند
مجدد نہ طلبند۔ بہ تاریخ پانزدہم شہر ربیع الاول وسال سی و ششم
از جلوس قلمی شد"

آپ کو بیعت حضرت شاہ حسین شطاری ؒ سے شطاریہ طریقہ میں حاصل رہی
تھی اور تعلیم فردوسیہ میں آپ نے باطنی علوم اپنے پیر و مرشد کے علاوہ حضرت
شاہ حمید الدین راجگیری ؒ سے بھی حاصل کی۔ آپ نے علوم ظاہری کی تحصیل
بڑی کاوش سے کی تھی۔ علم دین و شریعت کے علاوہ آپ کو علم رمل و جفر
و نجوم میں بھی خاص دستگاہ حاصل تھی۔

لباس کے معاملہ میں آپ بہت نفاست پسند واقع ہوئے تھے۔
رہائش بھی آپ کی اونچے درجہ کی تھی۔ لیکن ان ظاہری کروفر کے باوجود
بھی طبیعت میں اتقا و زہد اور فقر کا غلبہ تھا۔ اور اس میں کوئی کمی نہ تھی۔
سلسلہ الالی میں جناب حضور حضرت شاہ امین احمد فردوسی ؒ نے آپ کا
سلسلہ بیعت منظوم فرمایا ہے۔ حیات ثبات کے حوالہ سے درج ذیل ہے:۔[1]

بہ شاہ ولی اللہ اے ذوالجلال	بہ دنیا و دین دار فرخندہ حال
بہ شاہ حسین علی پارسا	خدایا بہ سوئے خودم رہنما

---

[1] حیات ثبات (غیر مطبوعہ) صفحہ ۳۱

به شاہ حسن با علی باکمال | به عشق خودم دہ خدایا کمال
به شاہ محمد حیات اے کریم | مرادا ردر راہ دین مستقیم
به عبد الصمد آں کہ سجاد تست | به دنیا و دین کن یقینم درست
به آں شاہ رکن الحق و رکن حسین | منور به انوار عرفان جبین

آپ آستانہ مخدوم الملکؒ پر اکثر و بیشتر حاضر ہوتے اور اکثر اول شب یا آخر شب کو ہوتے اور دیر تک مراقب رہتے تھے۔

حیات ثبات میں آپ سے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے جس سے آپ کی بزرگی اور مخدوم الملکؒ کی آپ پر شفقت کا اندازہ ہوتا ہے لکھا ہے :۔

"آپ[1] کے وقت میں ایک مجذوب درویش تکیہ شاہ پٹنہ میں تھے وہ ہمیشہ ننگے رہا کرتے تھے۔ ایک بار حضرت شاہ ولی اللہ رحؒ کی سواری تکیہ شاہ کی طرف سے گذرنے لگی تو تکیہ شاہ نے ایک شخص کی چادر چھین لی اور یہ کہتے ہوئے ستر پوشی کر لی کہ "مردوا حضرت مخدوم جہان کی گود میں آرہا ہے۔"

آپ کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ پہلی بیوی بی بی مسلمہ بنت شاہ فیاضؒ سے ایک فرزند حضرت شاہ امیر الدین قدس اللہ سرہ اور دو لڑکیاں حضرت بی بی واحدہ اور بی بی مرادن عالم وجود میں آئیں۔

---

[1] حیات ثبات (غیر مطبوعہ) صفحہ ۳۲

بی بی واحدہ کی شادی اپنے علاتی پھوپھی کے لڑکے شاہ محمد حسینؒ سے ہوئی تھی۔ مگر وہ لاولد فوت ہوئیں۔ دوسری لڑکی بی بی مرادن کی شادی شاہ شرافت علیؒ بن شاہ افضل علیؒ خلیفہ حضرت شاہ علیم الدینؒ سے ہوئی تھی دوسری بیوی سے بھی ایک فرزند شاہ بندہ علی اور تین بیٹیاں تھیں آپ کے وصال کے بعد حضرت شاہ امیر الدینؒ سجادہ نشین ہوئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ فردوسی قدس اللہ سرہٗ کا ایک بڑا کام یہ ہے کہ آپ نے خانقاہ معظم کی ازسر نو تعمیر کرائی۔ آپ سے پہلے خانقاہ بہ لحاظ عمارت بہت معمولی تھی، لیکن آپ نے اس کی تعمیر بڑے حوصلہ سے کرائی دالان دو درجہ پانچ پانچ محرابیں، دونوں گوشوں پر کوٹھریاں آگے ۱۲ لانچہ مجلس سماع کے لئے صحن میں چبوترہ وغیرہ۔

آپ کا وصال ۲۳ رجب المرجب ۱۲۳۴ھ میں ہوا۔ آپ کے وصال کا واقعہ مصنف حیات ثبات نے اس طرح لکھا ہے کہ:۔

"خانقاہ شریف سے پچھم آپ نے ایک باغ لگایا تھا جس کا نام شرف باغ رکھا۔ اس باغ میں آپ برابر تشریف لے جایا کرتے تھے حسب معمول ایک روز شام کو وہاں تشریف لے گئے۔ اور شام ہی کو بیمار واپس آئے۔ صبح ہوتے ہوتے وصال ہوگیا۔[1]

---

[1] حیات ثبات (غیر مطبوعہ) صفحہ ۳۴

اِنا للہِ وانا الیہ راجعون۔"

آپ کے صاجزادے حضرت مخدوم سید شاہ امیرالدین قدس سرہٗ نے آپ کی رحلت پر یہ دو اشعار لکھے تھے۔ :

شاہ برگیر زادلیں مصرعہ

گیر زیں دو ہمی ولی اللہ

فوت فرمود گیر ازیں سومین

سال نقل ایم ظلوم بخواہ

فصل بست و پنجم

حضرت مخدوم شاہ امیر الدین فردوسی قدس اللہ سرہٗ

حضرت مخدوم شاہ امیر الدینؒ فرزند و جانشین حضرت مخدوم شاہ ولی اللہؒ ۹ محرم ۱۲۱۷ھ کو پردۂ غیب سے عالم شہود میں رونق افروز ہوئے آپ کی تصانیف میں ایک جگہ ایک قطعہ آپ ہی کا لکھا ہوا ملا ہے جس سے تاریخ ولادت کی مکمل تصدیق ہو جاتی ہے:

زروے سال ہجری وقت پیدائش سے اس دم تک
کہوں کیا کب سے جائے استقامت یہ خرابہ ہے
سنا ہے یوں کہ فکر والد غفراں پناہی سے
دعائیہ سنہ تاریخ برخوردار آیا ہے
۱۲۱۷ھ

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی مسلمہ سید شاہ فیاض رح کی صاحبزادی تھیں۔ ماں کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب حیات ثبات کے حوالہ سے درج ذیل ہے

"حضرت بی بی مسلمہ بنت شاہ فیاض بن شاہ وجہ اللہ بن شاہ شہاب الدین بن شاہ فخرالدین بن شاہ علاؤ الدین بن شاہ بڈے بن شاہ فضل اللہ بن مخدوم شاہ ابوسعید بن مخدوم شاہ بدر الدین بدر عالم زاہدی بن شاہ فخر الدین بن شیخ شہاب الدین حق گوئے شہید رحمہم اللہ۔"

آپ نے علوم متعارفہ کی تعلیم مولانا سید عزیز الدین شاہ قطب الدین عرف شاہ بساون کر جوی خلیفہ حضرت مخدوم شاہ منعم پاک قدس اللہ سرہٗ سے حاصل کی تھی اور علوم باطنی کی تحصیل حضرت شاہ حسین علی شطاری قدس سرہٗ سے فرمائی۔ جن کے دست حق پرست پر آپ نے سلسلہ فردوسیہ میں بیعت طریقت بھی حاصل کی تھی۔ اپنے والد ماجد کے علاوہ کچھ فیض باطنی آپ نے حضرت شاہ ابوالحسن بن شاہ ابوالبرکات ابوالعلائی قدس اللہ اسرارہم سے بھی حاصل فرمایا تھا۔ ماہ رجب ۱۲۳۴ھ میں اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد بہ عمر ہفدہ سال سجادہ نشین خانقاہ معظم مخدوم الملک ہوئے۔ آپ کی ابتدائی زندگی غیر محتاط تھی۔ لیکن سعادت ازلی نے رہنمائی اور آبا و اجداد کی پاک روحوں نے دستگیری کی اور عین موسم شباب میں توبہ نصوح نصیب ہوئی

اور حضرت شاہ حسین علی شطاری رحؒ سے بیعت اور تعلیم کے بعد ان کی دنیا ہی بدل گئی۔ پھر حضرت شاہ ابوالحسن بن حضرت شاہ ابوالبرکات رحؒ کی صحبت اور حضرت شاہ حمید الدین راجگیری رحؒ جیسے برگزیدہ بزرگوں اور مشائخ کے ارشاد و فیض نے اس پر اور جِلا بخشا اور فیضان مخدوم الملک رحؒ نے برسوں کی منزل گھنٹوں میں طے کرا دی۔ آپ نے اسے ساقی نامہ میں ایک جگہ ان تینوں بزرگوں کا ذکر بھی فرمایا ہے: ؎

یارب دے ز راہ مہربانی	پس خوردہ آں حسین ثانی
پھر راہ کرم دو چار چسکی	دے شاہ حمید کے حصص کی
جو ساقی جام اولین ہے	پیر من بندہ کہن ہے
وہ شیخ زمان راجگیری	دانندہ طور دستگیری
من بعد ز فضل منعما تو	دے جام ابوالحسن سے ایک چلو
آنکھوں کی مری وہ روشنائی	صاحب نشہ کسا ابو العلائی

آپ مرض بواسیر کے دائمی مریض تھے اور اس سے بڑی تکلیف رہتی تھی۔ اٹھنا بیٹھنا مشکل ہوتا تھا۔ پھر بھی آپ تہجد کی نماز بھی ناغہ نہ ہونے دیتے تھے۔ اور نہ کسی معمولات میں فرق آتا تھا۔ تلاوت کلام پاک اور ورد و ظائف کی مداومت تھی دلائل شریف کے آپ پابند تھے۔ غذا آپ کی بہت مختصر تھی اور دن رات میں صرف ایک بار۔

حضرت شاہ امیر الدینؒ کو اپنے والد ماجد سے بہت بڑی جائداد ملی تھی لیکن آپ نے اس کو کبھی بھی خاطر میں نہ لایا۔ بلکہ اس طرف سے یکسر بے توجہی برتی جس کے نتیجہ میں جائداد تلف ہونے لگی۔ لوگوں نے اس طرف توجہ دلائی تو آپ نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا کہ اس کا رہنا نہ رہنا دونوں برابر ہے بزرگوں کی صحبت کے بعد صبر و قناعت اور فقر کا ایسا چسکا لگ گیا کہ دنیا آنکھوں کے سامنے عریاں اور بے نقاب ہو گئی۔ ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء۔

حضرت شاہ امیر الدین قدس اللہ سرہٗ کو نام و نمود اور نمائش سے بہت تنفر تھا مزاج میں خودداری تھی۔ رکھ رکھاؤ اور پاس مراتب کا بہت لحاظ تھا لیکن کبر و غرور نام کو بھی نہ تھا۔ مرید کرنے میں آپ بہت احتیاط سے کام لیتے تھے طبیعت میں کسر نفسی حد درجہ تھی۔ مولف حیات ثبات نے آپ کی کسر نفسی کے ضمن میں ایک واقعہ حضرت کے مرید مولوی عبدالعزیز مرحوم (ساکن محلہ خاص گنج بہار) کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ :-

"ایک روز آپ کوٹھے پر ٹہل رہے تھے۔ وہاں مونڈیرے پر ایک مٹی کی طشتری رکھی ہوئی تھی آپ نے اس کو نیچے پھینکدیا۔ اتفاق سے وہ نیچے ایک خانہ زاد چھوکرے کے سر پر آتی رہی۔ وہ ہکا بکا ہو کر گالیاں دینے لگا۔ کسی نے کہا "دیکھتا نہیں سرکار ہیں" آپ نے اشارے سے منع فرمایا اور کہا

سلہ حیات ثبات صفحہ ۳۷

جو کچھ کہنا ہے کہنے دو اس کو چوٹ آئی ہے وہ اس سے بھی گیا۔"

جسم کی لاغری اور ضعف کی وجہ سے چہرے پر زیادہ وجاہت نہ تھی، لیکن ہمہ دم چہرہ سے نور اور جلال ہویدا تھا۔ لوگ ان کے سامنے بہت ادب سے بیٹھتے تھے۔ ہم عصر مشائخ ان کی تعظیم اور توقیر کرتے تھے اور ان کے زہد و اتقا سے متاثر تھے۔ حضرت شاہ علیم الدین بلخی جب کبھی آپ سے ملنے کو آتے تو بعد سلام اکثر یہ شعر پڑھتے :

توئی دریا منم دریائی تو   دریں دریا و دریائی چہ گویم

حیات ثبات میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ :-

"ایک بار[1] حضرت مولانا سید شاہ اشرف علی قدس سرہٗ اور حضرت شاہ علیم الدین ابو العلائی اور نیز مشائخین بہار بہ تقریب عرس حضرت مخدوم جہان درگاہ شریف میں تھے۔ تذکرہ آیا کہ اس وقت قطب کون ہے اور قطبیت کس کو حاصل ہے۔ بالاتفاق سبھوں نے ایک زبان ہو کر کہا کہ حضرت امیر الملۃ والدین قطب وقت ہیں۔"

مشہور ہے کہ آپ کے سامنے کوئی کیسا ہی محزوں و مغموم پہنچا شاداں و فرحاں ہو جاتا۔ طبیعت میں عالی ہمتی، دریا دلی اور رفاہ عام بہت زیادہ تھا۔ مولانا احمد علی زمانوی نے ایک دفعہ تجارت شروع کی اور ایک دوشالہ

---

[1] حیات ثبات صفحہ ۳۸

الفی بوٹی کا پیش کیا - آپ نے قیمت پوچھی - مولانا نے فرمایا "الفی الفی"
اس دلچسپ فقرے پر مسکرائے اور خادم کو حکم دیا کہ ہزار روپے دیدیئے جائیں

پیران سلاسل کی روش پر آپ کو ذوق وجد و سماع بہت تھا لیکن
اپنی طاقت بھر شورش کو ضبط فرمایا کرتے تھے - لیکن جب بے اختیار ہو کر
وجد فرماتے تو حاضرین کی عجب حالت ہو جاتی - سب ہی بے خود و بیہوش
نظر آتے - اور سماع خانہ معہ صحن کیفیت و نسبت سے مسحور ہو جاتا - ایک دفعہ
آپ کو اس شعر پر ذوق ہوا : ؎

خراباتیان مے پرستی کنند   محمد بگوئید و مستی کنند

آپ مستانہ وار گردش فرماتے اور بجائے نعرہ دوسرے مصرعہ کی تکرار فرماتے
رہے اس کیفیت نے مجلس سماع کا رنگ ہی بدل دیا - ہر شخص بے خود
و بے ہوش نظر آرہا تھا -

مثنوی روضۃ النعیم مصنفہ جناب حضور حضرت شاہ امین احمد قدس اللہ
سرہٗ کے حوالہ سے مولف حیات ثبات نے لکھا ہے کہ آپ کے مریدوں میں
ڈپٹی فدا علی ساکن موضع تلہاڑا ایک بزرگ تھے - جب ان کو پیر کی تلاش
ہوئی تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت شاہ امیر الدینؒ سے مرید
ہو رہے ہیں - بیدار ہونے پر مزید تشفی کے لئے دیوان حافظ سے فال نکالا
تو یہ شعر نکلا : ؎

بخواری منگر اے منعم ضعیفان و نحیفان را

که صدر مسند عزت فقیر رہ نشین دارد

اس کے بعد بہا آگروہ آپ سے مرید ہوئے ۔ بیعت کرنے کے بعد فدا علی صاحب نے آپ سے ازراہ کشف فرمایا تھا کہ تمہیں ایک بار اور بھی توبہ کرنا ہوگی چنانچہ مقدر نے ان سے کچھ ایسی مجنونانہ حرکت کرائی کہ ان کو دوبارہ بیعت حاصل کرنی پڑی ۔

آپ کو ورد و ظائف سے جب فراغت ملتی تو فکر سخن میں مشغول رہتے ۔ اور اسی کے ذریعہ اخلاق و تصوف کی باتیں عوام تک پہنچاتے ۔ شعر و شاعری میں آپ کا مقام بہت بلند تھا ۔ فارسی میں ظلوم ، اور اردو میں وجد تخلص کرتے تھے ۔ دونوں زبانوں میں آپ کو قدرت تامہ حاصل تھی ۔ فارسی میں آپ علی حزیں کا تتبع کرتے تھے اور اردو میں راسخ کی روش پسند کرتے تھے ۔ آپ نے فارسی اور اردو دونوں زبان میں جملہ اصناف شاعری پر طبع آزمائی فرمائی ہے ۔ آپ کے کلیات میں غزلیات ، مثنوی ، رباعی ۔ قطعات ، مسدس سب ہی موجود ہیں ۔ اور سب سے آپ کے تبحر علمی اور شاعرانہ لطافت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

نمونہ کے طور پر چند اشعار فارسی کلام سے درج ذیل ہیں : ؎

ربط است شیخ را و برہمن ہم آشناست　　دارم بتے کہ محرم و نامحرم آشناست

با گریہ ہا بساز کہ تا خندہ رو شوی　　چوں لالہ کہ داغ دلش با غم آشناست
بیگانہ من است یگانہ بہ ہر کسے　　نا آشنائے ماست کہ یک عالم آشناست
خوش مصرعہ ظلوم ز گفتار صائب است　　یک آشنائے با مزہ یک عالم آشناست

گر بجو اندر بر آمد لطف بے پایان اوست　　ہر چہ آید بر سر از دستش ہمہ احسان اوست
برق آگاہد ز پر بینائی جان ظلوم کو　　موسم باراں نشان از دیدہ گریان اوست

پروردہ لطف تو سفید است و سیہ ہم　　طاعت بہ تو ہر لحظہ نیاز ست و گنہ ہم

رباعی

دندان بہ جگر پارہ فشردن باید　　خون دل خود ظلوم خوردن باید
لیکن نہ بہ کوچہ ہائے دونان ہرگز　　مانند سگ استخوان شمردن باید

مخمس

جان من آنکہ ترا ناز و ادا چندیں داد　　سخن تلخ و زبان شوخ و لب شیریں داد
آں کہ بر روئے تو ایں خال و خط مشکیں داد　　آنکہ رخسار ترا رنگ گل و نسریں داد
صبر و آرام تو اند بمن مسکیں داد

دل دانائے ترا آنکہ تجاہل آموخت　　طبع طناز ترا آنکہ تساہل آموخت
آنکہ با سرو قدت طرز تکاہل آموخت　　آنکہ گیسوئے ترا رسم تطاول آموخت

ہم تواند کرمش داد من غمگین داد

مدتے شد کہ دل از زندگیش برچیدم | من نہ اکنوں پے او دست بسر گردیدم
شر تیشہ نہ اینوقت بجانش دیدم | من ہماں روز ز فرہاد طمع ببریدم

کہ عناں دل شیدا بہ کف شیریں داد

گرنہ لائق خلوت رہ جلوت باقی ست | بہر عنقائے دلت گوشہ عزلت باقی ست
نیست ایواں اگرت کہنہ عمارت باقی ست | گنج زر گرنہ بود کنج قناعت باقی ست

آنکہ آن داد بہ شاہان بہ گدایان این داد

بعت دہر بود نیک خطورت لیکن | ہست مطبوع ز نزدیک و ز دور ست لیکن
این فریبندہ نماید ہمہ جورت لیکن | خوش عروس ست جہاں از رہ صورت لیکن

ہر کہ پیوست بدو عمر خودش کابین داد

گفت با من فلک عربدہ بنیاد کہ چند | دل بدریائے غم و غصہ بیابید افگند
تا بہ کے مرغ دل خود نہ زبانی از بند | بعد ازیں دست من و دامن آں سرو بلند

خاصہ اکنوں کہ صبا مژدہ فروردیں داد

در غم ہجر تو کاں روز بروز افزوں شد | خون شد و از رہ ایں دیدۂ جگر بیروں شد
بہ ہمیں چشم ظلوم تو فقط جیحوں شد | از کف غصہ ہجران دل حافظ خوں شد

در فراق رخت اے خواجہ قوام الدین داد

بندہائے از ترجیع بند

بادۂ گلرنگ نوش و شاد باش — از ہمہ بند جہاں آزاد باش

ات بہ غم ہائش بزن مردانہ وار — ایں عروس دہر را داماد باش

پوست بر کن گردنش زن بید رنگ — بہر ایں گرگ کہن جلاد باش

آں کہ از دست رود رونے ضرور — ہر چہ شد بر باد گو ہر باد باش

بہر خون ریز رگ سودائے حرص — تیز تر چوں نشتر فصاد باش

مثل دو نان بہر دنیائے دنی — عقل کے گوید در فریاد باش

بر لب جوئے دریں میخانہ مست — خواجہ شیراز دکن آباد باش

ساقیا برخیز در دہ جام را
خاک بر سر کن غم ایام را

کچھ اشعار آپ کے اب اردو کلام سے بھی ملاحظہ ہوں: ؎

شرار حسن سے تیرے نہیں کوئی خالی — حرم کا سنگ ہو پتھر ہو یا کلیسا ہو

کرتا ہوں سراپا کو ترے نقش میں دل پر — تصویر تری زیر بغل جا کے تو اچھا

بے یار گر جینے سے تو مرنا ہی بھلا ہے — اب جان مری تن سے نکل جائے تو اچھا

روح کا آنا تھا قالب میں وہ آنا کیا تھا | جان کا تن سے نکل جانا تھا جانا کیا تھا
لاکھ دل ہوتا تو سر پر سے تصدق کرتا | ایک اس دل کیلئے تم سے بہانہ کیا تھا

جا کے جو لالہ زار میں دیکھا | اس دل داغدار میں دیکھا
دل کا سارا غبار دھو دینا | دیدۂ اشکبار میں دیکھا
نسیم صبح جو لائی ترے بدن کی بو | قبائے غنچۂ گل میں چھپی چمن کی بو

منظور نظر کون ہے اب تم سے زیادہ | رکھے جو عزیز آنکھوں میں مردم سے زیادہ
پوشیدہ نہیں عشق کے دریا کا تلاطم | یہ بحر خطرناک ہے قلزم سے زیادہ
خندہ سے تبسم ترا قاتل ہے فزوں تر | جی لینے میں چمکے ہے تکلم سے زیادہ
توقیر ہر اک چیز کی ہے اپنی جگہ میں | کمس کی کہیں قدر ہے قاقم سے زیادہ

آپ کی تین بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی آپ کی خالہ زاد بہن جناب سیدہ شاہ بہادر علی شعیبیؒ کی صاحبزادی تھیں۔ ان سے دو فرزندان (۱) جناب حضور حضرت سید شاہ امین احمد فردوسیؒ (۲) حضرت شاہ تقی الدین احمدؒ اور تین بیٹیاں تھیں۔ بڑی کی شادی شاہ بندہ علی شطاری جندھوی سے ہوئی۔ دوسری کی شاہ عبدالعلی شعیبی شیخپوری سے اور تیسری کی

حضرت شاہ محمد جعفر بہاری فردوسیؒ سے۔

دوسری بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

تیسری بیوی سے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔

آپ کے ہاتھ پر فالج کا مادہ آگیا تھا پھر حرقت بول کا حرج لاحق ہوا دن بدن امراض سے گھلتے گئے۔ یہاں تک کہ بہ تاریخ ۵ جمادی الاول ۱۲۸۷ھ جمعہ کی ایک شب کو روح اطہر نے جسد خاکی کو چھوڑ دیا اور اپنے خالق سے جا ملی۔

جناب سید شاہ نجم الدین صاحب نجم مدظلہ اپنے دادا جان جناب حضور حضرت شاہ امین احمد فردوسیؒ کے توسط سے راوی ہیں کہ جس روز حضرت شاہ امیر الدین احمدؒ کی بیماری زیادہ بڑھی اس وقت آپ کے صاحبزادے جناب حضور علیہ الرحمتہ حاضر خدمت تھے وہ فرماتے تھے کہ چہرہ مبارک پر نظر پڑی تو ایسا خطرہ گزرا جیسے خدا کا جلوہ سامنے ہو۔ شاید یہ اس وجہ سے ہو کہ وہ سراپا برکات تھے۔

حیات ثبات میں حضرت مخدوم شاہ امیر الدین فردوسیؒ کی وفات کے حالات اس طرح درج ہیں:-

"جس شب کی پچھلی گھڑی میں وصال ہے کسی کو خیال بھی نہ تھا کہ[۵۱]

---

۵۱ حیات ثبات (غیر مطبوعہ) صفحہ ۵۷

آپ رحلت فرمائیں گے۔ خود بہت دیر تک آپ کلمہ شہادت پڑھتے رہے۔ پھر دیر تک تسبیح و تہلیل میں مشغول رہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور کلمہ تجید کی تکرار فرماتے پھر آپ نے تین سو بار کلمہ شہادت کے اور الفاظ تشہد کو زبان مبارک سے فرمایا اور حاضر کو مخاطب کر کہا کہ " ابھی کچھ رات باقی ہے اور آفتاب طلوع ہونے کے قبل میں غروب ہو جاؤنگا۔ پھر بدلی چھائے گی اور ترشح شروع ہوگا۔ مگر یاد رکھنا کہ میرے جسد کو جاڑے سے تکلیف نہ پہنچے۔ مجھے ایک سفید چادر اڑھا دینا۔ میرے وفات کی خبر کسی کو نہ دینا۔" کیونکہ ایک تیز ہوا چلے گی جس سے جہاں سرد ہو جائے گا۔ ممکن ہے کہ خبر سن کر کوئی اسی وقت چلا آئے اور ٹھنڈی ہوا سے تکلیف اٹھائے پھر آپ نے ایک بار تشہد باواز بلند پڑھا اور جہان فانی سے عالم باقی کو تشریف لے گئے۔"

حضرت شاہ محمد یحییٰ ابوالعلائی نے مادہ تاریخ وصال ع
" شاہ فردوس بہ فردوس رسیدہ " نظم کیا ہے۔

جن واقعات کی آپ نے پیشین گوئی کی تھی[۱۲] بقول مولف حیات ثبات وہ سب بے کم و کاست بعد وصال ظہور میں آئے۔ غسل کے وقت چادر اٹھائی تو ریش مبارک اور سر کے بال زعفرانی رنگ کے تھے اور چہرہ پر نور

برس رہا تھا۔

آپ کے پروردہ دو طاؤس تھے۔ ایک آپ کے انتقال کے رنج والم سے مر گیا۔ اور دوسرا لاپتہ ہو گیا۔ آپ کی پروردہ ایک بلی بھی تھی۔ جو بعد وصال چھ مہینے تک روزانہ بلاناغہ مزار شریف پر پہنچتی رہی۔ پھر مرگئی۔ محبان خدا کی یہ بھی شان ہے کہ جانوروں میں بھی آدمیت آجاتی ہے: ؎

سگِ اصحاب کہف روزے چند
پے نیکان گرفت و مردم شد

فصل بست و ششم

جناب حضور حضرت شاہ امین احمد فردوسی قدس اللہ سرہ

جناب حضور حضرت سید شاہ امین احمد فردوسیؒ حضرت شاہ امیر الدین فردوسیؒ کے فرزند اور سجادہ نشین تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بی بچن سید شاہ بہادر علی شعیبیؒ کی صاحبزادی تھیں۔ ماں کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے[1]:-

بی بی بچن بنت شاہ بہادر علی بن شاہ حیدر علی بن شاہ غلام علی بن شاہ نعمت اللہ بن شاہ حسام الدین بن شاہ مبارک بن شاہ دانیال بن شاہ جلال بن (بندگی) شاہ فیروز بن شاہ نظام الدین بن مخدوم شاہ منظفر، بن مخدوم شاہ شعیب بن شاہ جلال منیری بن شاہ عبدالعزیز بن امام محمد تاج فقیہ قدس اللہ اسرارہم

آپ کی ولادت باسعادت مورخہ ۲۳ رجب المرجب ۱۲۴۸ھ دو شنبہ کی

---

[1] حیات ثبات صفحہ ۵۹

پچھلی شب کو ہوئی۔ آپ کے والد ماجد حضرت مخدوم شاہ امیر الدین رح نے سنہ ولادت اس طرح نظم فرمایا تھا:ـ

من بعد آرزوہا چوں من بہ نور دیدہ
فائض بہ کام گشتم از فیض لاتناہی

گفتا خرد کہ سالش جوئی ز اختر مجد
تاریخ می تواں گفت ہم بخشش الٰہی

۱۲۴۸ھ ۱۲۴۸ھ

آپ کی ابتدائی تعلیم کے لئے ملک مولوی عنایت حسین مرحوم ساکن موضع بھنڈاری ضلع پٹنہ مقرر کئے گئے جن سے آپ نے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں پھر جناب مولانا حاجی سید وزیر الدین رح ساکن موضع سیدی ضلع پٹنہ جو ایک متبحر عالم، اور صاحب کمال بزرگ تھے اور علوم ظاہری و باطنی میں اپنا ایک مقام رکھتے تھے تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے۔ جن سے فقہ اصول وغیرہ کی اکثر کتابیں آپ نے ختم کیں۔ اس زمانہ میں مولانا محمد موسیٰ ملتانی رح خلیفہ حضرت شاہ سلیمان تونسوی رح چشتی فخری جو شہسرام کے مدرسہ میں مدرس تھے۔ فن منطق اور فقہ میں دستگاہ کی بڑی شہرت حاصل تھی۔ ان کی لیاقت اور تبحر کا شہرہ سن کر حضرت شاہ امیر الدین رح نے آپکی تعلیم کیلئے بلا بھیجا اور عرصہ تک ان سے سلسلہ تلمذ جاری رہا۔

بیس اکیس سال کی عمر میں آپ کو علوم ظاہری سے فراغت حاصل ہوگئی اس درمیان میں آپ نے علم طب کی بھی کتابیں پڑھ لی تھیں۔ شعر و شاعری کا مذاق شروع ہی سے تھا۔ اساتذہ کے کلام کے مطالعے نے دماغ میں وسعت کے ساتھ ساتھ دل میں بھی

گداز پیدا کر دیا تھا اور طبیعت عشق و محبت کی طرف مائل ہونے لگی تھی۔

ذہانت اور حافظہ آپ کو قدرت سے غیر معمولی عطا ہوا تھا۔ آپ کے اساتذہ آپ کی ذہانت فطانت اور غیر معمولی قوت حافظہ پر دنگ رہ جاتے تھے مولانا سید حاجی وزیر الدین فرمایا کرتے تھے کہ :۔

" میں امین احمد[1] کو پڑھاتا نہیں تھا بلکہ خود پڑھتا تھا۔ ہدایہ پڑھانے میں شب کو میں کتاب دیکھ لیا کرتا تھا پھر بھی پڑھنے کے وقت یہ ایسے ایسے ذہانت کے سوالات اور نکات نکالا کرتے تھے کہ میں متحیر ہو جاتا تھا۔"

مولانا شاہ محمد موسیٰ صاحب پنجابی آپ کے دوسرے استاد اکثر دوستوں سے فرمایا کرتے تھے کہ :۔

" درس و تدریس[2] سے ہم کو برابر کام رہا اور اب تک ہے لیکن اب تک صرف ڈھائی آدمی مجھے ذہین ملے ہیں جن میں اول درجہ امین احمد کا ہے اور دوسرا احمد حسین کا اور نصف امیر حسن مخدوپوری کا"

جناب حضور کے ہم درس طلبا فرمایا کرتے تھے کہ جس زمانے میں سلم العلوم کا درس مولانا شاہ محمد موسیٰ پنجابی سے ہو رہا تھا آپ کے مطالعہ کا یہ

---

[1] حیات ثبات صفحہ ۵ [2] یہ بیان حیات ثبات کے مصنف نے مولوی شاہ ظہور الحق عرف شاہ وحید الدین صاحب کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

دستور تھا کہ درس کے لئے خلوت سے بالاخانہ جاتے جاتے کتاب کو ایک نظر دیکھ لیتے تھے اور پھر درس لینے کے وقت مولانا جس طرح کے بھی سوالات کرتے آپ سب کا فی البدیہہ جواب دیتے بلکہ بعض مرتبہ خود عجیب عجیب نکات نکالتے۔

جناب مولانا سید شاہ محمد فاضل قدس اللہ سرہٗ فرماتے تھے کہ حضرت جناب حضورؒ کو باوجود اشغال وکاروبار ربع پارہ ایک گھنٹے میں یاد ہو جاتا تھا آپ کے بہنوئی حضرت شاہ محمد جعفرؒ ایک واقعہ آپکے پڑھنے کے زمانے کا بیان فرماتے تھے، جس کو مصنف حیات ثبات نے نقل کیا ہے کہ حضرت شاہ امیر الدینؒ نے دو جزو کی ایک مثنوی کہیں سے دیکھنے کو منگوائی تھی اس کو جناب حضور اپنے مطالعہ کے لئے خلوت میں لے آئے اور احباب کو پڑھ کر سنایا بھی پھر کہیں اسے رکھ دیا۔ چند دن کے بعد حضرت شاہ امیر الدینؒ نے اس مثنوی کو منگوا بھیجا۔ لیکن بر وقت ڈھونڈھنے سے نہ ملی۔ جناب حضورؒ نے خادم سے تو جواب کہلا بھیجا کہ ابھی لیکر حاضر ہوتا ہوں اور خود دوات قلم کاغذ لے کر بیٹھ گئے اور بلفظہ پوری کی پوری مثنوی لکھ ڈالی۔ اور ہم لوگوں کو سنادی۔ اس درمیان میں گم شدہ مثنوی بھی مل گئی دونوں کو ملایا گیا تو صرف دو چار مصرعوں میں کچھ لفظ کا فرق تھا ورنہ بالکل اسکی نقل تھی۔ ہم لوگ یہ دیکھ کر متحیر ہو گئے۔

حضرت جناب حضورؒ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس بھی تھے خط نسخ اور نستعلیق

دونوں میں آپ کی انفرادیت نمایاں رہتی ۔ جب تک مجبور نہ ہوئے برابر احباب اور مریدین کو خطوط اپنے دست مبارک ہی سے لکھ کر بھیجا کرتے تھے ۔

آپ کے والد ماجد حضرت مخدوم شاہ امیر الدینؒ سے آپ کو کافی جائداد ملی تھی ۔ پھر آپ کی پہلی شادی آنتی کے راجہ بہادر علی خان مرحوم کی لڑکی سے ہوئی تھی جہاں سے بھی پچاس ہزار سے زائد کی سالانہ آمدنی ملی تھی ۔ لیکن آپ نے دولت وحشمت کو کبھی خاطر میں نہ لایا ۔ دولت آئی، غربا اور اقربا میں تقسیم ہوتی رہی اور پھر آپ ہی کی زندگی میں بہت مختصر بھی رہ گئی، لیکن آپ کے انداز اور روش میں کوئی خاص فرق نہ آیا ۔ دولت وحشمت کی فراوانی جہاں یا دخدا سے غافل نہ کرا سکی وہاں تنگدستی صبر وقناعت کو بھی متزلزل نہ کر سکی ۔ دولت اور تنگدستی دونوں ان سے مغلوب رہی ۔ قالین اور بوریا میں کوئی تمیز نہیں رکھا ۔ قیمتی اور معمولی دونوں طرح کا لباس استعمال کرتے تھے لیکن دونوں کا فرق ان کے یہاں مفقود تھا ۔

حضرت جناب حضورؒ کے حلیہ مبارک کے بارے میں آپ کے پوتے جناب سید شاہ نجم الدین صاحب فردوسی مدظلہ نے اپنی تصنیف حیات ثبات میں کچھ روشنی ڈالی ہے اور اس وقت بھی بہت سے لوگ ان کو دیکھنے والے موجود ہیں، جن سے دریافت کر کے شبیہ مبارک پیش کرتا ہوں ۔

میانہ قد، متوسط سر، کشادہ پیشانی ، اونچی ناک کتابی اور پر گوشت چہرہ

سرخ و سفید رنگ بڑی بڑی خوبصورت اور دلکش آنکھیں، سفید موتی جیسے آبدار دانت، بقدر یک مشت و چہار انگشت گھنی نورانی داڑھی، کشادہ سینہ اپنے اندر ایک عجیب کشش اور جاذبیت رکھتے تھے، جو دیکھتا آپ کے تقدس اور وجاہت سے مرعوب ہو جاتا۔ سر پر زلف زیرین گوش تک رکھتے تھے جس کو جعد کر لیتے تھے۔ بال گھونگروالے نہ تھے لیکن ہلکا سا پیچ و خم تھا۔ کان بڑے تھے اور گردن اونچی صراحی دار پشت پر بائیں جانب شانہ کے قریب ایک مسّہ بھی تھا۔ آخر عمر میں آپ حلق راس فرمایا کرتے تھے۔ لب کے کل بال شروع ہی سے لے لیتے تھے۔ خوشبو کے دلدادہ تھے اور ہر وقت جسم مبارک معطر رہتا تھا۔ لباس کے معاملہ میں آپ نفاست پسند تھے۔ ہر کپڑا آپ کو زیب دیتا تھا۔ آپ کافی جامہ زیب اور خوش پوش تھے۔ عمامہ کم باندھتے تھے عیدین اور عرس شریف کے علاوہ کبھی کبھی مجلس سماع میں اس کا استعمال کرتے ورنہ عموماً کلاہ چوگوشیہ ہی پر اکتفا کرتے۔ آپ کا عمامہ ڈھاکہ کی جامدانی یا عزیز اللہی یا تسری ہوتا۔ کلاہ چوگوشیہ لکھنو والی زریں یا معمولی چاند فراخی کے کام کی ہوتی۔ آپ بجائے کرتہ کے مرزئی نیم آستین پہنتے۔ جوانی میں صدری استعمال کرتے جو مخمل کی زرین یا بنارسی بیل ٹکی ہوئی ہوتی تھی۔ عبا شال بھی پہنتے تھے۔ پائجامہ اونچا منجاف دار عرض کا اور جوتا دلی کا پر بتن یا نصف کام چٹی والا استعمال کرتے تھے۔ کبھی کبھی گھر پر صرف لنگی اور مرزئی پہنتے۔ سیاہ رنگ

آپ کو ناپسند تھا۔ صندلی رنگ مرغوب تھا۔ بائیں ہاتھ میں ایک چاندی کی انگوٹھی فیروزہ نگ جڑا ہوا پہنتے۔ لب اور خطوں کی اصلاح آپ برابر سنیچر یا دوشنبہ کو فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ وصی احمد عرف شاہ براتیؒ فرماتے تھے کہ آپ کا جسم ہمہ دم ایسا معطر ہوتا تھا کہ اگر جناب حضور کسی مکان میں ہوتے تو صرف خوشبو سے آپ کی موجودگی کا علم ہو جاتا تھا۔

حضرت جناب حضور کی بیعت اور اکتساب علوم و فیوض باطنی کی تفصیل یوں یہ ہے کہ شروع میں آپ کی شان محبوبیت نے آپکے والد ماجد کے دل میں گھر کیا اور انھوں نے آپ کی تعلیم و تربیت میں انتہائی کمبالغہ سے کام لیا اور جہاں تک ممکن تھا اپنے والد ماجد سے اکتساب فیض کرتے رہے پھر والد ماجد ہی کی ہدایت پر حضرت مخدوم شعیبؒ کے سلسلہ فردوسیہ میں بیعت حاصل کیا۔ مثنوی روضۃ النعیم میں ایک جگہ اس کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے:۔

منکہ ورا بسپرم دست بہ بیعت نہ گرفت ‌‌ ‌ از چنیں ام شگفت است شگفتہ ست شگفت

آپ کے بیعت کے واقعہ کو مصنف حیات ثبات نے اس طرح لکھا ہے[1]

"ایک شب آپ نے (جناب حضورؒ) خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت ملک العشاق مولانا امام مظفر بلخی قدس اللہ سرہ کے مزار اقدس پر حاضر ہیں اور خاک مزار کو ہاتھوں سے لیتے ہیں اور سینہ پر ملتے ہیں

---

[1] حیات ثبات غیر مطبوعہ صفحہ ۱۳۷

خواب سے بیدار ہوئے تو دل کو ہمہ تن حضرت سید شاہ جمال علی بلخی سجادہ نشین حضرت مخدوم شعیب قدس سرہ کی طرف متوجہ پایا حکم والد ماجد اور عقیدت میں یک رنگی پیدا ہو گئی۔ وقت اور موقع نے مساعدت کی یعنی اسی سال حضرت مخدوم جہاںؒ کے عرس شریف میں حضرت ممدوح شیخپورہ سے بہار شریف تشریف لائے اور جناب میر سعادت علی مرحوم کے مکان میں حسب معمول مقیم ہوئے آپ نے شاہ الٰہی بخش مرحوم کو اپنے والد ماجد کے حضور میں بھیجا کہ شیخپورہ سے حضرت تشریف لائے ہیں اب کیا حکم ہوتا ہے۔ حضور عالی نے سنتے ہی شاہ موصوف سے فرمایا کہ شیرینی منگاؤ اور حضرت سے کہو کہ شب کی دعوت ما حضر قبول فرمائیں اور "جی میاں"[1] کو شرف بیعت سے سرفراز فرمائیں۔ چنانچہ حضرت نے دعوت قبول فرمائی اور کمرہ پر تشریف لا کر ۷ شوال المکرم ۱۲۷۱ھ کو سلسلہ عالیہ فردوسیہ شعیبیہ میں بیعت طریقت لی۔ حضرت پیر و مرشد نے تعلیم فرمائی اور تمام زمانہ حیات بدرجہ غایت شفقت و عنایت مبذول فرماتے رہے اور بذریعہ خط و کتابت بھی ارشاد فرماتے رہے جیسا کہ اس خط سے ظاہر ہوتا ہے:۔

"شاہ صاحب عزیز دلہا، سلمہ اللہ تعالےٰ بعد سلام مسنون مطالعہ

---

[1] آپ کے والد ماجد حضرت امیر الدینؒ اکثر آپ کو پیار سے "جی میاں" کہا کرتے تھے۔

خط العزیز رسیدہ مسرور ساخت فی الحقیقت کہ از ماہ صفر علیل بودہ ام تپ خفیف می ماند۔ اگرچہ بالفعل بہ ظاہر تپ نیست لیکن گاہ گاہ قارورہ رنگین می شود و حرارت قلب باقی است بہ سبب آں اگر سرخ می شود بہر حال شکر اوست۔ آں برادر کار خود کہ لازم گرفتہ اند غافل نہ مانند و خود را معطل نہ گذارند۔ چندے مشقت بر خود اختیار کنید آخر راحت ابدی ست۔ ایام جمعیت خاطر مدام باد بحرمۃ النبی وعلی آلہ الکرام والسلام

جمال علی"

حضرت شاہ جمال علی قدس اللہ سرہ نے آپ کو اجازت نامہ اور خلافت نامہ بھی عنایت فرمایا تھا۔ ۱۲۷۰ھ میں جب شاہ جمال علیؒ کا وصال ہوا تو جناب حضورؒ کو اپنے پیر و مرشد کی جدائی کا بہت سخت صدمہ ہوا لیکن اس شعر نے انکی دلجوئی کی:

عشق مارا کے بود غایت پدید | حسن جاناں چوں ندارد غایتے

حضرت شاہ جمال علی صاحبؒ کے بعد آپ حضرت سید شاہ ولایت علیؒ اسلامپوری خلیفہ مخدوم سید شاہ یحییٰ علی نوابادیؒ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کے فیض صحبت سے بہت زیادہ فیضیاب ہوئے اور آپ سے بھی اجازت نامہ اور خلافت نامہ عطا ہوا اپنے استاد حضرت مولانا محمد موسیٰ چشتیؒ سے بھی آپ نے سلسلہ عالیہ قادریہ و سلسلہ چشتیہ فخریہ کی اجازت حاصل کی تھی۔

آپ بہ لحاظ بیعت فردوسیہ شعیبیہ ہیں جس کا شجرہ اس طرح ہے :۔

۱۔ حضرت شاہ جمال علیؒ بلخی فردوسی سجادہ نشین شیخپورہ

۲۔ حضرت شاہ یوسف علی صاحب قدس سرہٗ

۳۔ حضرت شاہ دھومن قدس سرہٗ

۴۔ حضرت شیخ آگاہ قدس سرہٗ

۵۔ حضرت شیخ جاہ قدس سرہٗ

۶۔ حضرت شیخ ماہ قدس سرہٗ

۷۔ حضرت شاہ نورالدین قدس سرہٗ

۸۔ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ

۹۔ حضرت شیخ عبدالرزاق قدس سرہٗ

۱۰۔ حضرت شاہ عبدالفتاح قدس سرہٗ

۱۱۔ حضرت شاہ جلال قدس سرہٗ

۱۲۔ حضرت شاہ فیروز قدس سرہٗ

۱۳۔ حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ

۱۴۔ حضرت شاہ خدابخش قدس سرہٗ

۱۵۔ حضرت شیخ مظفر قدس سرہٗ

۱۶۔ حضرت شیخ منصور قدس سرہٗ

---

[۱] حیات ثبات (غیر مطبوعہ) صفہ ۱۴۰ - ۱۴۱

۱۷ - حضرت شیخ بہاء الدین قدس سرہٗ

۱۸ - حضرت مخدوم شیخ شعیب قدس سرہٗ

۱۹ - حضرت مخدوم شیخ حسن قدس سرہٗ

۲۰ - حضرت مخدوم شیخ حسین قدس سرہٗ

۲۱ - حضرت مولانا امام مظفر بلخی قدس سرہٗ

۲۲ - حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ

۲۳ - حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی قدس سرہٗ

۲۴ - حضرت خواجہ رکن الدین فردوسی قدس سرہٗ

۲۵ - حضرت خواجہ بدر الدین سمرقندی قدس سرہٗ

۲۶ - حضرت خواجہ سیف الدین باخرزی قدس سرہٗ

۲۷ - حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ

۲۸ - حضرت خواجہ ضیاء الدین سہروردی قدس سرہٗ

۲۹ - حضرت خواجہ وجیہ الدین قدس سرہٗ

۳۰ - حضرت خواجہ عبداللہ عمویہ قدس سرہٗ

۳۱ - حضرت خواجہ احمد سیاہ قدس سرہٗ

۳۲ - حضرت خواجہ ممشاد دینوری قدس سرہٗ

۳۳ - حضرت خواجہ جنید بغدادی قدس سرہٗ

۳۴۔ حضرت خواجہ سری سقطی قدس سرہٗ

۳۵۔ حضرت خواجہ معروف کرخی قدس سرہٗ

۳۶۔ حضرت امام علی رضا رضی اللہ عنہ

۳۷۔ حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ

۳۸۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

۳۹۔ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ

۴۰۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

۴۱۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

۴۲۔ حضرت سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ

بیعت کے علاوہ آپ کو دیگر بہت سے سلاسل کی اجازت بھی حاصل تھی۔ جس کو آپ نے بہت خوبی سے اپنی مثنوی شجرات طیبات اور سلسلۃ اللالی میں نظم بھی فرمایا ہے۔ پوری مثنوی کا نقل کرنا تو ممکن نہیں لیکن اس کا خلاصہ بطور گوشوارہ درج ذیل ہے:۔

۱۔ حضرت شاہ جمال علی بلخی فردوسی قدس اللہ سرہٗ سے ان سلاسل کی اجازت عنایت ہوئی۔

(ا) فردوسیہ شعیبیہ

(ب) سہروردیہ بواسطہ حضرت مخدوم احمد چرم پوش رح

(ج) زاہدیہ

(د) قلندریہ حضرت قطب الدین بنیاول

(ہ) نقشبندیہ ابوالعلائیہ چشتیہ

(و) قادریہ حسینیہ منعمیہ کوشائیہ بواسطہ حضرت قطب الدین بنیاول

۲ - حضرت شاہ امیرالدین فردوسی قدس اللہ سرہٗ سے حسب ذیل سلاسل کی اجازت بواسطہ پیران جندھالی :-

(ا) فردوسیہ رکنیہ

(ب) فردوسیہ رکنیہ بوڑھن شاہی

(ج) شطاریہ رکنیہ

(د) قادریہ جلالیہ رکینیہ

(ہ) سہروردیہ جلالیہ رکنیہ

(و) چشتیہ نصیریہ رکنیہ

(ز) خلوتیہ رکنیہ

(ح) مداریہ حسامیہ رکینیہ

(ط) نقشبندیہ ابوالعلائیہ بواسطہ حضرت خواجہ شاہ ابوالحسن عظیم آبادی (تلمیذ حضرت عشقؒ)

۳ - حضرت سید شاہ ولایت علی قادری اسلامپوری قدس سرہٗ سے حسب ذیل سلاسل کی اجازت مرحمت ہوئی :-

(ا) فردوسیہ آبادیہ بواسطہ حضرت احمد لنگر دریا بلخیؒ

(ب) چشتیہ بواسطہ مخدوم یحییٰ علی نوابادیؒ

۴۔ حضرت مولانا شاہ محمد موسیٰ چشتی ملتانیؒ سے مندرجہ ذیل سلاسل کی اجازت ملی ہے۔

(ا) چشتیہ فخریہ نظامیہ (ب) قادریہ کبرویہ فخریہ

حضرت جناب حضورؒ کا اخلاق بہت بلند تھا آپ اتباع شریعت اور اتباع رسول کو ہر وقت پیش نظر رکھتے تھے اور حتی الامکان کسی حالت میں بھی اس سے جدا ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ روزمرہ کے ملنے والے لوگ ان کے اخلاق حمیدہ کے گرویدہ تھے۔ جو ان سے ملتا ان ہی کا ہو جاتا۔ ہر شخص کے ساتھ ہر وقت کشادہ پیشانی اور خندہ روئی کے ساتھ پیش آنا، سلام میں پیش قدمی کرنا، بذل وسخاوت سے کام لینا، غیبت، فحش اور دروغ گوئی سے دور رہنا، کم کھانا کم سونا، نرمی و محبت سے ملنا، خود بینی و خود پرستی کو خیرباد کہدینا آپ کا شیوہ تھا اور آپ اس پر کاربند تھے۔ عموماً اور بالخصوص عشرہ محرم میں یتیم بچوں کو اچھا کھانا پکوا کر کھلانا اور ان کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرنا اور دل جوئی کرنا آپکے معمولات میں تھا۔ مولوی عبدالرحمن خان صاحب فوقی بہاری کہتے ہیں کہ باوجود انتہائی کوشش کے سلام علیک کہنے میں جناب حضورؒ سے میں سبقت نہ کر سکا۔

ایک دفعہ قاضی عبدالوحید صاحب پٹنہ دوپہر کو حاضر ہوئے اطلاع ہوئی اس وقت جناب حضورؒ کھانے پر بیٹھ چکے تھے۔ خبر سن کر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے باہر آئے تپاک سے ملے اور کھانا باہر ہی منگوالیا اور قاضی صاحب موصوف کو بامرار ساتھ کھلایا۔

جناب سید شاہ محمد یوسف صاحبؒ راجگیری کا بیان ہے کہ جناب حضورؒ کے سفر حج میں روانگی کے وقت جناب شاہ شوال صاحب سجادہ نشین خانقاہ قادریہ قمیصیہ قلعہ بہار اور جناب مولانا سید وزیرالدین سیدیؒ وغیرہ حاضر تھے۔ روانگی کے قبل جناب حضورؒ نے اپنے قدیم ملازم گھسیٹا کو ساتھ لے چلنے کیلئے منتخب فرمایا تھا۔ اسی زمانے میں ایک شخص حیدر علی شاہ کابلی بھی حضور میں حاضر باش تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ گھسیٹا کے بدلے مجھے لے چلیں۔ آپ نے فرمایا یہ گھسیٹا کا حق ہے۔ تب حیدر علی شاہ نے گھسیٹا کے قدموں پر گر کر اس حق کو حاصل کر لیا۔ اور ساتھ روانہ ہوئے لیکن بمبئی میں جہاز پر سوار ہونے کے وقت کچھ ایسی گڑبڑی ہوئی کہ وہ چھوٹ گئے۔ جہاز کھل جانے پر وہ بہت مضطرب اور پریشان ہوئے اور بہت کوشش کے بعد دوسرے جہاز سے روانہ ہوئے مکہ معظمہ پہنچ کر حیدر علی شاہ جناب حضورؒ سے ملے۔ جناب حضور نے ان کا اسباب ان کے حوالہ کیا۔ ہمراہی ملازمین نے کہا کہ سرکار نے آپ کے اسباب کی اتنی نگرانی فرمائی ہے کہ بعض وقت مزدور نہ ملتے تو خود

اسے اٹھا لیتے۔

جناب حافظ محمد شفیع صاحبؒ راوی ہیں کہ جناب حضور قدس اللہ سرہٗ حویلی میں تشریف رکھتے تھے۔ چند مریدان حاضر خدمت ہوئے منجملہ ان کے جناب میر اطہر حسین عرف چھیدی میاں بھی تھے۔ اثنائے گفتگو میں جناب حضور کو بلغم پھینکنے کی ضرورت ہوئی۔ میر صاحب نے اگالدان اٹھا کر آگے کر دیا۔ آپ کو اس سے بہت تکلیف ہوئی اور چہرہ کا رنگ بدل گیا۔

مولوی ہادی حسن صاحب کہتے ہیں کہ ایک روز میں جناب حضورؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ چلم جل چکی تھی۔ گھسیٹا موجود نہ تھا۔ میں نے اپنی سعادت سمجھ کر چلم تیار کرنے کو اٹھائی تو گھبرا کر روک دیا "ہاں ہاں، تمہارا کام چلم بھرنے کا نہیں ہے۔"

جناب حکیم سید شاہ محمد حمید صاحبؒ راوی ہیں کہ جس زمانے میں آپ کی آنکھ بنی تھی۔ ڈاکٹر نے خاموش پڑا رہنے کی ہدایت کی تھی۔ ابھی پٹی کھلی نہ تھی کہ شیخ عبدالرحمٰن عرف چاماں صاحب مرحوم بڑا ڈیہہ جو آپ کے مرید خاص اور عزیز بھی تھے۔ بہت سماجت سے اپنے یہاں مدعو فرمایا۔ آپ فوراً جانے کیلئے تیار ہو گئے۔ لوگوں نے روکا تو آپ نے فرمایا کہ بصارت قائم رہے یا نہ رہے مگر کسی کا دل شکستہ نہ ہو۔ اور آپ بڑی تکلیف سے بڑا ڈیہہ تشریف لے گئے۔

جناب مولانا شاہ فاضل حسینؒ فرماتے تھے کہ جناب سید شاہ محمد قاسم صاحبؒ

سجادہ نشین نواده ۷ شوال کو جناب حضور کی ملاقات کو آئے۔ اثنائے گفتگو میں جناب حضورؒ کسی ضرورت سے اٹھے اور جوتا پہننے لگے تو پاؤں کے نیچے شاہ محمد قاسم صاحب کا جوتا آگیا۔ انہوں نے کہا کوئی مضائقہ نہیں آپ پہن لیں۔ تو جناب حضور نے فرمایا "یہ جوتا پاؤں میں پہننے کا نہیں سر پر رکھنے کے لائق ہے" سبحان اللہ انکساری اور اخلاق کی عجب مثال ہے ع

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

حضرت جناب حضورؒ کی طبیعت میں خشیت الٰہی بہت زیادہ تھی۔ قرون اولیٰ کے صوفیا کی خشیت الٰہی اور حب اللہ کی پوری تصویر اور نمونہ تھے۔

ایک لڑکا محمد حنیف مظفر پور کا رہنے والا جناب سید شاہ محمد وجیہہ صاحب کے ساتھ رہتا تھا۔ جناب حضورؒ نے اپنے لڑکے حکیم سید شاہ محمد سلیمان صاحب کے شبہ پر (جو اس دن کسی شرارت کے باعث زیر عتاب تھے) محمد حنیف کا کان مل دیا۔ اُس نے گھبرا کر کہا حضور ہم محمد حنیف ہیں۔ یہ کہنا تھا کہ چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا اور ندامت کے ساتھ اپنا کان اس کی طرف بڑھا دیا کہ تم اپنا بدلہ لے لو وہ ہکا بکا ہو کر کھڑا رہا تو آپ نے زبردستی اپنا کان اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور بعد میں اس لڑکے کی بڑی دلجوئی کی۔

جناب سید شاہ ولی احمد صاحب راوی ہیں کہ ایک مرتبہ خواجہ سید حسن صاحب (پٹنہ) آپ کو مدعو کر کے لے گئے اور ایک کمرے میں جگہ دی۔

اس زمانے میں حضرت جناب حضورؒ کافی ضعیف القویٰ ہو گئے تھے اس لئے کمرے کے بغل ہی میں حوائجِ ضروری کے لئے چوکی رکھ دی گئی۔ لوگوں نے غلطی سے اس چوکی کو خلاف سمت رکھ دیا۔ اجنبی جگہ اور شب کا وقت ان کو سمت کا پتہ نہ چلا۔ استنجے سے فارغ ہوئے تو آپ کو کھٹک ہوئی کہ غلط رُخ بیٹھے۔ دریافت کیا تو شبہ یقین سے بدل گیا۔ یعنی آپ پچھم ہی رُخ بیٹھے تھے۔ اب اس کے بعد خشیت الٰہی کا ایسا غلبہ ہوا کہ بستر پر کسی کروٹ چین ہی نہیں ملتا۔ جناب شاہ ولی احمد صاحب کا بیان ہے کہ میری آنکھ یکایک کھلی تو حضرت کو اتنا بے چین دیکھ کر اور کراہ کی آواز سُن کر گھبرا گیا کہ کہیں کوئی تکلیف تو نہیں پیدا ہوئی۔ فوراً قریب آیا مجھے دیکھتے ہی فرمایا "کون ولی احمد" جواب دیا "جی میں ہی ہوں" فرمایا "ولی احمد ہم سے آج بڑا قصور ہو گیا، اللہ معاف کرے۔ خدا جانے میرا کیا انجام ہوگا۔" اور یہ کہتے ہوئے بے بسی کے عالم میں مجھ سے لپٹ گئے اور زار زار رونے لگے۔ سارا جسم کانپ رہا تھا۔

اب ہم چند سطور میں آپ کے معمولات پر روشنی ڈالیں گے کہ اس سے انسان کے کردار اور اخلاق کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

جناب سید شاہ نجم الدین نجم فردوسی مدظلہٗ (جو جناب حضور کے ذی علم پوتے ہیں) نے اپنی تصنیف حیات ثبات میں اپنی آنکھوں دیکھی اور دوسرے

بزرگوں سے تحقیقات کے بعد جناب حضور کے معمولات کو قلمبند کیا ہے ،
اسی سے ضروری اقتباس درج ذیل ہے :۔

" آپؒ اپنے معمولات میں اوقات کے پابند تھے ۔ حتی الوسع اسمیں فرق نہیں آنے دیتے تھے ۔ کامل چالیس برس تک آپ نے ایک طور سے زندگی بسر کی ۔ صبح کی نماز کے بعد "مسبعات عشر" اور قرآن مجید کی تلاوت فرما کر دو گھنٹہ سوتے ۔ آٹھ بجے کمرے پر تشریف لاتے علم دوست لوگوں کی صحبت رہتی مذاکرہ رہتا ۔ صاحبزادوں میں جس کو چاہتے اسی وقت پڑھاتے ۔ گیارہ بجے مسواک اور منجن سے منہ دھوتے اور کھانا تناول فرماتے ۔ پھر دو گھنٹہ آرام فرماتے ۔ دو بجے ظہر کی نماز پڑھ کر تلاوت قرآن مجید ، دلائل الخیرات پڑھتے پھر عصر کی نماز کے بعد مسبعات عشرا اور اوراد و وظائف میں مغرب تک مصروف رہتے ۔ عصر کی نماز کے بعد حقہ یا پانی بھی کبھی نہ پیتے اور کسی سے کلام نہ فرماتے ۔ مغرب کی نماز کے بعد نوافل پڑھتے اور صلوٰۃ اوابین بیس رکعت پڑھتے ۔ بعد ازاں کمرے کی کواڑ بند کر کے دیر تک مشغول رہتے ، ساڑھے آٹھ بجے شب کو پھر ملنے والے آتے اور گیارہ بجے رات تک علمی مذاکرہ رہتا اس درمیان میں حقہ

---

(۱) حیات شاہ غنی مطبوعہ صفحہ ۱۴۶ - ۱۴۷

پانی عطر سے مہمانوں کی خاطر ہوتی دن رات میں جس وقت آپ
فارغ رہتے حقہ تیار رہتا تھا۔ گیارہ بجے شب کو عشا کی نماز پڑھتے
اور پھر مشغول رہتے۔ پچھلی شب میں نماز تہجد پڑھتے اور اکثر ان سورتوں
حم سجدہ، الم سجدہ، دخان، ملک، قمر، نجم کو ایک رکعت میں ایک
سورۃ پڑھتے۔ فرض پنجگانہ کے بعد قبل دعا آیۃ الکرسی پڑھتے۔
سورہ یٰسین، سورہ فتح، سورہ عم، سورہ نازعات، سورہ رحمٰن،
سورہ ملک، سورہ جمعہ کی تلاوت اوقات معینہ پر کرتے۔ امن الرسول
آیۃ قطب اکثر اوقات میں پڑھتے۔ چالیس برس سے شب کو خواب
استراحت نہ فرمایا۔ دن رات میں ایک دفعہ کھانا کھاتے وہ بھی
کم مقدار میں۔ نماز تو کم سنی سے پڑھتے تھے مگر تراویح آٹھ نو سال
کی عمر سے وصال کے وقت تک پابندی سے پڑھتے رہے۔ جوانی
کے وقت میں اعتکاف کو اکثر جامع مسجد میں جاتے اور کبھی کبھی حضرت
مخدوم جہاں کے آستانہ کی مسجد میں اعتکاف فرماتے۔ کچھ دنوں تک
آپ جمعہ کی نماز حبیب خاں کی مسجد میں پڑھا کئے بعد ازاں مخدوم
جہاں کے حجرے والی مسجد میں ایک عرصہ تک پڑھتے رہے مگر جب
۱۲۰۵ھ میں یہ مسجد جو مکان اور خانقاہ کے متصل تیار ہوگئی تو ہمیشہ
اسی میں نماز پڑھتے رہے۔ رمضان شریف کا روزہ پابندی سے رکھتے

بلکہ عشرہ محرم اور ماہ رجب کے روزے بھی آپ سے ترک نہ ہوئے ، سخت بیماری میں بھی رمضان کا روزہ حتی الامکان قضا نہ کیا۔ رمضان کے زمانے میں نماز نوافل تلاوت کلام پاک اور اوراد کی کثرت فرماتے تھے ۔ جب سے آپ کو لقوہ کا مرض لاحق ہوا تو برابر تیمم کر کے نماز پڑھتے ۔ جس وقت آپ تیمم کرتے چہرہ انور میں وہ تابانی ہوتی کہ بیان سے باہر ہے ۔ چہرہ مبارک منور اور سرخ ہوجاتا ۔"

جس زمانے میں تشنج اعصاب کا مرض لاحق ہوا اور اس کے باعث ہر حرکت نشتر زنی کا کام کرتی تھی ۔ اس وقت بھی انہوں نے اپنے کسی معمولات میں فرق نہیں آنے دیا ۔

جناب حضورؒ کی ساری زندگی رشد و ہدایت اور عبادت و مجاہدہ میں بسر ہوئی ۔ آپ سے بے حساب لوگ مرید ہوئے ۔ جن کی تعداد بتانا مشکل ہے ۔ لیکن آپ کے خلفائے مجاز کے نام البتہ محفوظ ہیں جو درج ذیل ہیں :-

۱ - حضرت سید شاہ برہان الدین احمد قدس سرہٗ

۲ - حضرت سید شاہ محمد حیات صاحب رضا قدس سرہٗ (جو آپ کے بعد سجادہ نشین ہوئے)

۳ - حضرت سید شاہ وصی احمد عرف شاہ براتی صاحب قدس سرہٗ ۔

۴ - حضرت سید شاہ مولانا محمد فاضل صاحب قدس سرہٗ (نبیرہ حضرت مولانا اشرف علی نوابادی)

۵ - جناب مولانا سید شاہ محمد سعید صاحبؒ

۶- جناب سید شاہ محمد وجیہ الدین صاحبؒ

۷- جناب حکیم سید شاہ محمد حمید صاحبؒ

۸- جناب سید شاہ ولی احمد صاحبؒ (انصاری محلہ بہار شریف)

۹- جناب سید شاہ محمد یوسف صاحبؒ راجگیری

۱۰- جناب حاجی حیدر علی شاہ صاحب کابلیؒ

۱۱- جناب حاجی شیخ خیرات احمد صاحبؒ

۱۲- جناب مولوی جمال الدین شاہ صاحبؒ گورکھپوری

۱۳- جناب سید شاہ فضیلت حسین صاحبؒ مفتی گنج ضلع پٹنہ

۱۴- جناب سید شاہ بشیر الدین صاحبؒ محلہ سوہ

۱۵- جناب سید شاہ بدیع الدین صاحبؒ سہسرام

۱۶- جناب سید شاہ یاور حسین صاحب فردوسیؒ (خانقاہ محلہ)

۱۷- جناب حافظ محمد اسلام صاحبؒ غازیپوری

۱۸- جناب قاضی سید ظہیر احسن صاحبؒ محی الدین پور

۱۹- جناب سید شاہ محمد ناظم صاحب مانپوریؒ

۲۰- جناب سید شاہ ولی احمد صاحبؒ (خانقاہ محلہ)

۲۱- جناب مولوی عبدالرحمٰن خان صاحبؒ امرتسری

۲۲- جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحبؒ بمبئی

۲۳- جناب مولوی مبارک حسین صاحبؒ ڈومریا ضلع گیا

۲۴- جناب مولانا مولوی سید شاہ منیر الدین احمد صاحبؒ (چھوٹا تکیہ بہار شریف)

۲۵- جناب سید شہامت حسین صاحبؒ (مخدوم پور کرڈھواں ضلع گیا)

۲۶- جناب شیخ واعظ الحق صاحب نگر نہسہ ضلع پٹنہ

۲۷- جناب سید شاہ ابو محمد اشرف حسین صاحبؒ سجادہ کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد

۲۸- جناب تھل تھل شاہ صاحبؒ دیگھوی

۲۹- جناب مولانا شہاب الدین احمد صاحب شہسرام

۳۰- جناب مولانا سید شاہ رشید الدین احمد صاحب (خانقاہ محلہ)

۳۱- جناب مولوی حافظ شاہ معز الدین صاحب کوپا بازید پور ضلع پٹنہ

۳۲- جناب حافظ سید شاہ محمد شفیع صاحب فردوسیؒ (خانقاہ محلہ)

۳۳- جناب سید شاہ نجم الدین نجم فردوسی مدظلہٗ (خانقاہ محلہ)

حضرت جناب حضور کی تعلیم و تربیت کا یہ طریقہ تھا کہ ذکر اثبات و نفی یا اسم ذات یا شغل، توحید ناب یا پاس انفاس، مراقبہ، برزخ اور شیخ کے بارے میں بتاتے تھے کسی کو کثرت اوراد و نوافل و صوم و تلاوت قرآن مجید کا حکم دیتے تھے۔ پابندی اور استقامت کی طرف بہت رغبت دلاتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے کہ درمیان دو لب اور دو ران کو جس نے مناہی سے محفوظ رکھا اس پر طریقت کی راہ بند نہیں اور جو شخص

مرتکب زنا ہے اس کو طریقت سے بہرہ نہیں ہو سکتا۔ جو شخص آپکی مرضی پر چھوڑ دیتا اس کی بیعت سلسلہ فردوسیہ میں لیتے اور ابوالعلائیہ تعلیم دیتے اور جو اپنی خواہش کسی غیر سلسلہ کی ظاہر کرتا اس کی بیعت و تعلیم اس سلسلے میں کرتے جس کا وہ خواہش مند ہوتا۔

تعلیم و تربیت کے لئے برابر مریدوں کا حلقہ قائم ہوتا۔ خاص و عام دونوں طریقوں پر جلسے قائم ہوتے جس میں مریدوں کی تعلیم ہوتی۔ فیض باطنی سے ان کی اصلاح کی جاتی۔ یہ جلسے کبھی مخدوم الملکؒ کے حجرہ شریف میں کبھی بیچ والے کمرے میں کبھی دکھن والے کمرے میں ہوتے۔ آپ نے بعض عورتوں کو بھی ذکر و شغل کی تعلیم فرمائی تھی جن میں اہلیہ جناب مولوی حاجی مقبول احمد خان صاحب اسلام پور اور والدہ شیخ محمد عمر صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

آپ خطوط کے ذریعہ بھی اکثر مریدوں کو تعلیم اور ہدایت طریقت فرماتے تھے۔ خطوط فارسی اور اردو دونوں میں ہوتے تھے ۔ ایک دو خطوط نمونتہً درج ذیل ہیں :۔

"مکتوب بنام سید شاہ بدیع الدین احمد امیتھوی ثم سہسرامی"

برخوردار سعادت آثار فرخندہ کردار سلمہ اللہ تعالےٰ

پس از دعا و صلاح و فلاح دارین واضح ولائح باد۔ خط بہجت نمط مشعر بر حال رسیدن بعافیت مکان شہر ام و استفسارِ حال علالت عزیزی سلمہٗ و دیگر امور بہ وصول در آمد۔ صورت این است کہ ہنوز افاقہ معتد بہ نیست بخار ہم ہمہ دم لاحق می باشد و طحال ہم بحالت خود است اما بفضلہ آن قدر کرب کہ در وقت آمد تپ می شد دران تخفیف است۔ و بہ برائے نماز حفظ الایمان کہ نگاشتہ اند ترکیب مرقوم قلم می گردد و برائے خواندن سورہ ملک و مزمل کہ استدعا نمودہ اجازت خواندن این ہر دو سورہ ہم دادم اول و آخر ہفت ہفت بار کہ امی درود خواندہ بدین مداومت دارند کہ برائے رفع تنگی معاش از بارگاہ حضرت مخدوم الملک قدس سرہٗ بہ بعضے مریدان ارشاد ورفتہ است در مکتوب صدی موجود است۔ وعلاوہ بر مسبعات عشر اگر مواظبت نمائند برائے صلاح و فلاح دارین عجب چیز است اما این قدر است کہ ہر کسے کہ آن را شروع نماید باز ترک نکند و الا نحمت ہم چناں می شود اگر قدرت باشد آغاز نماید۔ و اگر خوف ترک باشد شروع نکند۔ و ترکیب حفظ الایمان این است دو رکعت نماز بعد مغرب بگذارد و بخواند در ہر دو رکعت سورہ اخلاص ہفت بار معوذتین یک یک بار و بعد از سلام بسجدہ رود و ہفت بار بگوید یا حی یا قیوم ثبتنی علی الایمان دعا

امین احمد فردوسی از بہار شریف

مرقوم ۲۷ر شوال سنہ ۱۳۱۰ھ

ایضاً در اُردو

عزیز ولی سعید ازلی سلمہٗ ربہٗ ۔ از امین احمد فردوسی سلام و

دعا مطالعہ نمائند ۔

خیریت ہے ۔ تمہاری عافیت چاہتا ہوں ۔ خط پہنچا حال

معلوم ہوا ۔ اللہ تعالےٰ اپنا فضل کرے اور تم عزیز از جان کو خیریت

وسلامتی سے رکھے ۔ ترکیب سراج القبر یہ ہے کہ بعد نماز مغرب دو رکعت

نماز نفل پڑھے ۔ بعد فاتحہ کے قل یا ایھا الکافرون ہر رکعت میں پانچ

پانچ بار بعد سلام کے یہ دعا سات مرتبہ پڑھے :۔ اللھم اجعل ھذہ

الصلوٰۃ سراجاً فی قبری وقبور جمیع المومنین منہ پر مس کرے فقط

امین احمد

جناب حضورؒ اپنے خلفا کو خلافت نامہ بعض مرتبہ سادہ دیتے تھے ۔ اور

بعض مرتبہ مخصوص ہدایتوں کے ساتھ عنایت فرماتے گویا ان کی طرف اور

صلاحیتوں کا اندازہ کر کے دیتے تھے ۔ اپنے فرزند سید شاہ وصی الدین احمد

عرف شاہ براتی قدس اللہ سرہ کے نام جو خلافت نامہ ہے اس میں کافی کڑی

ہدایتیں ملتی ہیں ۔ نمونتہً دو خلافت نامے درج ذیل ہیں :۔

"نقل خلافت نامہ بنام حضرت سید شاہ وصی احمد عرف شاہ براتی رح"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ

الذین کانوا فی حبہ مشغولین خصوصًا علیٰ سیدنا محمد

المصطفیٰ تاج العاشقین وآلہ واصحابہ المھتدین

امابعد مخفی مباد کہ قرۂ باصرہ لیاقت وقابلیت ومردمک دیدۂ سعادت

واہل بیت مولوی سید شاہ وصی احمد عرف شاہ براتی پسر ایں فقیر ونواسہ

سید شاہ ہدایت حسین عرف شاہ جملو با قری نوابادی کہ بزیور اتقا آراستہ

وبک پاس ریاضت پیراستہ در سنہ ۱۳۰۴ھ نبوی صلعم بہ روئت ایں فقیر

امین احمد فردوسی عفی عنہ وعن اسلافہ در سلسلہ بیعت کردہ بودند واخذ

نسبت ابوالعلائیہ یافتہ واز ساغر صحو وسکر فی ذوق شوق چشیدہ

چوں موصوف الیہ را بر جادۂ شریعت وطریقت بہ روش آبائی خویش

مستقیم یافتم اجازت بیعت گرفتن وارشاد وتعلیم دادن در سلسلہ فردوسیہ

وقادریہ وسہروردیہ وچشتیہ وابوالعلائیہ ونقشبندیہ وزاہدیہ

کہ ایں فقیر را از پیر دستگیر خود حضرت شیخ الاسلام والمسلمین حضرت شاہ

جمال علی قدس اللہ سرہ العزیز واز والد بزرگوار حضرت سید شاہ امیرالدین

قدس سرہٗ واز مرشد پاک حضرت ولایت علی اسلامپوری قدس سرہٗ

وحضرت مولانا محمد موسیٰ قدس سرہ حاصل است واجازت اوراد
چشتیہ وفردوسیہ ونقشبندیہ واجازت اذکار واشغال کہ در کتب
اوراد پیر است وجمیع آنچہ مخصوص بہ خاندان ما است دادم وبخشیدم
او تعالےٰ شانہٗ فائز المرام گرداند وخاتمہ او وہم فقیر بخیر گرداند۔ بہ بمیہ
وکرمہٖ باید کہ بر جادۂ شریعت وطریقت مشغول باشد وہر کہ برائے بیعت
وارشاد بہ صدق نیست باو رجوع آرد اورا محروم نہ گذارد وبیعت گیرد
وتوجہ عینی وقلبی بدہد ووصایا مراخو حال او نماید وخود را درمیان
نہ بیند بلکہ دست خود نائب دست پیران دانستہ بایں امر خطیر مبادرت
نماید وتامقدور از جادۂ شریعت بیرون نہ رود۔ واوقات خود را
ضائع وبے حاصل صرف نکند ولیل ونہار خود را از نوافل ووظائف
معطل ندارد خصوصاً از تلاوت قرآن مجید وصلوٰۃ بر رسول صلعم و
کلمہ طیبہ ۱۲۵۰۰ ودرود واستغفار در روز وشب بقدر فرصت ہر قدر
کہ تواند کہ دریں ثواب بسیار وفوائد بے شمار است وبے تکلفی تقوائی۔
اشعار خود سازد واز ریا وسمعہ بہ پرہیز دواز آں استغفار نماید وسماع
را دوست دارد ووجد وذوق را موجب ترقی خود شمارد کہ روش
پیران بریں روش بودہ است امادر سماع شرط رانگاہ دارد۔
والسلام شعر:۔

دادیم نشان زگنج مقصود ترا گر ما نہ رسیدیم تو شاید برسی

تمت ھذہ

اجازت دادم امین احمد فردوسی بقلم خاص

نقل خلافت نامہ بنام شاہ بدیع الدینؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علی سیدنا محمدن المصطفیٰ وعلیٰ آلہ المجتبیٰ واصحابہ ائمۃ الھدیٰ امابعد می گوید فقیر امین احمد فردوسی القادری ابوالعلائی چشتی غفرلہٗ ولوالدیہ کہ سید دارین عزیزم شاہ بدیع الدین سلمہ اللہ تعالےٰ ووفقہ اللہ تعالےٰ علی الخیر وصانہ اللہ تعالےٰ عن الضیر کہ بردست فقیر بسلسلہ عالیہ قادریہ ارادت آوردہ وبیعت نمودہ وتوبہ درست کردہ و اخذ نسبت وتوجہ بسلسلہ پاک ابوالعلائیہ نمودہ ہر آیہ مشارٌ الیہ را دیدم بحلیہ صلاح آراستہ وبزیور فلاح پیراستہ لہٰذا اجازت تعلیم وتوجہ درسلسلہ ابوالعلائیہ واجازت گرفتن بیعت درسلسلہ عالیہ فردوسیہ واویسیہ وچشتیہ وقادریہ وابوالعلائیہ بایشاں دادم باید کہ برجادۂ شریعت وطریقت مشغول حق باشند وہر کہ ارادت آرد بیعت گیرند وتوجہ دہند وما یا فراخور حال وے نمانند واللہ المستعان

والیہ التکلان اجازت بیعت گرفتن دادم۔

کتبہٗ امین احمد فردوسی بقلم خاص محررہ بست و پنجم ماہ محرم الحرام ۱۳۱۱ھ نبوی صلوٰۃ اللہ علیہ وعلی من تبعہ وعلی من اتبعہ فقط

حضرت جناب حضورؒ کے ملفوظات باضابطہ نہیں جمع کئے گئے ہیں حالانکہ وہ اگر جمع کئے جاتے تو بحر طریقت و سلوک کے بیش بہا موتی ہوتے پھر بھی جناب شاہ نجم الدین نجم فردوسی مدظلہٗ (نبیرہ جناب حضورؒ) نے کچھ ان کے اقوال اپنی تصنیف حیات ثبات میں نقل کئے ہیں جو زیادہ تر ان کے مریدین معاصرین اور گھر والوں کی زبانی تحقیقات کر کے جمع کئے گئے ہیں۔ ہم ان میں سے کچھ کا اقتباس اس جگہ درج کرتے ہیں:۔

ایک بار جناب مولانا سید شاہ محمد سعید صاحبؒ (فرزند جناب حضورؒ) نے جناب حضور سے یہ سوال کیا کہ شریعت طریقت اور حقیقت کیا ہے آپ نے جواب دیا کہ "الشریعۃ اقوالی والطریقۃ افعالی والحقیقۃ احوالی" یعنی حضرت صلعم کے اقوال پر عمل کرنے سے جو احوال مرتب ہوتے ہیں وہی حقیقت ہے۔

مولوی سید محمد کریم صاحب کا بیان ہے کہ ایک بار جناب حضور شاہو گہہ تحصیلدار صاحب کے یہاں تشریف لے گئے تھے۔ عبداللہ شاہ عرف حکیم شاہ مبارک صاحب اس زمانے میں اسی گاؤں کی ایک مسجد میں رہتے تھے

عصر کے وقت جناب حضورؒ اس مسجد میں نماز پڑھنے گئے تو شاہ صاحب موصوف نے پوچھا کہ خدا کھاتا پیتا اور چلتا بھی ہے۔ جناب حضورؒ نے فرمایا "ہاں میاں خدا کھاتا بھی ہے پیتا بھی ہے اور چلتا بھی ہے مگر میرے ہاتھ میرے پاؤں اور میرے منہ ہے" اس کو کچھ ایسے زور سے فرمایا کہ تمام حاضرین بکیف ہو گئے۔

حضرت جناب حضورؒ نے فرمایا کہ اگر کسی کو شیخ کی صحبت میں کم بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے تو حضرت مخدوم جہانؒ کے حجرہ شریف میں بیٹھے مرشد کے فوائد حاصل ہوں گے راجگیر شریف کا حجرہ دور ہے تو حضرت مخدوم جہانؒ کو بھی مکان فصل ہے اور یہ نزدیک ہے اس حجرے میں وہی بات ہے۔

جناب مولانا سید شاہ محمد سعید صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جناب حضورؒ نے فرمایا کہ اسم ذات کو عروج ماہ میں بقید مکان و وقت بارہ ہزار مرتبہ ایک چلہ پڑھے تو ایسا کشود ہو گا کہ بیان سے باہر ہے۔ ہم کو اس کی اجازت اپنے والد ماجد حضرت شاہ امیر الدین قدس سرہ سے ہے اور ان کو حضرت شاہ حمید الدین راجگیری سے تھی مگر اس چلہ میں مباشرت سے پرہیز کرنا چاہئے۔

مولانا ممدوح فرماتے ہیں کہ ایک روز یہ فرمایا کہ دوشنبہ کی صبح کو غسل کر کے نیا کپڑا پہن کر خوشبو لگائے اور بعد نماز ظہر سات سو مرتبہ یہ درود شریف پڑھے اللھم صل علے سیدنا محمد بعد وکل ذرۃ

الف الف مرتبہ پھر ممکن ہو تو شام کے وقت بھی غسل کرے اور نیا یا دھلا ہوا کپڑا پہنے شب کے وقت تنہا مکان میں سوئے اور ممکن نہو تو کسی کے ساتھ نہ سوئے اور اس دن کسی سے بات نہ کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ شرف زیارت سے رسول اکرم کے مشرف ہوگا بعد حصول زیارت کسی پر یہ راز افشا نہ کرے ورنہ پھر زیارت نہوگی۔

شاہ رجو صاحب کی وساطت سے جناب حضورؒ کے ایک صاحبزادے نے آپ سے تسخیر کا عمل دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس صرف ایک نقش ہے یعنی امین طالب احمد مطلوب۔ اس کے سوا کوئی چیز نہیں ہے۔ جی چاہے تو لے لو۔ دوسری بار پھر شاہ رجو صاحب بھیجے گئے اور وہی جواب ملا۔

سید بشیر الحق ساکن بہہ پورہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جناب حضور سے سوال کیا کہ بعد وصال بھی آپ اپنے مریدوں کی امداد فرمائیں گے جواب میں فرمایا کہ جب شیخ با ایمان جاتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے نیام سے تلوار باہر ہو جائے۔

جناب مولانا سید شاہ محمد فاضل صاحب فرماتے ہیں کہ ایک روز جناب حضورؒ نے مجھ سے کہا کہ ملا محب اللہ بہاری کا یہ قول مجھ کو پسند ہے بالجملہ جانب النبی خیر من جانب علی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو

اگر کوئی برا کہتا ہے تو حضرت علی علیہ السلام کی جانب داری ہیں اور جو بھلا کہتا ہے وہ حضرت رسول اکرم صلعم کی جانب داری ہیں تو ہم کو جانب داری حضرت اکرم صلعم کی پسند ہے۔

جناب حاجی شیخ خیرات حسین مرحوم (محلہ شیر پور) حسب اجازت زیارت آستانہ حضرت غوث پاک تشریف لے گئے اور وہاں حاضر ہوئے تو جناب حضورؒ نے فرمایا کہ جب سے خیرا تو میاں بغداد شریف گئے ہیں حضرت غوث پاک کی عنایت بڑھ گئی ہے اور قاعدہ کی بات ہے کہ آدمی اپنے عوض میں جب کسی خاص عزیز کو کسی تقریب میں کہیں بھیجتا ہے تو خود اس کا جانا شمار ہوتا ہے۔

منشی لیاقت حسین مختار صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب کبھی آپ کے متوسلین میں سے کوئی شخص اکبر آباد (آگرہ) ہو کر اجمیر شریف جانا چاہتا تو آپ فرما دیا کرتے تھے کہ اکبر آباد شریف سے جب اجمیر شریف کا قصد کرنا تو حضرت سیدنا کے حضور میں عرض کرنا کہ میرے پیر نے مجھ کو حضور تک بھیجا ہے اب یہاں سے اجمیر شریف جانا حضور عالی کی مرضی مبارک پر موقوف ہے اگر اجازت ہو تو جانے کا عزم کرنا ورنہ عزم نہ کرنا۔ مختار صاحب نے عرض کیا یا حضرت اجازت کا حال کیونکر معلوم ہوگا۔ جناب حضورؒ نے فرمایا کہ اس ارادے میں استحکام ہوگا اور بغیر گئے ہوئے دل نہ مانے گا۔

جناب سید شاہ یاور حسین صاحبؒ (خانقاہ محلہ) فرماتے ہیں کہ مجھکو ارشاد فرمایا" ہر نماز کو جب پوری طرح مع فرض وسنت تمام کر لیا کرو تو دس مرتبہ سورہ اخلاص اور ایک مرتبہ سبحان ربک رب العزت عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین پڑھ کر ہتھیلی پر دم کر کے منہ پر ہاتھ پھیر لیا کرو اس کا فائدہ یہ ہے کہ نماز قبول ہو جاتی ہے۔

جناب شاہ عبدالحی صاحب سے جناب حضورؒ نے فرمایا کہ اگر راہ یا کہیں پر سانپ ملے تو سلام علی نوح فی العالمین تین بار پڑھ کر اور دہائی حضرت جمال ہانسویؒ کی کہہ کر تین بار دستک دے دو سانپ نہ بھاگے گا۔ مگر خود نہیں مارے۔

جناب حافظ سید شاہ محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت بوجہ عزیز داری موضع خواجہ پورہ قاضی نعمت مجیب الحق صاحب کے یہاں تشریف لے گئے تھے۔ جناب حکیم وارث حسین صاحب منیری جو حضرت سید شاہ ولایت علی قدس سرہٗ کے مرید تھے اور صاحب وجد و حال تھے اور حضرت مخدوم الملکؒ سے بہت شغف رکھتے تھے ان کی خواہش ہوئی کہ تصنیف را مصنف نیکو کند بیان۔ شغل توحید ناب جو حضرت مخدوم جہاں کے ذات قدسی صفات کی بدولت خاص طالبان حق کو

پہنچاہے اور آج تک بعض بعض خاندان میں اس کی مشق قائم ہے اس سے
کیا بہتر ہوگا کہ نعمت مخدوم جانشین مخدوم کے وسیلہ سے حاصل کی جائے
چنانچہ حکیم صاحب موصوف نے نہایت اخلاص و محبت سے درخواست
کی، آپ نے بھی خوشی سے منظور فرمایا اور اس شغل کی تعلیم سے بمقام خواجہ پورہ
حکیم صاحب کو سرفراز کیا۔

جناب سید شاہ محمد حیات صاحب سجادہ نشین حضرت مخدوم الملکؒ
فرماتے ہیں کہ ایک روز مجھے حضرت جد امجد پیر و مرشد مخدوم و مطاع جناب
حضور قدس سرہٗ نے دن کو یکایک طلب فرمایا اس وقت حضرت اقدس
مخدوم باغ کے مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ میں حاضر ہوا اور زمین
ادب چوم کر بیٹھ گیا۔ منجملہ اور باتوں کے حضرت مخدوم جہاںؒ کے فضائل
و برکات کا ذکر آ گیا۔ ارشاد ہوا کہ حضرت مخدوم کے فیض و برکت کی کچھ
انتہا نہیں ہے۔ اتنی صدیاں گزر گئی ہیں مگر آج تک جو سرزمین آپ کے
فیضان سے معمور ہو گئی ہے اس میں کچھ تغیر پیدا نہیں ہوا ہے، وہی
نسبت وہی کیفیت موجود ہے خصوصاً یہ تین جگہیں تو ایسی ہیں کہ مرشد
کامل کا کام کرتی ہیں۔ حجرہ راجگیر شریف، خاص درگاہ شریف اور خاص
حجرہ خانقاہ معظم اس راز سے میں تم کو آگاہ کرتا ہوں اور فوائد باطنی کیلئے
ایک نسخۂ اکسیر بتا دیتا ہوں۔ راجگیر شریف دور ہے برابر وہاں کی حاضری

کب میسر آسکتی ہے اور درگاہ شریف کو بھی کچھ فصل ہے روزانہ حاضری دشوار ہے یہ حجرہ خانقاہ معظم جہاں اس ریاضت کشیدہ جوگی نے حضرت مخدوم کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ تو کرتار روپ ہو گئے ہیں اور جہاں حضرت قاضی زاہدؒ کو یہ جواب ملا تھا کہ صوفی وہ ہے جو تو ذ و نہ نام حضرت عزت جلت قدرتہ کے ساتھ موصوف ہو اور مقام شیخی اس سے بالاتر ہے۔ اس حجرہ متبرک میں حاضر ہونا اور ذکر و شغل کرنا وہی فائدہ بخشے گا جو فائدہ شیخ کامل کی تعلیم و تربیت اور توجہ سے حاصل ہوتا ہے فوراً ہر طالب حق ولی کامل نہیں ہوتا اگر زمانہ دراز تک اس کو مرشد کامل کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ زمانہ جیسا ظاہر ہے۔ اس لئے میں تم کو گوش گذار کرتا ہوں۔

جناب حضور قدس اللہ سرہٗ کی بدفعات پانچ شادیاں ہوئی تھیں اور آپنے پانچوں کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ رکھا اور کبھی کسی میں شکر رنجی نہ ہونے دیا شادیات کی تفصیل مع تعداد اولاد درج ذیل ہے :۔

پہلی شادی موضع آنتی ضلع گیا راجہ بہادر علی خاں مرحوم کی صاحبزادی سے ہوئی۔ جن سے ایک بیٹا سید شاہ برہان الدین احمدؒ اور ایک بیٹی بی بی اسن مرحومہ ہوئیں۔ سید شاہ برہان الدین احمدؒ کو جناب حضورؒ نے خانقاہ معظم کی سجادگی پر نامزد کر دیا تھا لیکن حیات نے وفا نہ کی اور وہ اپنے والد ماجد

جناب حضورؒ کی زندگی ہی میں ۱۴ر صفر ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں تین صاحبزادگان (۱) سید شاہ محمد حیات صاحب فردوسیؒ (۲) سید شاہ نجم الدین نجم فردوسی مدظلہٗ اور (۳) سید شاہ مسیح الدین فردوسیؒ کو چھوڑ کر راہی ملک بقا ہوئے۔ جناب سید شاہ محمد حیات صاحبؒ اپنے جد امجد کے وصال کے بعد ان کی ہدایت کے مطابق سجادہ مخدوم الملک ہوئے۔

دوسری شادی شیخپورہ ضلع مونگیر میں جناب سید شاہ ہدایت حسین عرف شاہ جملو صاحب مرحوم کی صاحبزادی سے ہوئی۔ اس محل سے تین بیٹے (۱) سید شاہ وصی الدین احمد عرف شاہ براتی صاحب قدس سرہٗ ہوئے اور بقیہ دو بہت صغرسنی میں انتقال فرما گئے جن کا نام نہ معلوم ہو سکا۔

لہ حضرت مخدوم سید شاہ وصی احمد عرف شاہ براتیؒ جناب حضورؒ کے بہت نامور فرزند تھے۔ راہ طریقت اور سلوک میں آپ کا بہت بلند مقام تھا۔ علم ظاہری میں بھی آپ کا تبحر مسلم تھا۔ یوں تو حضرت جناب حضورؒ کے سب ہی فرزندان علوم ظاہری و باطنی میں آفتاب و ماہتاب تھے لیکن بالخصوص حضرت شاہ وصی احمد عرف شاہ براتیؒ نے اپنے کسب و ریاضت اور مجاہدہ سے راہ طریقت میں جو مقام حاصل کیا تھا وہ اُس دور کے کم مشائخ کو حاصل تھا۔ آپ کو بیعت اپنے والد ماجد جناب حضورؒ سے حاصل تھی۔ اور ان ہی سے علوم ظاہری اور باطنی کی تکمیل بھی کی تھی۔ کچھ دنوں تک حدیث، فقہ اور تفسیر کا درس اپنے حقیقی بہنوئی حضرت ... سید شاہ محمد فاضل حسینؒ

۱۱ ربیع الثانی ۱۲۸۷ھ کو محل اولی کا انتقال ہو گیا - اس کے بعد تیسری شادی میر مہدی حسین محلہ بارہ دری بہار شریف کی صاحبزادی سے ماہ ذیقعد ۱۲۸۷ھ میں ہوئی۔

(بسلسلہ ماسبق) سے بھی آپ نے لیا تھا - جناب حضورؒ کو آپ کی لیاقت اور صلاحیت کی وجہ سے غیر معمولی محبت تھی اور انہوں نے اپنے ہونہار فرزند کو کافی فیض بخشا اور حقائق و معارف کی تعلیم سے نوازا۔

آپ ماں کی طرف سے شعیبی ہیں - آپ کی والدہ حضرت شاہ ہدایت حسین عرف جملو صاحب باقری شعیبی شیخپوری کی صاحبزادی تھیں - آپکا سال پیدائش ۱۲۸۰ھ ہے آپ نے بہتر برس کی عمر پائی اور ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ مطابق ۳ دسمبر ۱۹۳۳ء روز یکشنبہ صبح کے ساڑھے سات بجے آپ کا وصال ہوا۔

عالم شباب ہی سے آپ کے مزاج میں صحو و سکر کا غلبہ تھا اور دل میں مذہبی جوش و ولولہ بدرجہ اتم تھا - طبیعت میں عشق و محبت کا سوز و گداز بہت نمایاں تھا - چالیس برس تک آپ نے اپنے والد ماجد اور مرشد کی ہدایت کے مطابق بڑی کڑی ریاضت کی - اور اپنے والد ماجد کے حکم سے ان کی زندگی ہی سے بیعت لینے اور رشد و ہدایت کی خدمت انجام دینے لگے تھے - بلکہ بعض اوقات خود جناب حضورؒ اپنے مریدان اور متوسلان کو آپ کی خدمت میں تعلیم و تلقین کے لئے بھیج دیا کرتے تھے - اکثر جناب حضورؒ آپ کی خلوت میں آکر مجلس سماع میں شریک ہوتے اور صاحبزادے پر فیضان کی بارش فرماتے - حضرت

اس محل سے دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہوئیں۔

(بسلسلہ ماسبق) شاہ وصی احمدؒ پر ابوالعلائیت کا بڑا غلبہ تھا۔ طبیعت وجد و کیف سے پر تھی۔ جس وقت آپ کو سماع میں ذوق ہوتا تھا مجلس کی مجلس نسبت و کیفیت سے معمور ہو جاتی تھی۔ آپ بہت وجیہ تھے۔ آپ کے چہرہ پر ایک خاص طرح کا نور، معصومیت اور وقار نمایاں تھا۔ جو دیکھتا آپ ہی کا کلمہ پڑھنے لگتا۔ آپ کے مریدوں کا حلقہ بہت زیادہ تھا۔ دور دور شہروں میں جیسے یوپی، دکن، کراچی یہاں تک کہ بیرون ہند جیسے کابل، عرب اور بخارا میں بھی آپ کے رشد و ہدایت کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور ہر جگہ آپ کے مریدین پائے جاتے ہیں۔ آپکی گفتگو بڑی شیریں اور پرکشش ہوتی تھی چہرہ پر حلم، زبان میں حلاوت اور نرمی نے تسخیر عالم کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔

آپ کی شادی اپنی چچا زاد بہن جناب سید شاہ تقی الدین احمد فردوسی کی صاحبزادی بی بی عزت الفاطمہ سے ہوئی تھی۔ لیکن آپ کو کوئی اولاد صلبی نہیں ہوئی۔ تجرید و تفرید کی زندگی بسر کی۔ بعد میں آپ نے اپنے حقیقی بھانجے مولوی حکیم سید شاہ محمد ابوالحسنات صاحب فردوسی مدظلہٗ کو متبنی لیکر تمام علوم ظاہری و باطنی کے زیور سے آراستہ کر لینے کے بعد اپنا خلیفہ، مجاز اور جانشین بنایا۔ اور علوم حقائق و معارف کی تعلیم کے علاوہ خاندانی اذکار اور اوراد کی تعلیم عطا فرمائی اور ہر طرح اپنے فیضان سے نوازا۔ حضرت مخدوم سید شاہ وصی احمدؒ کے وصال کے بعد ۶ شوال المکرم روز دوشنبہ ۱۳۵۲ھ کو حضرت سید شاہ حافظ محمد شفیعؒ صاحب نے اپنے اہتمام خاص سے تقریب دستار بندی و جانشینی

چوتھی شادی جناب خواجہ شاہ لطیف علی عرف شاہ میاں سجا صاحب علیہ الرحمۃ سجادہ نشین تکیہ حضرت عشق قدس سرہٗ کی صاحبزادی سے ہوئی۔

(بسلسلہ ماسبق) جناب حکیم سید شاہ ابوالحسنات صاحب مدظلہٗ کی مشائخین عظام کے مقابلہ میں انجام دی۔ طبیعت میں بہت سخاوت اور فیاضی تھی۔ جس نے جو طلب کیا دیا۔ قناعت کو آپ نے اپنا زیور بنالیا تھا۔ دنیا اور دولت کی بے وزنی بے ثباتی آپ پر روشن ہوگئی تھی۔ اور اس لئے آپ کے اندر اپنے آبا واجداد کا استغنا نمایاں تھا۔ نہ روپیہ آنے کی خوشی ہوتی تھی نہ جانے کا غم۔ جو آتا وہ اپنے عزیزان و مریدان و متوسلان پر فوراً صرف کر دیتے تھے۔ مزاج میں بڑی نفاست پسندی تھی۔ آپ کے خلفا کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن میں سے کچھ کے اسمائے گرامی جن سے سلسلہ جاری ہے درج ذیل ہے:۔

(۱) سید شاہ غلام فریدالدین صاحب کاکوی رحؒ (۲) سید شاہ ابراہیم صاحب کبر حری مدظلہٗ (۳) سید شاہ الطاف الحق سمبلپوری صاحب (۴) سید شاہ نصیرالدین صاحب جگر مدظلہٗ (بھانجہ بھی ہیں) (۵) سید شاہ رشیدالدین احمدؒ بن جناب حضورؒ (برادر خورد) (۶) سید شاہ ولی الحق پسر غلام فریدالدین احمدؒ (۷) سید شاہ منظور الحق صاحب خادم آستانہ مخدوم الملک (۸) سید شاہ محمد تاج الدین صاحب چک مجاہد (۹) سید شاہ ہادی حسن صاحب کوپا حال مقام کراچی (۱۰) ڈاکٹر سید محمد ہاشم صاحب رحمہ اللہ تعالےٰ (۱۱) سید شاہ رکن الدین صاحب۔

اس محل سے سات بیٹے اور سات بیٹیاں ہوئیں۔ بیٹوں کے نام درج ذیل ہیں
(۱) جناب سید شاہ حافظ محمد شفیع صاحبؒ [۱] (۲) جناب سید شاہ محمد وجیہ صاحبؒ

(بسلسلہ ماسبق) آپکا مزار اقدس بڑی درگاہ شریف حلقۂ اول میں ہے۔ آپکے بارے میں ایک خاص بات یہ کہی جاتی ہے کہ آپنے ایک سال پہلے ہی اپنے مریدوں سے فرما دیا تھا کہ میرا انتقال ۱۲۵۲ھ میں ہو جائے گا اور اس بنا پر آپ نے اپنی وفات سے کچھ روز قبل اپنا قل اور فاتحہ وغیرہ خود کر دیا تھا۔

[۱] جناب حضور حضرت سید شاہ امین احمد فردوسیؒ کے صاحبزادگان میں بعض علوم ظاہری میں تبحر رکھتے تھے تو بعض بحر عرفان و حقیقت کے شناور تھے۔ لیکن یہ خصوصیت صرف جناب حافظ سید شاہ محمد شفیع فردوسیؒ کو بھی حاصل تھی کہ علوم ظاہری و باطنی دونوں میں یکساں تھے اور اپنا ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ ابتدا میں حفظ قرآن جناب حافظ عبداللہ صاحب مرحوم سے اور عربی و فارسی کی ابتدائی تعلیم جناب مولانا سید امیر الدین صاحب سیدیؒ سے حاصل کی تھی، لیکن تکمیل علوم ظاہری و باطنی دونوں کی آپ کو اپنے والد ماجد جناب حضورؒ ہی سے ہوئی تھی۔ بیعت اور خلافت بھی آپ کو اپنے والد ماجد ہی سے حاصل تھی۔ جناب مولانا فاضل قدس اللہ سرہٗ سے بھی ارشاد اور خلافت حاصل کیا تھا۔ آپ کی پیدائش ۱۸ اگست ۱۸۷۸ء ہوئی تھی اور وصال ۱۴ دسمبر ۱۹۵۰ء مطابق ۴ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ روز پنجشنبہ بمقام ڈھاکہ ہوا اور وہیں سپرد خاک کئے گئے۔

(۳) جناب سید شاہ حکیم محمد عبدالحمید صاحبؒ ۔

(بسلسلہ ماسبق) ابتدائی زندگی میں عرصہ تک آپ نے مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں ملازمت کی تھی لیکن اس کے بعد علائق دُنیوی سے منہ موڑ کر صرف خدا کے ہو رہے اور اپنی عبادت اور ریاضت کے باعث اپنے ہم عصر مشائخ میں ایک خدا رسیدہ بزرگ سمجھے جاتے تھے ۔ آپ کے مریدوں کا حلقہ بہت وسیع تھا اور بالخصوص مشرقی پاکستان میں بہت بڑی تعداد آپ کے مریدین اور خلفاء کی ہے ۔

اُردو اور فارسی کے بہت قادر الکلام شاعر تھے ۔ ساتھ ہی نثر میں بھی ایک اچھے انشا پرداز مانے جاتے تھے ۔ عرصہ تک بہار شریف سے اُردو میں الامین نام کا ایک موقر ادبی ماہنامہ نکالتے رہے ۔ مخدوم الملک کی اہم تصنیف فوائد رکنی کا آپنے بہت ہی شستہ اور سلیس ترجمہ کیا ہے ۔ جو رسالہ الامین میں بالاقساط شائع ہوتا رہا لیکن علحدہ ابھی تک وہ طبع نہیں ہوا ہے ۔ اوراد شرفی (تصنیف مخدوم الملکؒ) کو اڈیٹ کر کے بھی شائع کرایا ہے جو سلسلہ فردوسیہ کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے ۔ آپ کے خطوط بہت دلچسپ اور دلکش ہوتے تھے جن میں اعلیٰ انشاپردازی کے نمونے ملتے ہیں اور بلاشبہ اس قابل ہیں کہ اکٹھا کر کے شائع کئے جائیں ۔

طبیعت میں حد درجہ سادگی اور انکسار تھا ۔ وہ دوستوں سے محبت اور تواضع سے اور عزیزوں سے شفقت سے ملتے تھے ۔ راقم الحروف کو اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع نصیب ہوا ہے اور ان کے پاس بیٹھ کر مجھے قرون اولیٰ کے صوفیا

(۴۴) جناب مولانا سید شاہ محمد سعید صاحب قدس اللہ سرہٗ۔

(بسلسلہ ما سبق) یاد آجاتے۔ چہرے پر ایک خاص قسم کی معصومانہ مسکراہٹ ہر وقت رہتی تھی جس سے پاس بیٹھنے والوں پر بھی انبساطی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ سماع کے وہ شائق تھے۔ اکثر میاں آصف (ایک نوجوان مرید اور خادم خاص) ان کو نعت و حمد خوش گلوئی کے ساتھ سنایا کرتے۔ چائے اور حقہ کے بہت زیادہ دلدادہ تھے۔ ملنے والوں میں ہر ایک کے مذاق اور صلاحیت کے مطابق گفتگو فرماتے۔ ابھی ایک کو تصوف کے اسرار و رموز بتائے جا رہے ہیں تو تھوڑی دیر بعد دوسرے ملنے والے سے شعر و ادب پر گفتگو ہو رہی ہے۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے:۔

آپ آئے جان آئی ساتھ تھا	ایک آنے میں دو آنا ہو گیا
ملتے جلتے رسم الفت بڑھ گئی	آتے جاتے آنا جانا ہو گیا
سو رہے عشاق جا کے قبر میں	بے ٹھکانوں کا ٹھکانا ہو گیا
تھی عشق میں غم کی نہ کمی خون جگر کی	کھا پی کے بہت چین سے اوقات بسر کی
حیران ہیں دل ایک ہے چوٹیں ہیں ہزاروں	کھاتے ہیں کدھر کی تو بچاتے ہیں کدھر کی
پھر سن کے مرا نالہ وہ گھبرا کے کہیں گے	کمبخت کو اس پر بھی شکایت ہے اثر کی
یہ نالہ مسحور ہے یا نغمۂ داؤد	ہلچل ہے شفیع آج سر عرش اثر کی

آپ فارسی میں بھی اکثر طبع آزمائی کرتے تھے۔ آپ کے فارسی کلام میں عجیب مستی اور کیف پایا جاتا ہے۔ زبان میں ایرانیوں کی سی شیرینی اور مٹھاس ہوتی ہے۔ نمونہ درج ذیل ہے:۔

۱۔ حسنش چو باد گوید	جانانہ چنیں باید

(۵) جناب سید شاہ محمد الیاس صاحب یاسؔ (۶) جناب حکیم سید شاہ محمد خضر صاحبؒ

(بسلسلہ ماسبق) عشقم بہ سخن آید دیوانہ چنیں باید

(۲) گہہ بیخود و گہہ مستم بالا و گہے پستم گہہ نیست گہے ہستم مستانہ چنیں باید

(۳) از عشق دلے دارم در سینہ نمی گنجد چو شد چو صافی پیمانہ چنیں باید

(۴) بے او نہ شوم گاہے بے او نروم جائے در عالم یکرنگی یارانہ چنیں باید

(۵) در بزمگہ وصلش می غلطم و می رقصم چوں شمع چناں باشد پروانہ چنیں باید

سلہ (حاشیہ دوسرے صفحہ کا) جناب مولانا سید شاہ محمد سعید صاحبؒ اپنے وقت کے جید علماء میں سے تھے ۔ عربی ادب اور حدیث میں خاص دستگاہ رکھتے تھے ۔ مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں درس و تدریس میں اپنی ساری زندگی گذاری ۔ راقم الحروف کو بھی آپ سے مشکوٰۃ شریف کے درس لینے کا شرف نصیب ہوا ہے ۔ طبیعت میں حد درجہ سادگی تھی ۔ چہرہ پر معصومیت اور رونق ٹپکتی تھی بڑی پاکبازانہ اور زاہدانہ زندگی گذارتے تھے ۔ بیعت آپ کو اپنے والد ماجد جناب حضورؒ سے حاصل تھی لیکن پیری مریدی نہیں کرتے تھے ۔ آپکی دو شادیاں ہوئی تھیں اور دونوں سے اولادیں ہوئیں ۔ طبیعت میں بڑی قناعت اور سیر چشمی تھی ۔

سلہ حضرت یاسؔ بہاریؒ مادی اور روحانی دونوں حیثیت سے بڑے باپ کے بیٹا تھے انہوں نے جب آنکھیں کھولیں تو دولت دینی اور دنیوی دونوں سے اپنے گھر کو مالا مال پایا ۔ اور اسی علمی اور روحانی دنیا میں اپنے والد ماجد جناب حضور حضرت سید شاہ امین احمد فردوسیؒ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت رہے ۔ آپ کی پیدائش ۲۵ ذیقعدہ روز پنجشنبہ ۱۳۰۵ھ میں

پانچویں شادی محل دوم وسوم کے قضا کر جانے کے بعد محلہ تکیہ بہار شریف جناب شاہ عبدالقادر صاحب صاؔمر حوم کی صاحبزادی سے ہوئی۔

(بسلسلۂ ماسبق) بہار شریف میں ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم مولانا عبدالعزیز خاکی بہاری سے ہوئی پھر فارسی تعلیم سے فراغت کر کے عربی علوم کی تکمیل مدرسہ حنفیہ بین بین کی عربی علوم سے فراغت کرنے کے بعد ۱۹۰۵ء میں طب یونانی کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے لکھنؤ تشریف لے گئے اور وہاں تکمیل الطب کالج سے علم طب کی سند حاصل کی۔ آپ کے استاد حکیم عبدالعزیز صاحب مرحوم آپ کی ذہانت اور فن طب میں علمی لیاقت کے بڑے مداح تھے لکھنؤ سے واپسی کے بعد کچھ دن تک بہار شریف میں قیام کیا پھر نوادہ ضلع گیا میں طبابت کرنے لگے اور یہی آپ کا ذریعہ معاش رہا۔

حضرت یاسؔ نے شاعری کا مذاق ترکہ میں پایا تھا۔ آپ کے والد ماجد حضرت ثباتؔ اور جدامجد حضرت وجدؔ رحمہم اللہ تعالےٰ اردو اور فارسی کے مسلم الثبوت شاعر تھے آپ نے چودہ برس کی عمر سے شاعری شروع کر دی تھی۔ ابتدا میں شاعری کے اندر جناب احمد علی عشرتؔ گیاوی سے اصلاح کی تھی پھر کچھ دنوں تک جناب حنیف علی رعبؔ متوطن شاہ آباد ضلع کرنال کو اپنا کلام دکھاتے رہے۔

نثر نگاری میں بھی آپ کا ایک خاص مقام تھا۔ مکتوبات صدی حضرت مخدوم الملک رحؒ کا جس خوش اسلوبی سے آپ نے ترجمہ فرمایا ہے وہ آپ کے تبحر علمی کو ظاہر کرتا ہے گندمی رنگ، چھریرا بدن، کشیدہ قامت، خشخشی داڑھی، ہمدرد آنکھیں

جن سے دو بیٹے (۱) جناب سید شاہ رشید الدین صاحبؒ (۲) جناب سید شاہ

(بسلسلہ ماسبق) چہرہ پر ایک خاص طرح کی کیفیت جسے ہم شرافت، شفقت اور بزرگی کا مرقع کہہ سکتے ہیں نمایاں تھی۔ طبیعت میں خودداری اور سادگی تھی۔ ان کے احساس خودداری نے ان کی گردن ہمیشہ بلند رکھی۔ ان کے ہر کام میں ان کی عزت نفس کی شان نمایاں تھی انکی نیت میں خلوص، قول میں سچائی اور عمل میں بے باکی تھی۔ وہ ایک ایسے شخص تھے جن پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔ ان کی آخری زندگی مالی مشکلات سے گھری ہوئی تھی لیکن آخر وقت تک انہوں نے اپنی خودداری اس طرح قائم رکھی کہ دم واپسیں اپنے اعزا سے خدمت تک بھی لینی گوارا نہ کی۔

حضرت یاس میرے قریب ترین بزرگوں میں تھے لیکن مجھے ان کو قریب سے دیکھنے کے کم مواقع ملے۔ پھر بھی جب کبھی ان سے ملا ان کی سادگی، خلوص شفقت اور تبحر علمی سے بہت زیادہ متاثر ہوا ان کا رہن سہن اور زندگی بہت سادہ تھی وہ عام لوگوں سے خندہ پیشانی سے اور اپنے عزیزوں سے محبت سے ملتے تھے۔ ان کی کم گوئی مشہور تھی۔ لیکن جب گفتگو کرتے تو ان کی گفتگو میں ایک عالمانہ سنجیدگی اور مٹھاس پائی جاتی تھی۔ علمی مشغلوں کے علاوہ ان کا محبوب مشغلہ لذیذ ترین کھانوں کا پکانا کھانا اور عزیزوں کو کھلانا تھا۔

مرحوم یاس کے نام سے پکارے جاتے تھے لیکن دراصل وہ مایوسی سے آشنا نہ تھے۔ انہیں معلوم ہی نہ تھا کہ پژمردگی اور درماندگی انسان کی زندگی کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔ وہ فکر و نظر کی حیثیت سے نہ صرف رفیع المرتبت انسان تھے، بلکہ

سلیمان صاحبؒ اور ایک بیٹی بی بی مقیّمہ مرحومہ ہوئیں۔

(بسلسلہ ماسبق) صاحب اجتہاد بھی ان کی زندگی کا آخری بڑا حصہ وقف ناکامی اور نامرادی رہا ہے۔ اس لئے کبھی کبھی ان کی شاعری میں قنوطیت کی جھلک تو دکھلائی دیتی ہے لیکن فانی کی طرح ان کے یہاں سپر اندازی نہیں ہے وہ زیادہ تر زندگی میں اس پر کاربند تھے

؎ تپش کی راحت اندوزی کہ روح زندگی میری

وہ کیسے لوگ ہیں جو درد سے فریاد کرتے ہیں

جب ہم حضرت یاسؔ کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ عام غزل گو شعرا سے مختلف ہیں۔ ان کے یہاں ایک طرح کا تسلسل پایا جاتا ہے۔ ان کا ایک الگ انداز بیان بھی ہے۔ انہیں زندگی اور موت کا راز معلوم کرنے کی تمنا ہے وہ عشق اور عشق کی کیفیات کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ ان کے دماغ میں جبر و اختیار کے مسئلے تلاطم پیدا کرتے ہیں اور وہ اکثر انسانی بے بسی پر چیخ بھی اٹھتے ہیں لیکن آخر میں وہ "آب و ہوائے غم" سے ساز کر لیتے ہیں اور اپنی اس مصالحت کو عاشقانہ کیف کا رنگ دے دیتے ہیں، ؎

گردش چشم گر آمادۂ بیداد رہے — دور گردوں کو نہ پھر کوئی سبق یاد رہے

دل فراوانی غم سے کبھی خالی نہیں یاسؔ — ہم مصیبت کے بھی عالم میں بہت شاد رہے

حضرت یاسؔ کے یہاں "سپردگی" "احساس حسن" "انا العشق" اور "عرفان حیات" کے شدید جذبات غم کی مسرتوں میں اکثر و بیشتر سموئے ہوئے ملتے ہیں، لیکن

جناب حضور حضرت سید شاہ امین احمد المتخلص بہ ثبات فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ اور نظم میں آپ کی کافی چیزیں موجود ہیں۔

(بسلسلہ ماسبق) "سپردگی" میں وہ اپنی انفرادیت اور خودی کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے مگر ساتھ ہی ساتھ احترام حسن اور انکسار شوق کے مدارج میں بھی وہ کوئی فرق نہیں آنے دیتے بلکہ اسے اور بلند اعلیٰ بنا دیتے ہیں؛ ؎

وعدہ دید کی امید میں مرکر پہنچے — دیکھیں اب فیصلہ کیا ہو سر محشر اپنا

کچھ دل پر اس طرح ہے کہ دعوٰی ہی آپکا — نازوں کا یہ پلا ہوا گویا ہے آپ کا

مرنے کے بعد جو رسے آنکھیں ملائے کیا — جو زندگی میں والہ و شیدا ہے آپ کا

دورِ سپہر نے مجھے پیسا سہی مگر — دورِ سپہر بھی تو کرشمہ ہے آپ کا

جب یہ کہا کہ جان بھی تم سے نہیں دریغ — کہنے لگے وہ ہنس کے "یہ کہنا ہے آپ کا"

اٹھتا ہے درد سینے میں تعظیم کے لئے — دل میں کبھی خیال جب آتا ہے آپ کا

اس ظلم میں بھی منہ کبھی موڑا ہی آپ سے — شکوہ کبھی زبان پر آیا ہے آپ کا

ضبط فغاں، وفور قلق پر جناب یاسؔ

یہ دل ہے آپ کا یہ کلیجہ ہے آپ کا

احساس حسن کے جذبات جناب یاسؔ کے یہاں بکثرت ملتے ہیں۔ جس حسن نے یاسؔ کو زندگی کا عرفان بخشا اور جس کی ایک چنگاری نے ان کے لئے حقیقت اشیاء کو منور کر دیا اس کی تعریف و توصیف نہ کرنا ان کے لئے ممکن نہ تھا: ؎

آپ کی تصنیفات جو زیادہ تر مثنوی پر مشتمل ہیں مندرجہ ذیل ہیں :-

(بسلسلہ ماسبق) ہو گیا اس کو یقین آپ کی یکتائی کا

نہ سمجھا مرا اب ناصح ناداں سمجھا

شاید آرائش گیسو کا یہی مطلب ہے میری جمعیت خاطر کا پریشاں کرنا

شبنم کی حقیقت نہیں خورشید کے آگے ہستی مری کیا ہے وہ جہاں جلوہ نما ہے

جناب یاس فارسی کے بھی قادر الکلام شاعر تھے اور اکثر و بیشتر فارسی میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ فارسی کلام کا کافی سرمایہ اس وقت میرے پیش نظر نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ ان کی صرف یہی ایک غزل ان کو فارسی شعر و ادب میں غیر فانی بنا دینے کیلئے کافی ہے :ے

از غم و درد ہجر او ترک وفا نہ می کنم مرگ اگر دوا شود رو بہ دوا نہ می کنم

راحت عاشقاں بود جور و جفائے دلبراں زاں بہ غم تو آشنا لب بہ دعا نہ می کنم

گفتم اگر کرم کنی بیکسم و غریب ہم گفت کہ شاہ حسم و رخ بہ گدا نہ می کنم

از من زار اے صبا عرضہ دہی بہ یار من نیست شبے کہ تا سحر یاد شما نہ می کنم

گفتمش از خرام ناز حشر بپا ہمی کنی گفتم کدام ادا از و حشر بپا نہ می کنم

چوں دل و دین من توئی امن و امین من توئی شکوۂ روزگار خود من ز خدا نہ می کنم

در رہ خار زار عشق یاس نہادہ ام قدم

تا نہ رسم بہ منزلے رو بہ قضا نہ می کنم

(۱) شجرات طیبات (۲) سلسلۃ اللآلی (۳) گل فردوس
(۴) گل بہشتی (۵) روضۃ النعیم (۶) عبرت افزا (۷) شہد و شیر
(۸) رسالہ علم نجوم (۹) رسالہ علم رمل (۱۰) مجموعہ رباعیات۔

مندرجہ بالا مثنویوں کے علاوہ آپ نے قطعات اور غزل بھی کافی لکھے ہیں۔ البتہ قصیدہ آپ نے کبھی نہیں لکھا اس لئے کہ کوئی قصیدہ آپ کا ملتا نہیں اردو میں آپ نے کوئی مثنوی نہیں لکھی لیکن رباعیاں اور غزلیات کافی موجود ہیں۔ مگر جو زور اور قدرت فارسی کلام میں پایا جاتا ہے۔ وہ اردو میں نہیں۔ نثر میں آپ کی کوئی تصنیف نظر سے نہیں گذری۔

اب ہم فرداً فرداً آپ کی مثنویوں پر تبصرہ کرتے ہوئے بعض بعض کا نمونہ بھی پیش کریں گے۔

شجرات طیبات:۔ اس میں مختلف سلاسل کے شجرے بڑی حسن و خوبی سے نظم کئے گئے ہیں۔

سلسلۃ اللآلی:۔ یہ مثنوی بھی شجرات طیبات ہی کی طرح

(بسلسلہ ملحق) ۱۴ ستمبر ۱۹۶۰ء ۱۰ بجے شب کو بہ مقام بہار شریف آپ کا وصال ہوا اور یہیں سپرد خاک کئے گئے۔

پس مردن ہمارے ضبط غم کی داد ملتی ہے
وفا کا نام جب آتا ہے ہم کو یاد کرتے ہیں

شجرے سے متعلق ہے۔ یہ ۱۲۹۱ھ میں منظوم ہوئی۔ اور اپنے زور بیان اور ندرت کے لحاظ سے بے مثل ہے۔

گل فردوس :۔ یہ مثنوی ۱۲۹۱ھ میں بحر رمل میں لکھی گئی ہے اس میں چار ہزار سے بالا اشعار ہیں۔ اس میں مشائخ فردوس کے حالات بڑے دلچسپ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ خاص کر حضرت مخدوم الملکؒ کے احوال ومناقب میں تو پورا زور بیان صرف کر دیا ہے۔ فصاحت و بلاغت اور صنائع بدائع میں یہ مثنوی بے مثل ہے۔ اس مثنوی کا اردو منظوم ترجمہ جناب سید شاہ قسیم الدین صاحب فردوسی ان دنوں کر رہے ہیں۔ خدا کرے مکمل ہو جائے۔

گل بہشتی :۔ یہ مثنوی ۱۲۹۷ھ میں بحر رمل میں بجواب گل کشتی مصنفہ میر ابو المعالی المتخلص بہ نجات اصفہانی لکھی گئی تھی۔ دونوں مثنویوں کو سامنے رکھنے کے بعد بعض عجیب تقابلی نکتے ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً میر نجات کے ممدوح شاہزادہ سید مہدی اصفہانی ہیں اور حضرت ثبات کے ممدوح سیدنا ابو العلا اکبرآبادیؒ۔ گل کشتی میں تین سو اشعار ہیں اور گل بہشتی میں تین ہزار اشعار۔ میر نجات کا ممدوح ایک نوجوان رند مشرب کشتی گیر ہے اور حضرت ثبات کے ممدوح بزرگ کامل، موجد طریقۂ ابو العلائیہ صاحب وجد وسماع ہیں۔ میر نجات نے جہاں یہ کمال پیدا کیا ہے کہ باوجود

کشتی گیری معشوقیت قائم رکھی ہے اور کشتی کے کل داؤ پیچ کا بہترین
عنوان سے ذکر کیا ہے وہاں حضرت ثباتؔ نے یہ کرامت دکھائی ہے کہ
جتنے فضل و کمال ایک اہل اللہ اور مرشد کامل میں ہونا چاہیئے ان سب کو
بہت ہی خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے۔ اور مریدی و عقیدت کے ادب کو
باوجود اظہار عشق و محبت کہیں پر ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ زبان میں وہ
فصاحت بلاغت اور زور ہے کہ اہل زبان سے کسی حال میں کم نہیں۔
اصطلاح تصوف اور علم موسیقی کے کل اصناف اس قدر دلکش انداز میں نظم
فرمائے گئے ہیں کہ میر نجاتؔ کا رنگ بالکل پھیکا پڑ گیا ہے۔ مطرب نامہ میں
وہ جوش و خروش ہے کہ طبیعت دنگ ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ مثنوی گل کشتی کے
جواب اور مقابلہ میں لکھی گئی ہے۔ اس لئے تقابل کا جذبہ ہر جگہ کارفرما ہے
اور ہم بھی اس تقابل کو نمایاں کر کے دکھانا چاہتے ہیں۔ میر نجاتؔ نے اپنا
ممدوح ایک دنیاوی شہزادے کو بنایا تو حضرت ثباتؔ نے اس منصب کیلئے
ملک دین و آخرت کے بادشاہ کو پسند کیا۔ اگر میر نجاتؔ کے اشعار میں زباندانی
محاورات اور شوخی طبع کے چٹخارے ملتے ہیں تو حضرت ثباتؔ کی اصطلاح
وزری اور معنی خیزی نے وہ عالم پیدا کر دیا ہے کہ فکر انسانی محو حیرت ہے
اگر میر نجاتؔ نے کشتی گیری کے لوازمات اور داؤں پیچ کو واقف کارانہ پیش
کیا ہے تو حضرت ثباتؔ نے ساز و رنگ اہل سماع کو کامل شرح و بسط سے

لکھا ہے۔ مختصر یہ کہ ایک طرف اگر زباندانی کا زور ہے تو دوسری طرف تبحر علمی، لیاقت اور فطری ذوق نے اس سے سبقت لے جانے کی کوشش کی ہے۔ اب ہم جگہ جگہ سے دونوں مثنویوں کے اشعار مقابلتہً پیش کریں گے

"در مدح ممدوح"

گل کشتی

گروہ پوشیدہ دگر شیر صفت آہوئے
باز ہنگامہ کشتی ست حریفاں ہوئے

گشت عریاں پے کشتی بت شیریں حرکات
بر جمال چمن آرائے محمد صلوات

بنگر از دلبر ما کشتی در رنگ از دلبر
کیں بہانے است کہ دارد زر عونت دلبر

در کشتی بگل و سرو سمن بستہ اوست
پیش قبض ہمہ در پنجہ بیابستہ اوست

چرب کرد آں بت مستانہ نگاہ دلجو
بدن از روغن بادام نگاہ آہو

گل بہشتی

خرقہ پوشیدہ ز انوار درخشاں روئے
ہر زمان بانگ کش نعرہ اللہ ہوئے

یک توجہ بتاں از رے وجہ رنگ از دلبر
صیقلے نیست دریں مرتبہ زنگ از دلبر

ہر کس از سلسلہ فقر جو من بستہ اوست
قبض و بسط ہمہ در قبضہ شائستہ اوست

زد یکے نعرہ ز مستی بہ صدائے یاہو
صد ہزار از اثرش فاختہ وش کوکو

گل گشتی

گوش بر حرف تو باشند ز مه تا ماہی
گاه کشتی جو کشتی بانگ خلیل اللہی

آرے آرے ہوس کشتی ہمکار خوش ست
چار تکبیر بریں عالم غدار خوش ست

چون ربا عیش بمیدان فصاحت سر شد
خضر گوئی که بنصیحت گر اسکندر شد

وقت کشتی ست ازاں شوخ پسندیده صفات
تا شکستی بدر رسانی ز رسد صد صلوات

ہمدمان تو ہمه چابک و رند قبچاق
ہم چوں سرو بگلہائے چمن بالا چاق

برتر از سرو و گل و نخل و سمن پایه تست
نیست پس خیز تو جز سایه که ہم سایه تست

با حریف و غل کشتی خصمانه جوش ست
زدن او بزمین نعره دلیرانه خوش ست

چه غم از خصم کج اندیش ہوائے داری
بو سر و ورزشی و زور خدائے داری

گل بہشتی

تاجور فرق براہیم بنور از شاہی
میزدش خلعت حق بانگ خلیل اللہی

آرے آرے ز دو عالم طلب باز خوش ست
چار سو بهر صفت گرمی بازار خوش ست

به عروجی عجمی طالع او یاور شد
که در اقبال و رہی خضر شد اسکندر شد

برد در جیب سران شاه رفیع الدرجات
باد بر احمد و بر آل محمد صلوات

ہمدمان تو ہمه قدوه دہر و آفاق
جفت با حق شده و گشته ز باطل ہم طاق

برتر از ماه و خورشید و ملک پایه تست
نیست ہمراز تو جز سینه که سرمایه تست

یکه جذب حقت لغزش مستانه خوش ست
ریزش فیض بهنجار کریمانه خوش ست

چه غم از حادثه چرخ جفائے داری
بو سر شورشی و ذوق خدائے داری

دونوں کے ممدوح سے آپ ابھی متعارف ہو چکے۔ اب ذرا دونوں استادان فن کے مطربوں سے بھی لطف اندوز ہو جیئے۔

"گل کشتی" — **خطاب بہ مطرب** — "گل بہشتی"

مطربا بلبل باغ چمن رنداں را
گرم کن از دم خود انجمن رنداں را
تینگ گپ زن ارباب فارابنواز
بلبل باغ دل بے سر و پا را بنواز
نالت صیقل آئینہ جانست بلے
تینگ تاج سر سوختگانست بلے
نوبت تختہ شلنگ ست شلنگ ست خلنگ
چہرہ یار فرنگ ست فرنگ ست فرنگ
تو کہ از اہل تلنگی بر ارباب نیاز
تا تلنگی مکن و بہر حریفان بنواز
محفل پیر و جوان ست مقامے شدکن
بزم خونابہ خور انست پیامے شدکن
جرک را دیدہ حیرت زدہ محشر کن
تازہ کن زمزمہ راشدہ عراقی سر کن

مطربا مرہم زخم جگر مستان را
گرم کن سینہ مستاں بسر اوستان را
ساز پر زمزمہ و نغمۂ دل ساز نواز
غزل خسروی و حافظ شیراز نواز
نغمات نور و صفائے دل و جانست بلے
شور طنبور تو شیرین جہانست بلے
عقل با عشق بجنگ ست و بجنگ ست و بجنگ
عاشقی کام نہنگ ست و نہنگ ست نہنگ
مطربا اے دل و جان رابہ دا ہائے تو ناز
شہنوائے بنوا آر و غریبے بنواز
محفل اہل جنان ست پیامے شدکن
بزم ارباب دم لان است پیامے شدکن
ہر چہ داری ز حجازی و عراقی سر کن
غزل مغربی و شعر عراقی سر کن

"گل گشتی"

مطربا حق حق ما از دم پوشندہ تست
ایں ہمہ کلکل از تبتنک گوشندہ تست
ارغنون و نے و قانون ہمہ از دل شک را
کوک کن طوطک و تبنور و دف و شینک را
نوبت تختہ شلنگ ست حریفاں دستے
تبتنک ما بہ تلنگ است حریفاں دستے
بجز از رندی و مستی چہ خیال ست اینجا
حق حق و قال مقال است اینجا
ہمہ در ساغر وحدت مے منصور کنند
ہمہ در وجد آئند و ہمہ شور کنند
بر لب زمزمہ آرا چہ خفی و چہ جلی
جرگ را گرم کنید از دم پر پائے ولی
بے مے و شیشہ ہمہ مست محبت باشند
مست دمدہوش ہم از نشہ صحبت باشند
بجز از رندی و مستی چہ خیال ست اینجا
حق حق قال دمقال ست اینجا

"گل بہشتی"

دل سودا زدہ عمریست کہ خوشندہ تست
پر ز غوغا صفت تبتنک گوشندہ تست
در دل خویش بدہ رہ ز سوئے من شک را
گر نباشد دف و طنبور بزن دستک را
ز آستیں چوں نگہ وجد برآرم دستے
من بمعنی بہ فشانم ز دو عالم دستے
ہمہ ذوق و ہمہ وجد و ہمہ حال است اینجا
ہمہ وصلست بمعشوق و وصال است اینجا
ہمہ وارفتگی از بادہ منصور کنید
ہستی خویش و خودی از دل خود دور کنید
زم را گرم کنید از دم بوبکر و علی
ہر دو در جرگ ولایت شدہ پر پائے ولی
حور صفت گرم رو منزل ہمت باشید
جام پیمائے خم جہد و ریاضت باشید
دیدن غیر ہمہ نقص کمال ست اینجا
سر توحید ہمہ قال و مقال ست اینجا

"گل کشتی"

تا بگوئیم بہ جاناں غم تنہائی را
تندسازید دف وتینگ غوغائے را
بخروشید وبجوشید وطربناک شوید
باعث ربط من واں بت بیباک شوید
مطربا خوش سخنا از دل آگاہ بگو
سخنے بہتر ازیں نیست کہ باللہ بگو

"گل بہشتی"

تا رسانیم بجاناں سر سودائے را
بشکنم از شغف ایں گنبد مینائے را
ہمہ در جملۂ عالم کہ ادراک شوید
در رہ نیستی از ہستی خود پاک شوید
مطربا نغمہ زنا از دل آگاہ بگو
یک غزل از لب ما سرکن و صدہ بگو

روضۃ النعیم :- یہ مثنوی بھی بحر رمل ہی میں ۱۳۰۱ھ میں لکھی گئی ہے۔ اس سے پہلے بھی بحر رمل میں لکھی ہوئی دو مثنویوں (گل فردوس، گل بہشتی) کا ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن ان دونوں کے برخلاف اس مثنوی کی سادگی، صفائی اور بے ساختگی کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ ہر مثنوی میں مذاق طبیعت اور زبان کا بدلنا بہت دشوار امر ہے اور یہ انہی سے ممکن ہے جن کو فن اور زبان پر قدرت تامہ حاصل ہو۔ اس مثنوی کی زبان حد درجہ سہل ہے۔

حضرت ثبات کا عقیدہ لا نفرق بین احدٍ من رسلہ پر واثق تھا۔ تمام بزرگان دین کو آپ واجب التعظیم اور اپنا سر تاج سمجھتے تھے

اور سارے سلاسل کی آپ دل سے عزت کرتے تھے۔ ابوالعلائیہ، چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ تقریباً سب ہی سلاسل کی آپ کے دل میں سلسلہ فردوسیہ ہی جیسی قدر و منزلت تھی اور سب ہی سلاسل کے مشائخ کی منقبت میں آپ نے عقیدتمندانہ اشعار لکھے ہیں۔ چنانچہ علاوہ شجرات طیبات کے آپ نے جہاں پیران فردوس کے احوال میں مثنوی گل فردوس لکھی وہاں حضرت سیدنا ابوالعلا اور بزرگان چشت رح کے احوال میں مثنوی گل بہشتی لکھی اور حضرت محبوب سبحانی سیدنا عبدالقادر جیلانی اور مشائخ قادریہ کی منقبت میں یہ مثنوی روضۃ النعیم لکھی۔ یہ مثنوی زور بیان اور سلاست کے ساتھ عاشقانہ سوز و گداز سے پُر ہے اور اس کے ایک ایک شعر سے عشق عبدیت اور شادی یافت کی شان نمایاں ہے۔ نمونۃً کچھ اشعار درج ذیل ہیں: ؎

"در منقبت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رح"

حضرت شیخ جہاں سید عبدالقادر
آنکہ انواع کرامات شد از وے در
بومحمد بودش کنیت و محی الدین نام
کہ وجودش پے اسلام وہی محی عظام
از سوم علوی بود و حسینی بہ نسب
بود آمادہ پے تربیتش رحمت رب
بودہ است او ز بزرگان و شیوخ گیلان
بہر زہاد در آنجا رُدش فیشان

هم مقامات هم احوال در اعالی بود — وز پے اہل ولا وارث وہم والی بود

خرقِ عادات وکرامات بسے ظاہر داشت — جملہ آثار ولائت بجبیں باہر داشت

اولیائے عجم را ہمہ دریافتہ بود — زمرۂ اہل ہمم را ہمہ دریافتہ بود

مستجاب درِ حق در ہمہ دعوت گشتہ — قبلہ وکعبہ ارباب طریقت گشتہ

آنچناں بود پسندیدہ ومقبول خدا — گر کسے بے ادبی کرد چہ شاہ و چہ گدا

خبر از حال و وعیکہ بدادی از پیش — بظہور آمدی آنسان خبرش بے کم وبیش

رفتہ بودند تنے چند ز اصحاب او — بہ سمرقند پئے از مال و متاع ہر سو

بود ایشان ہمہ را قصد تجارت در دل — طے نمودند بہ امید تجارت منزل

بہ سمرقند چو نزدیک رسیدند ہمہ — منزل خوف وخطر را بہ بریدند ہمہ

آنکہ بودست اخیر از ہمہ منزل بہ میان — ناگہاں بود دراں جاگہ راہزنان

آمدند ایں ہمہ از بہر تجارت بیرون — آمدند آں ہمہ از کوہ بغارت بیرون

آں جماعت بہ دلیری وتہور ہمہ فرد — وایں جماعت ہمہ نادان رہ ورسم نبرد

چوں ندیدند در فتح بروئے خود باز — شیخ را از پے امداد بدادند آواز

جملہ دیدند ستادہ ست میان ایشاں — باز در جسم فرود آمدہ جان ایشان

باز فرمود بایشان کہ ہمہ دور شوید — پیل زور آں ہمہ کمزور تر از مور شوید

کہ شدند آں ہمہ از زمرۂ اصحاب جدا — بلکہ از یکدگرے ہم بہ تب و تاب جدا

جملہ سرگشتہ فتادند در آں وادیہا — یا بکوہے بخزیدند ز بر بادیہا

عبرت افزا:۔ یہ مثنوی خمسہ خسرو، خمسہ نظامی اور خمسہ جامی کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ یہ مثنوی آپ کے آخری دور کی تصنیف ہے۔ چار بحروں میں چار مثنویاں لکھی جا سکی تھیں کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور عوارض اور ضعف قویٰ نے اس کی تکمیل کا موقع نہیں دیا۔

حضرت ثبات اپنے کو برابر خسروؔ، سعدیؔ، نظامیؔ اور جامیؔ کا خوشہ چین کہتے تھے۔ اس لئے گل کشتی کی طرح اس میں مقابلہ کا جذبہ کہیں بھی کارفرما نہیں ہے۔ پھر بھی اکثر جگہوں میں جیسا کہ ہم آگے تفصیل سے بتائیں گے جہاں جہاں پر مقابلہ ہو گیا ہے وہ قابل تحسین اور داد ہے۔

اس کتاب میں چار مختلف بحر کی مثنویاں ہیں۔ ہر مثنوی میں حمد و نعت اور ایک پیغمبر علیہ السلام کی داستان ہے۔ پہلی مثنوی میں حضرت مخدوم الملکؒ حضرت شاہ امیرالدینؒ، حضرت شاہ جمال علیؒ، حضرت شاہ ولایت علیؒ کی منقبت بھی ہے۔ اور اس کا زور اور خلوص قابل دید ہے۔ مثلاً

"در مدح حضرت مخدوم الملکؒ"

اکنوں بکنیم دُرفشانی	در مدحت قلزم معانی
برگزیدہ خیل اہل دنیاں	صدر انجمن خدائے بنیاں
حامی شریعت محمدؐ	بادین شرف و بنام احمدؐ

بے افسر و تاج بادشاہی — واصل کن حق بیک نگاہی

بر کنگرہ عرش بردہ رایت — یکتا بدراست و درایت

در افسر فقر درۃ التاج — در علم سلوک بحر مواج

در مقعد صدق فرش آشیانہ — فردوس برینش آستانہ

در زہد و ورع بلند شانے — در عالم معرفت جہانے

یکدم ز طلب نیاز میدہ — تا آنکہ بوصل حق رسیدہ

بر مسند فقر بے زر و سیم — او زنگ نشین ہفت اقلیم

در تربیتش عجائب انداز — در ہر سخنے بہ نطقش اعجاز

آں زنگ قلوب را جلا کرد — دین بیشہ و کوہ را طلا کرد

کشاف حقیقت خلائق — دقاق دقیقۂ دقائق

دانائے رموزہائے توحید — در بند ازو بنائے توحید

مشکوٰۃ نبوتش بہ تعلیم — اقلیم دلاش کردہ تسلیم

در عذر ملیک مسکنش باد — فردوس برین نشیمنش باد

ہفت سپہر نظامیؒ میں ایک جگہ نعت رسولؐ اس طرح شروع ہوا ہے۔
اسی بحر میں حضرت ثباتؒ نے بھی نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہے ہم
دونوں ایک جگہ لکھ دیتے ہیں۔ اس سے ہمارا مقصد مقابلہ نہیں بلکہ فن دانوں

کے لئے تقابلی مطالعہ ہے :-

از ہفت پیکر نظامیؒ

نقطۂ خلق اولین پرکار
خاتم آخر آفرینش کار
تو بر باغ ہفت چرخ کہن
درۃ التاج عقد تاج سخن
کیست جز خواجہ موندرائے
احمد مرسل آں رسول خدائے
شاہ پیغمبران بہ تیغ و بتاج
تیغ او شرع و تاج او معراج
امی و امہات را مایہ
عرش فرسائے و عرش ہمسایہ
پنج نوبت زن شریعت پاک
چار بالش نہ ولایت خاک
نفش بر ہوا چو مشک افشاند
رطب تر ز نخل خشک افشاند
ان جسد را جسد ازیں جان ست

از عبرت افزا ثباتؒ

لمعہ نور اولین انوار
آخریں سر ز جلوہ اسرار
سرو آزاد در ریاض زمن
شعبہ نورس از درخت کہن
کیست جز ذات خواجہ دو سرائے
مقتدائے رسل حبیب خدائے
نم فیضان او ہم امواج
قلزم او کائنات از و مواج
آفرینش بد وست پرمایہ
سایہ اُو بنور ہمسایہ
حوض کوثر نمی ز اعطیناک
شمہ از مناقبش لولاک
آہوئے خلق او چو مشک افشاند
تری اندر دماغ خشک افشاند
کائنات اند جسم او جان است

از ہفت پیکر نظامیؒ

ہمہ تخت اند او سلیمان ست
معجز خار خشک او رطب است
رطبش خار دشمن این عجب است
آفرین کردش آفریننده
کین گزین بود آہ گزیننده
چون نگنجید در جہان تاجش
تخت بر عرش بست معراجش
باد بیش از مدار چرخ کبود
برگزیننده و گزیده درود

از عبرت افزا ثباتؒ

ہمہ مور اند او سلیمان است
امی و ابطحی در لقب است
نسبتش از ہزار ہمہ نسب است
آفرین ہا ز آفریننده
کہ گزین ساختش گزیننده
لامکان ساخت دُرّۃ التاجش
عرش پشت آمده ز معراجش
باد بر جان ہمہ درود
برگزیده زہر گزیده درود

خمسہ خسرو میں امیر خسروؒ نے ایک جگہ اپنے شیخ اور مرشد حضرت نظام الدین اولیاؒ کی منقبت لکھی ہے۔ حضرت ثبات نے بھی اپنے جد اعلیٰ مخدوم الملک شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کی مدح میں جو اشعار لکھے ہیں وہ اوپر لکھے جا چکے ہیں۔ اس جگہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کی منقبت میں حضرت خسروؒ نے جو منقبت لکھی ہے، درج کرتے ہیں۔ پڑھنے والے دونوں کو سامنے رکھ کر پڑھیں:

اکنوں قدمے در معانی | ریزم بسر جنید ثانی
قطب زمن و پناہ ایمان | سر جملہ جملہ کریمان
در شرع نظام الدین احمد | یعنی کہ نظام دین محمد
در حجرہ فقر بادشاہی | در عالم دل جہاں پناہی
شاہنشہ بے سریر بے تاج | شاہانش بخاک پاک محتاج
بر خاک ز رحمت آسمانے | بر چرخ ز دولت آستانے
در عالم وحدت ایستادہ | بر ہر دو جہان قدم نہادہ
از خواجگی آستین کشیدہ | در پایہ بندگی رسیدہ
مسند ز سپہر برترش باد | خسرو چو ستارہ چاکرش باد

حضرت ثباتؒ نے بوستان سعدی کی بحر میں بھی ایک مثنوی لکھی ہے دونوں کی ابتدا ملاحظہ ہو:۔

بوستان سعدیؒ | **عبرت افزا ثباتؒ**
بنام جہاندار جاں آفرین | بنام خداوند عرش بریں
حکیم سخن بر زبان آفرین | بہر بندہ بیشی ز رگ جاں قریں
خداوند بخشندۂ دستگیر | مبرا ز ضد و ز شبہ و نظیر
کریم خطا بخش پوزش پذیر | شہنشہ و لیکے مشیر و وزیر

عزیزیکہ از درگہش سر بتافت
خرد بہر ادراک کنہش شتافت

بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت
ز آگاہیش تار پودے نیافت

سر بادشاہان گردن فراز
دہر دردل از عشق سوز و گداز

بدرگاہ او بر زمین نیاز
بہ سوئے حقیقت کشد از مجاز

دونوں صوفی شعراء کے نعت سید مرسلین کا انداز بھی ملاحظہ ہو :ـــ

کریم السجایا جمیل الشیم
عظیم العطایا جزیل الکرم

نبی البرایا شفیع الامم
مزیل الخطایا کفیل الامم

امام رسل پیشوائے سبیل
ملاد رسولاں عدیم العدیل

امین خدا مہبط جبرئیل
مطاع کریماں اصیل البیل

شفیع الوریٰ خواجہ بعث و نشر
کریم البشر صاحب طیب و نشر

امام الہدیٰ صدر دیوان حشر
شفیع عصاۃ امم روز حشر

کلیمے کہ چرخ فلک طور اوست
ازل تا ابد در جہان نور اوست

ہمہ نورہا پرتو نور اوست
چو خورشید و مہ سایہ نور اوست

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست
چو بہر شفاعت میاں بست چست

کتب خانہ چند ملت بشست
عمل نامہ معصیتہا بشست

شبے بر نشست از فلک برگذشت
بہ ہمت ز ملک و ملک در گذشت

بہ تمکین وجاہ از ملک گم گذشت | بہ معراج از نہ فلک در گزشت

مثنوی شہد وشیر:۔ یہ مثنوی اک شیعی مثنوی نان وپنیر کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ نان وپنیر ایک شیعہ صاحب نے صوفیائے کرام اور ان کی روش پر اعتراضا لکھی تھی۔ حضرت ثباتؒ اس وقت اضمحلال قوی اور ضعف بصارت کے باعث لکھنے پڑھنے کا کام چھوڑ چکے تھے، لیکن اس مثنوی کو سن کر آپ بہت رنجیدہ خاطر ہوئے۔ اور یہ مثنوی شہد وشیر لکھ کر چھپوا دی، جو نان وپنیر کا مسکت جواب تھا۔ اس میں زبان کی لطافت بیان کی ندرت اور طرز ادا کی خوبی کے ساتھ استدلال میں وہ پختگی ہے کہ بیساختہ دل سے داد نکل جاتی ہے۔

مصنف حیات ثبات جناب سید شاہ نجم الدین صاحب فردوسی مدظلہ[1] نے اس مثنوی کے بارے میں اپنی تصنیف میں اس طرح اظہار خیال کیا ہے:۔

"حضرت اقدس مذہبی امور میں سکوت نہیں فرماتے تھے فوراً غصہ آجاتا تھا

---

[1] جناب سید شاہ نجم الدین احمد نجم فردوسی حضرت سید شاہ برہان الدین احمدؒ کے منجھلے صاجزادے اور جناب حضور حضرت سید شاہ امین الدین احمد فردوسیؒ کے پوتے ہیں۔ آپکی پیدائش ۲۵ جمادی الاول ۱۳۰۲ھ مطابق میں ہوئی۔ آپ کی تعلیم وتربیت آپکے دادا جان جناب حضور حضرت سید شاہ امین الدین احمد فردوسیؒ سے ہوئی

اور بے تکلف اظہار حق پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ اس مثنوی کے وہ سمع خراش
اشعار جس وقت آپ نے سنی تاب نہ رہی۔ جلال آگیا۔ حالانکہ ضعف بصارت کی
وجہ سے لکھنا پڑھنا موقوف تھا۔ مگر دو چار روز تک یہ معمول رہا کہ صبح کو

(بسلسلہ ماسبق) فارسی زبان وادب پر آپ کو غیر معمولی قدرت حاصل ہے۔ کتب بینی کا آپ کو
شروع ہی سے ذوق تھا۔ فطری ذہانت نے علم کو اور چار چاند لگا دیا۔ علم تصوف پر آپ کی
بڑی اچھی نظر ہے۔ شعر وشاعری کا بھی گہرا مذاق ہے۔ اردو اور فارسی دونوں میں کلام موزوں
فرماتے ہیں۔ ابتدا میں اپنے چچا جان حضرت سید شاہ محمد الیاس صاحب یاسؔ بہاری کو اپنا
کلام دکھایا ہے۔ مکتوبات صدی کے ابتدائی پچیس مکتوب کا آپ نے اردو میں کامیاب ترجمہ
بھی کیا، جس کی تکمیل بعد میں حضرت یاسؔ بہاری آپ کے چچا جان مرحوم نے کی تھی۔

۱۹۲۷ء میں بہار شریف سے الامین نامی ایک ادبی ماہنامہ نکلتا تھا۔ جس کی
ادارتی مجلس میں آپ بھی شریک تھے۔ آپ کو بیعت جناب حضرت

آپ کے فارسی اور اردو کلام سے چند اشعار نمونۃً درج ذیل ہیں:-

در دلم ذوق وفائیست کہ من میدانم	ناوک ناز بلائیست کہ من میدانم
جان شیرین کہ فدائے لب لعلیں کردم	تلخی مرگ دوائیست کہ من میدانم
حرم و دیر نہ منزل گہہ یار ست ولے	جلوہ اش ہوش ربائیست کہ من میدانم
خاک بر سجدۂ آں کس کہ نہ گنجی گلہے	کیں ہماں ناصیہ سائیست کہ من میدانم
آں کہ اندر رہ عشقش سپر دجاں عزیز	سعی مردہ وصفائیست کہ من میدانم

جو لڑکا پہلے حاضر ہوا اس کو حکم ہوا کہ ان شعروں کو لکھ لو۔ اب جو شعر لکھے جاتے ہیں تو چستی بندش اور روانی اور دلچسپی میں بالکل اہل زبان کا مزا ملتا ہے۔ علاوہ بریں جواب پر نظر کی جاتی ہے تو نہایت منصفیانہ عالمانہ اور صوفیانہ ہے۔ جب مرتب ہو گئی تو چھپوا دی گئی اس میں ایک جگہ آپ نے سنی اور ایک جگہ محب تخلص کیا ہے۔"

حضرت سید شاہ برہان الدین احمدؒ کے وصال کے بعد جناب حضور علیہ الرحمۃ کی حالت بہت دگرگوں ہو گئی۔ آپ کو اپنے ان صاحبزادے سے حد درجہ

(بسلسلہ ماسبق) کے نہد گوش بہ پند تو مگر نجمؔ حزیں

خوگر جور و جفائیست کہ من میدانم

پھر بہار زندگی راحت فزا ہونے کو ہے
دل کا ہر زخم کہن یعنی ہرا ہونے کو ہے

کچھ ابھی سے ہو رہی ہے جان محزوں بیقرار
عرصۂ محشر میں کس سے سامنا ہونے کو ہے

نجمؔ کچھ آسان تھا دل میں چھپانا راز عشق
اشک رنگیں اب تو دامن آشنا ہونے کو ہے

مرے درد دل کا مداوا کریں گے
خدائی کا دعویٰ مسیحا کریں گے

دم نزع اب آکے وہ کیا کریں گے
کچھ اچھا کیا ہے کچھ اچھا کریں گے

جفا سہتے سہتے وفا کرتے کرتے
کسی کو اسی طرح اپنا کریں گے

غزل آپ کی نجمؔ اس رنگ کی ہے
سنیں گے تو ہم وجد لایا کریں گے

محبت تھی۔ آپ نے حج بیت اللہ کے سفر پر جانے سے پہلے آپ کو اپنا جانشین بھی بنا دیا تھا۔ اور ان کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی بہت زیادہ قدر کرتے تھے۔ ان کی جدائی آپ سے برداشت نہ ہو سکی اور فوراً اضمحلال قویٰ اور ضعف بصارت کے شکار ہو گئے۔ اور بالآخر شمع کی طرح گھلتے گھلتے ۱۲ مئی ۱۹۰۳ء مطابق ۵ جمادی الثانی ۱۳۲۱ھ ایک بج کر ۵۵ منٹ پر شب کے وقت اپنے خالق سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللہ آپ کی تربت کو عنبریں کرے۔
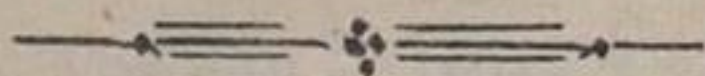
فصل بست و ہفتم

حضرت سید شاہ ضیاء الدین محمد حیات قدس اللہ سرہٗ

حضرت سید شاہ ضیاء الدین محمد حیات صاحبؒ حضرت مخدوم سید شاہ برہان الدین احمدؒ کے صاحبزادے تھے۔ اور اپنے والد[1] کی وفات کے بعد مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے۔

---

[1] جناب سید شاہ نجم الدین نجمؔ فردوسی مدظلہٗ اور بعض اور بزرگوں کا کہنا ہے کہ حضرت جناب حضور سید شاہ امین احمد فردوسیؒ ماہ شوال ۱۲۹۳ھ میں جب فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے، تو مسند سجادگی پر باقاعدہ اپنے صاحبزادے حضرت سید شاہ برہان الدین احمد صاحب کو بٹھا دیا تھا۔ اور واپس آنے کے بعد بھی اس میں کوئی ترمیم نہ کی۔ کچھ ہی سال کے بعد ۱۲ صفر ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء کو آپ کا وصال ہو گیا اور اس کے بعد حضرت جناب حضورؒ نے حضرت سید شاہ برہان الدین احمدؒ کے بڑے صاحبزادے

آپ کی ولادت ۱۲۹۷ھ میں ہوئی تھی اور وصال یکم جمادی الآخر ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء دو بج کر ۵ منٹ میں شب کو ہوئی - آپ کی صحت برابر خراب رہتی تھی۔ آب نزول (ہائڈروسل) اور بواسیر کے بہت کہنہ مریض تھے - اور اس سے زندگی بہت تلخ رہتی تھی۔ بچپن میں جبکہ آپکی عمر بارہ تیرہ برس کی تھی ایک مرتبہ گھوڑے سے گر کر بہت سخت مضروب ہو گئے تھے اور اس سے آگے چل کر آپ کی صحت پر بہت برا اثر رہا۔

آپ کی تعلیم و تربیت جناب مولانا سید شاہ محمد فاضل صاحبؒ سے جو آپ کے پھوپھا بھی تھے، ہوئی۔ بیعت جناب حضور حضرت سید شاہ امین الدین احمد فردوسیؒ (جد بزرگوار) سے حاصل تھی۔

آپ کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ پہلی شادی بھینسا سور جناب میر افضل امام صاحب مرحوم کی لڑکی بی بی رحیم النساء مرحومہ سے ہوئی تھی - ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی تو پھر احباب اور اہل خاندان کے اصرار پر انہوں نے دوسری شادی اپنی خالہ زاد بہن بی بی بشریٰ خاتون بنت جناب حافظ عبدالستار صاحب سے کی۔ جن سے تین صاحبزادے ہوئے۔ بڑے صاحبزادے جناب سید شاہ محمد سجاد صاحب مدظلہٗ (عرف منو بابو) اس وقت مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہیں۔ بقیہ دو صاحبزادے جناب سید شاہ محمد عزیز الدین اور جناب سید شاہ محمد نسیم الدین صاحبان بھی بفضلہ

(بسلسلہ ماسبق) حضرت سید شاہ ضیاء الدین محمد حیاتؒ یعنی اپنے پوتے کو ان کی جگہ پر سجادہ نشین کیا۔

بقید حیات ہیں اور انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کاروباری زندگی میں مشغول ہیں۔

آپ کو موسیقی اور شعر و شاعری سے بھی بہت گہری دلچسپی تھی اکثر اوقات قوال آپ کے حضور میں کچھ نہ کچھ گایا کرتا تھا۔ آپکا موسیقی کا شوق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ اکثر آپ اپنے سنجیدہ احباب اور عزیزوں سے بھی جن کے متعلق آپ کو معلوم ہو جاتا کہ اس فن سے دلچسپی رکھتے ہیں گانے کی فرمائش کر دیتے۔

آپ کو شعر و شاعری کا بھی اچھا مذاق تھا لیکن اردو سے زیادہ آپ ہندی میں شعر کہتے تھے۔ آپکا غیر مطبوعہ کلام ان کے عزیزوں کے پاس موجود ہے۔

آپکی وفات کے بارے میں سید شاہ نجم الدین نجم فردوسی مدظلہٗ ناقل ہیں کہ تقریباً وہی منظر و داعیہ جو حضرت مخدوم الملکؒ اور جناب حضور حضرت سید شاہ امین احمد فردوسیؒ کے وصال کے وقت دیکھا گیا تھا آپکی وفات کے وقت حاضرین نے دیکھا۔ وہی کلمے اور استغفار وہی ہوش و حواس کی درستگی، وہی ضبط و استقلال، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مخدوم الملکؒ اور دوسرے بزرگان فردوسیہ کی دستگیری اور اعانت اپنے جانشینوں کے شامل حال ہو۔

تاریخ وفات جناب سید شاہ نجم الدین نجم فردوسی مدظلہٗ نے اس طرح لکھا ہے:

کارِ جہان شد تباہ گفت چو ہاتف بہ آہ
راہی خلد بریں شاہ محمد حیات

۱۹ ۲۹
۶
۱۹۳۵

فصل بست و ہشتم

حضرت سیّد شاہ محمّد سجّاد صاحب مدظلہٗ

حضرت سید شاہ محمد سجاد صاحب مدظلہٗ اپنے والد حضرت سید شاہ ضیاء الدین محمد حیات رح کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپکی پیدائش ۱۹۱۰ء میں ہوئی تھی آپ کو بیعت اپنے والد ماجد جناب سید شاہ ضیاء الدین محمد حیات سے حاصل ہے۔

آپ بہت متین، سنجیدہ، کم سخن اور سادہ دل انسان ہیں۔ آپکی شادی اپنی چچازاد بہن جناب سید شاہ نجم الدین صاحب نجم فردوسی مدظلہٗ کی بڑی صاجزادی سے ہوئی ہے۔ جن سے ماشاء اللہ کئی اولاد ہیں۔

قطعہ تاریخ ہائے سلسلۂ فردوسیہ

۱۹ ۶ ۶۱

از

ابواللسان حافظ محمد عبد الرحمٰن بسمل سنہاروی گیاوی

ہوگئی چھپ کر مرتب وہ کتاب — دیر سے تھا منتظر جس کا جہاں
دل پسند صوفیان باصفا — دل نواز مسلکِ فردوسیاں
مرحبا دردائی روشن خیال — ذی شرف، ذی علم، والا دوماں
اپنی کاوش ہائے ذہن و فکر سے — کر دیا شائع یہ گنج شائیگاں
ہو چلی تھی محو دل سے جن کی یاد — بخش دی ان کو حیاتِ جاوداں
ہے دعا اس کے مصنف کو خدا — اور دے زور قلم حسنِ بیاں

لکھ دو بسمل اس کی یہ تاریخ طبع
ذکرِ پاکِ وطیبِ فردوسیاں

۱۳ ھ ۸۱

ایضاً در سنِ عیسوی

زتصنیف دردائی باکمال
بدست آمد این نسخۂ بے بہا
سنِ طبع برجستہ بسملؔ بگفت
کہ بشد طبع تاریخ فردوسیہ

۱۹ ۶ ۶۱

قطعہ تاریخ طباعت "تاریخ سلسلۂ فردوسیہ"

مصنفہ مخلصی معین الدین دردائی صاحب

از نتیجۂ فکر خاکپائے فردوسیاں قسیم الدین احمد فردوسی

ہے لایق تحسیں یہ معین آپکی کاوش
مقبول در حضرت والا ہے یہ بیشک

ہے اوج پہ دردائی کی قسمت کا ستارہ
صد شکر نوائے جسے چاہے وہ جہاں تک

یہ اصل میں ہے سلسلۂ پاک کی تاریخ
سیرت بھی ہے پیران سلاسل کی بلا شک

تصنیف مصنف کو وسیلے سے نبیؐ کے
مقبول خلایق کرے اللہ تبارک

تاریخ طباعت کی قسیم آپ یہ لکھیے
فردوسیہ تاریخ کی ہو طبع مبارک

۱۹   ۶   ۶۱

مکتبہ :- تمنظامی، معروف گنج، گیا۔ فروری ۱۹۶۲ء